جلد 37 شمارہ 6

جون 2015ء

قیمت -/60 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افسانے

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماهنامه حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

قارئین کرام! جون کا شمارہ 2015ء پیش خدمت ہے۔

یہ شمارہ جب آپ کو ملے گا آپ رمضان المبارک کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف ہوں گے۔ روزہ ایسی عبادت ہے جو تمام انبیاء علیہ السلام کی اُمتوں پر فرض رہا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے روزہ فرض کرنے کا مقصد یہ بتایا ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے۔ تقویٰ کا مطلب ہے اپنے آپ کو غلط باتوں سے محفوظ رکھنا اور احکام خداوندی کے مطابق صحیح طریقوں پر زندگی بسر کرنا۔ تقویٰ تمام عبادات کی بنیاد ہے اور اسلام کی تمام عبادات کا بنیادی مقصد باطنی اصلاح اور قلبی کیفیات کی تبدیلی ہے۔ روزہ کی وجہ سے سحری سے افطاری تک انسان کی عملی طور پر صبر اور شکر، اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے ضابطوں اور احکام کی اطاعت کرنے کی مسلسل تربیت اور لمحہ بہ لمحہ ہوتی رہتی ہے۔

روزہ میں جھوٹ، بدکلامی، فضول گوئی اور لڑنے جھگڑنے سے منع کیا گیا ہے۔ اسی طرح روزے کی بناء پر انسان میں ضبط نفس اور خواہشات پر قابو پانے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ رمضان المبارک کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قرآن پاک نازل ہوا۔ قرآن پاک کی تعلیمات قیامت تک کے لئے ہیں اس میں زندگی کو بہترین انداز سے گزارنے کا لائحہ عمل دیا گیا ہے۔ اس کے نزول کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اسے سمجھے بوجھے بناء پڑھ لیا جائے بلکہ قرآن پاک کا حق اسی وقت ادا ہو سکتا ہے جب ہماری زندگی کا کوئی شعبہ اور معاشرے کا کوئی بھی حصہ راہنمائی سے خالی نہ رہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مہینے سخاوت کی انتہا کر دیتے تھے آپ کی اتباع سنت کا تقاضا ہے کہ اس مہینے میں مستحقین کی دل کھول کر امداد کی جائے۔ ماہ رمضان کے ایک ماہ کے روزے خالق کی عبادت اور مخلوق کی تربیت ہیں اور ایک ماہ کے روزوں کی تربیت کا حقیقی مفہوم اسی وقت پورا ہو سکتا ہے جب رمضان المبارک کے بعد بھی ہم اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کرتے ہوئے اسلام کے اصولوں پر کاربند رہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانان اسلام کو روزہ رکھنے کی اور اس کے احکامات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین، یارب العالمین۔

عید نمبر:۔ جولائی کا شمارہ "عید نمبر" ہوگا، عید نمبر میں تمام سلسلے عید کی مناسبت سے ہوں گے اس کے علاوہ مصنفین سے عید سروے میں شامل ہے عید سروے کے سوالات اسی شمارے میں شائع کیے جا رہے ہیں۔ آپ سب سے گزارش ہے کہ اپنی تحریریں اور سروے کے جوابات 16 جون تک بھجوا دیں۔

اس شمارے میں:۔ فضیلت رمضان اور عبادات، مصباح تارڑ اور سندس جبین کے مکمل ناول، ہما عامر اور ماہا بہ راجپوت کے ناولٹ، عمارہ امداد، تحسین اختر، ثمینہ شیخ، قرۃ العین رائے اور سویرا فلک کے افسانے، سدرۃ المنتٰی اور نایاب جیلانی کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

حمد باری تعالیٰ

دل رفتہ جمال ہے اس ذوالجلال کا
مجمع جمیع صفات و کمال کا

ادراک کو ہے ذات مقدس میں دخل کیا
اودھر نہیں گزر گمان و خیال کا

حیرت ہے عارفوں کو نہیں راہ معرفت
حال کچھ اور ہے یاں انہوں کے حال و قال کا

ہے قسمت زمین و فلک سے غرض نمود
جلوہ وگرنہ سب میں ہے اس کے جمال کا

مرنے کا بھی خیال رہے میر اگر تجھے
ہے اشتیاق جان جہاں کے وصال کا

جگر مراد آبادی

نعت رسول مقبول ﷺ

قدرت کی آن والے رحمت کی شان والے
تجھ پہ جہاں تصدق او پاک جان والے

دونوں جہاں کی نعمت ہے مٹھیوں میں تیری
بوسیدہ کپڑوں والے ٹوٹے مکان والے

ایسے تھے آپؐ امی کھولی زبان جس دم
دم بھر میں بے زباں تھے ساری زبان والے

روضہ پہ آئے صبا تو جا کر یہ عرض کر دے
مہجور کب تک آخر پاکستان والے

اک جنبش نگہ کے سب منتظر کھڑے ہیں
پر درد قلب والے پر سوز جان والے

میر تقی میر

سید اختر ناز

باب، مال کے فتنے سے ڈرتے رہنے کا

بیان

اور اللہ تعالیٰ (سورہ تغابن میں فرماتا ہے)
تمہارے مال اور اولاد تمہارے لئے فتنہ ہیں، اللہ تعالیٰ کی آزمائش ہیں۔

آدم کی حرص

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔
''آدمی (کی حرص) کا یہ حال ہے کہ اگر اس کے پاس دو وادیاں مال (یا سونا) ہو تو (اس پر بھی قناعت نہ کرے گا) تیسری وادی ڈھونڈے گا اور آدمی کا پیٹ صرف اور صرف مٹی ہی بھرے گی اور اللہ تعالیٰ اسی کی توبہ قبول کرتا ہے جو اس کی طرف (دل سے) توبہ کرتا ہے۔''
ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایات ہے۔
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔
''اگر آدمی کے پاس ایک وادی مال اسباب ہو تو بھی دوسری وادی کی آرزو کرے گا اور آدمی کی آنکھ اسی وقت بھرے گی، جب مٹی میں گڑے گا اور اللہ اسی شخص کی توبہ قبول کرتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔'' ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔
''میں نہیں جانتا یہ قرآن کی آیت ہے (جس کی تلاوت منسوخ ہو گئی یا قرآن کی آیت نہیں (بلکہ حدیث ہے)''
عبداللہ بن زبیر سے روایت ہے۔
''اے لوگو! تحقیق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔''
''اگر ایک آدمی کو ایک وادی سونا مل جائے تو بھی قناعت نہیں کرے گا، دوسری وادی چاہے گا، اگر دوسری بھی مل جائے تو تیسری چاہے گا، بات یہ ہے کہ آدمی کا پیٹ مٹی ہی بھرتی ہے (یعنی موت) اور اللہ تعالیٰ اسی کی توبہ قبول کرتا ہے جو اس کی طرف رجوع ہو۔''
باب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا، یہ دنیا کا حال (ظاہر میں) بہت شیریں ہرا بھرا ہے اور اللہ تعالیٰ نے (سورہ آل عمران میں) فرمایا۔
''مرغوب چیزوں کی خواہش لوگوں کے لئے مزین کر دی گئی ہے، عورتیں اور بیٹے اور سونے چاندی کے ڈھیر کے ڈھیر، عمدہ نشان زدہ گھوڑے اور چوپائے، کھیت یہ سب چیزیں دنیا کے سازوسامان ہیں۔''
اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔
''یا اللہ! ان چیزوں سے بچنے کی طاقت نہیں رکھتے مگر یہ کہ ان چیزوں کے ملنے سے خوش ہوتے ہیں جن کی محبت تو نے ہمارے دل میں ڈال دی ہے، یا اللہ! میں یہ چاہتا ہوں ان چیزوں کو ان ہی کاموں میں خرچ کروں جن میں

خرچ کرنا چاہیے۔"

دینے والا ہاتھ

حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا (کچھ روپیہ مانگا)، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عنایت فرمایا پھر سوال کیا تو پھر دیا پھر فرمانے لگے۔

"حکیم یہ دنیا کا مال (ظاہر میں) تو ہرا بھرا شیریں (اور خوشنما ہے) ہے لیکن جو کوئی اس کو سیر چشمی سے لے گا زیادہ حرص نہ کرے گا تو اس میں برکت ہوگی اور جو کوئی اس میں نیت لگا کر (حرص اور طمع کے ساتھ) لے گا اس کو برکت نہ ہوگی، اس کی مثال اس شخص کی سی ہوگی جو کھاتا ہے، پر سیر نہیں ہوتا اور یہ بھی سمجھ لے کہ اوپر والا ہاتھ (دینے والا) نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے۔"

آدمی جو مال اللہ کی راہ میں دے

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"تم میں کون ایسا ہے جس کو اپنے وارث کا مال خود اس کے مال سے زیادہ پیارا ہو؟"

لوگوں نے کہا۔

"ایسا تو کوئی ہیں ہے، ہر ایک کو اپنا ہی مال زیادہ پیارا ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"پھر تو (یہ سمجھ لو کہ) آدمی کا مال وہی ہے جو اس نے آگے بھیجا اور جتنا مال چھوڑ گیا اس کے وارثوں کا ہے۔"

دنیا میں مال دار

اور اللہ تعالیٰ نے (سورہ ہود میں) فرمایا۔

"جو شخص (نیکیاں کر کے) دنیا کے ساز و سامان اور اس کی زندگی کا طلب گار ہوگا، ہم ایسے لوگوں کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں ان کو پورا دیں گے اور وہ دنیا میں گھاٹا نہیں اٹھائیں گے، پر ان لوگوں کے لئے آخرت میں دوزخ کے سوا اور کچھ نہیں ہے، دنیا میں جتنے نیک کام کیے، وہ آخرت میں کسی کام نہیں آئیں گے، سب (حرف غلط کی طرح) مٹ جائیں گے۔"

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔

"میں ایک رات (اپنے گھر سے) باہر نکلا، کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکیلے جا رہے تھے، ایک آدمی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہیں ہے، میں یہ سمجھ کر کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کسی کو اپنے ساتھ لے چلنا پسند نہ کیا ہو (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نہیں گیا) دور رہی دور چاند کے سائے میں چلنے لگا، یک بارگی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نگاہ پھیری تو مجھے دیکھ لیا اور پوچھا۔

"یہ کون ہے؟"

میں نے کہا۔

"میں ہوں ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اللہ مجھ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کرے۔"

فرمایا۔

"ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! ادھر آ۔"

اس وقت میں لمحہ بھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ چلتا رہا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جو لوگ دنیا میں بہت مال و دولت رکھتے ہیں، آخرت میں وہی نادار ہوں گے، البتہ وہ شخص جس کو اللہ نے دولت دی ہو پھر وہ دائیں

دائیں بائیں اور آگے پیچھے (چاروں طرف) اس کو دیتے رہیں، گو دے) اور دولت نیک کام میں خرچ کرے، وہ آخرت میں نادار نہ ہوگا۔"

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

"آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک صاف ہموار میدان میں بٹھا دیا جس کے اردگرد پتھر تھے اور فرمایا۔

"جب تک میں لوٹ کر نہ آؤں تم یہاں بیٹھے رہو۔"

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پتھریلی زمین میں تشریف لے گئے، اتنے دور چلے گئے کہ میری نظر سے غائب ہو گئے اور بہت دیر لگائی، اس کے بعد میں نے دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لا رہے ہیں اور یہ فرما رہے ہیں۔

"گو زنا اور چوری کرے۔"

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آ پہنچے تو مجھ سے نہ رہا گیا، میں نے کہا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ مجھ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سے صدقہ کرے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پتھریلی زمین کے کناروں پر کس سے باتیں کر رہے تھے، میں نے تو کسی شخص کی آواز نہیں سنی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ جواب دیتا ہو۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"وہ جبریل علیہ السلام تھے، اس کالی پتھریلی زمین کے کنارے میں مجھ سے ملے اور کہا، تم اپنی امت کو یہ خوش خبری سنا دو جو کوئی تمہاری امت میں سے ایسی حالت میں مر جائے گا کہ وہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو (گو دوسرے گناہوں میں گرفتار ہو) وہ (ایک نہ ایک دن) ضرور بہشت میں جائے گا۔"

اس وقت میں نے کہا۔

"اے جبریل! گو وہ زنا اور چوری کرے؟"

انہوں نے کہا۔

"ہاں، (گو وہ زنا اور چوری کرے)"

پھر انہوں نے کہا، پھر میں نے کہا "گو وہ زنا اور چوری کرے؟" "ہاں اگرچہ وہ شراب بھی پیئے۔" اور ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب مرتے وقت لا الہ الا اللہ کہے (توحید پر خاتمہ ہو۔)

مال جمع کرنا

ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، میں مدینہ کی کالی پتھریلی زمین پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا، اتنے میں سامنے سے احد پہاڑ دکھائی دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ!"

میں نے عرض کی۔

"حاضر ہوں میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اگر میں پہاڑ کے برابر سونا میرے پاس ہو اور تین دن سے زیادہ اس میں ایک اشرفی برابر سونا اپنے پاس رہنے دوں تو یہ مجھ کو اچھا نہیں لگتا (بلکہ تین دن کے اندر سب بانٹ دوں) البتہ اگر کسی کا قرض مجھ پر ہو تو اس کی ادائیگی کے لئے کچھ رکھ چھوڑوں تو یہ اور بات ہے، میں سارا سونا اللہ کے بندوں میں بانٹ دوں، دائیں بائیں پیچھے (تینوں طرف والوں کو) یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلنے لگے پھر فرمایا۔

"جو لوگ دنیا میں بہت مال و دولت رکھتے

ہیں، آخرت میں وہی نادار اور مفلس ہوں گے، البتہ جو شخص اپنے مال و دولت کو دائیں بائیں پیچھے تینوں طرف والوں کو تقسیم کرتا رہے (جوڑ کر نہ رکھے) وہ قلاش نہ ہوگا اور قسم کے (سخی لوگ) کم ہیں۔"

ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔
"جب تک میں لوٹ کر نہ آؤں تو یہیں ٹھہرا رہ، سرکنا نہیں۔"

یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندھیری رات میں اتنے دور نکل گئے کہ نظر سے غائب ہو گئے پھر میرے کان میں کچھ آواز آئی اور آواز بھی پکارنے کی، میں ڈرا، کہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی واقعہ پیش نہ آیا ہو (کسی دشمن نے حملہ کیا ہو) اور میں نے قصد کیا، آگے بڑھ کر دیکھوں لیکن مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد یاد آ گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔

"جب تک میں لوٹ کر نہ آؤں تو یہاں سے نہ سرکنا۔" آخر وہ اسی جگہ ٹھہرا رہا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو میں نے عرض کی۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے ایک آواز سنی تھی تو ڈر گیا تھا، کہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نقصان نہ پہنچا ہو اور میرے دل میں جو آیا تھا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔
"ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تو نے آواز سنی تھی؟"

میں نے کہا۔
"جی ہاں۔"
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"وہ جبریل علیہ السلام کی آواز تھی، جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے، کہنے لگے، تمہاری امت میں سے جو کوئی اس حال میں مر جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو تو بہشت میں جائے گا۔" میں نے کہا۔
"گو وہ زنا اور چوری کرے؟" انہوں نے کہا۔
"گو وہ زنا اور چوری کرے۔"

احد کے برابر سونا

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو بھی میں اس پر خوش ہوں گا کہ تین دن گزرنے سے پہلے اس میں سے کچھ بھی میرے پاس باقی نہ رہے (سب تقسیم کر دوں) البتہ اگر کسی کا قرض ادا کرنے کے لئے کچھ رکھ چھوڑوں تو یہ اور بات ہے۔"

مال دار کون ہے؟

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"امیری اور تونگری بہت مال و اسباب ہونے سے نہیں ہوتی بلکہ اصل تونگری دل کی تونگری ہے۔"

☆☆☆

فوزیہ شفیق

روزہ کی فرضیت

۲ ہجری میں جنگ بدر سے پہلے تدریجاً اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزوں کو اپنے بندوں پر فرض کر دیا، پہلے روزہ رکھنے یا صرف دوسرے کو رکھوا دینے کا اختیار تھا اور خود رکھنے کی ترغیب دی گئی تھی جو روزہ رکھنا چاہتا رکھ لیتا اور جو چھوڑنا چاہتا چھوڑ دیتا اور روزہ کی جگہ فدیہ دے دیتا جیسا کہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۸۴ میں صراحت ہے، ''اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں پھر نہ رکھیں تو وہ فدیہ دیں، ایک روزے کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے اور جو اپنی خوشی سے کچھ زیادہ بھلائی کرے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے اور اگر تم روزہ رکھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔'' پھر دوسری آیت سے حکم منسوخ ہو گیا اور فرمایا۔

''جو شخص بھی اس مہینہ کو پائے اس کو لازم ہے کہ اس مہینے کو پورے روزے رکھے۔'' (البقرہ ۱۸۵) اس کے بعد پھر یہ اسلام کا ایک اہم رکن بن گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے کلمہ شہادت کی گواہی دینا، نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔'' (بخاری و مسلم) کتاب و سنت کی کئی نصوص سے روزہ کی فضیلت معلوم ہوتی ہے جو رمضان المبارک کے روزوں کے لئے ترغیب ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

یقیناً مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں، سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، عاجزی و انکساری اختیار کرنے والے مرد اور عاجزی اختیار کرنے والی عورتیں، صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں...... اللہ نے ان کے لئے بخشش اور بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔'') سورۃ الاحزاب۔۳۵)

روزہ جہنم کی آگ سے ڈھال ہے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

''روزہ ڈھال ہے، بندہ اس کو آگ سے ڈھال بنا لیتا ہے۔'' بخاری و مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے، ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جو بندہ ایک دن کا روزہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں رکھتا ہے، اللہ عزوجل اس کے چہرے کو ستر

سال کی مسافت جہنم کی آگ سے دور کر دیتا ہے۔'' اس ایک روزے کی وجہ سے۔

ابو امام صدی بن عجلا رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا۔

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جس کے ساتھ میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''روزے کو لازم پکڑو کیونکہ اس جیسا (جنت میں داخل کرنے والا) عمل کوئی ہے ہی نہیں، روزہ اور قرآن سفارش ہوں گے۔''

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''قیامت کے دن روزہ اور قرآن دونوں بندے کے لئے سفارش کریں گے، روزہ کہے گا اے پروردگار! میں نے اس کو کھانے اور شہوت سے روکے رکھا، میری سفارش اس کے بارے میں قبول کر لے اور قرآن کہے گا میں نے اس کو رات سونے سے روکے رکھا، میری سفارش اس کے بارے میں قبول فرما۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''دونوں کی سفارش قبول کر لی جائے گی۔''

روزہ پچھلے گناہوں کا کفارہ ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جس نے ایمان اور ثواب کی نیت سے رمضان کا روزہ رکھا اس کے پہلے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔'' (متفق علیہ)

احکام

روزہ کی جو فضیلت کتاب وسنت میں وارد ہو گئی ہے یہ صرف اس کے لئے ہے جس کے عقیدہ میں کفر وشرک کی ملاوٹ نہ ہو، اخلاص و للّٰہیت ہو، ریا کاری نہ ہو اور اس کا روزہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق ہو، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کیا ہیں؟ ان کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے، رمضان المبارک کا چاند طلوع ہونے سے روزہ فرض ہو جاتا ہے یا شعبان کی گنتی تیس دن پورے ہونے کے بعد بغیر چاند نظر آنے کے بعد رمضان کا مہینہ داخل ہو جاتا ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اس وقت تک روزہ نہ رکھو جب تک چاند نہ دیکھ لو اگر چاند چھپا دیا گیا ہو تو شعبان کی گنتی تیس دن مکمل کرو۔'' (متفق علیہ)

رمضان کے استقبال کے لئے رمضان سے ایک دن یا دو دن پہلے روزہ رکھنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

رمضان سے ایک دن یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھو مگر ایسا شخص رکھ سکتا ہے جو مثلاً ہر سوموار، جمعرات کو روزہ رکھتا تھا۔''

روزے کا وقت

جب فجر صادق طلوع ہو جائے تو اس وقت اگر کھانے پینے کا لقمہ یا پانی وغیرہ کا گلاس پکڑا ہوا ہے اور اذان فجر شروع ہو گئی تو وہ چیز کھانے پینے کی رخصت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی، پھر ہم نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے پوچھا۔

''سحری ختم کرنے اور نماز شروع کرنے کے درمیان کتنا فاصلہ تھا تو انہوں نے کہا پچاس آیات کی تلاوت کے بقدر تھا۔ (ترمذی)

اور روزے کا وقت سورج کا غروب ہونے تک ہے، جب سورج غروب ہوگیا تو روزہ افطار ہوگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جب ادھر سے رات آگئی، ادھر سے دن چلا گیا اور سورج غروب ہوگیا تو روزہ دار کا روزہ افطار ہوگیا، (یعنی افطاری کا وقت ہوگیا) (بخاری ومسلم)۔

روزہ دار پر کون سی اشیاء ترک کرنا لازمی ہے

روزہ صرف کھانے پینے اور جماع کو ترک کرنے کا نام نہیں ہے، حقیقت میں روزہ دار وہ ہے جس نے اپنے جسم کے تمام اعضاء کو اللہ کی بغاوت و نافرمانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت سے اور محرمات کے ارتکاب سے روک لیا، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جس نے جھوٹ کی بات اور اس پر عمل ترک نہ کیا، اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔''

کیونکہ کھانا پینا چھوڑنے کا نام روزہ نہیں بلکہ کھانے پینے کو چھوڑنے کے ذریعہ تمام محرمات کو چھڑانا مقصود ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''روزہ صرف کھانے پینے سے نہیں ہے بلکہ روزہ لغو اور بے ہودہ اعمال اور عورتوں کی طرف رغبت چھوڑنا ہے، اگر کوئی آپ سے لڑائی کرے یا جہالت والا عمل کرلے تو اس کو کہو کہ میں روزہ میں ہوں۔'' (صحیح ابن خزیمہ)۔

اسی لئے ایسے برے افعال کرنے والوں کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے سخت وعید آئی ہے۔

قرآن، تقوی اور روزہ کا تعلق

اس قوت و استعداد کا اور ان اعلا صلاحیتوں کا سرچشمہ ہے تقوی، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے شروع ہی میں یہ واضح کر دیا کہ اس کتاب سے وہی صحیح راہ دیکھ سکتے ہیں، راہ پر لگ سکتے ہیں اور راہ پر چل سکتے ہیں، جو تقوی رکھتے ہوں، ھدی للمتقین، دوسری طرف روزے رکھنے کا مقصد، یا یوں کہیے کہ روزوں کا حاصل یوں بیان کیا کہ لعلکم تتقون تا کہ تمہارے اندر تقوی پیدا ہو۔

ان دونوں آیتوں کو ملا کر پڑھیے! آپ فوراً اس راز کو پالیں گے کہ روزے سے قرآن مجید کا اتنا گہرا تعلق کیوں ہے اور نزول قرآن کے مہینے کو روزوں کے لئے کیوں مخصوص فرمایا گیا، اس ماہ کی بابرکت گھڑیوں سے زیادہ موزوں وقت اس بات کے لئے اور کون سا ہو سکتا تھا کہ روزے کے ذریعے جس سے قرآن کی راہ آسان ہو اور قرآن کی امانت کا بوجھ اٹھانا ممکن ہو؟

شب قدر اور اعتکاف

''یہ وہ مبارک رات ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا، یہ رات اپنی قدر و قیمت کے لحاظ سے، اس کام کے لحاظ سے جو اس رات میں انجام پایا، ان خزانوں کے لحاظ سے جو اس رات میں تقسیم کیے جاتے ہیں اور حاصل کیے جا سکتے ہیں، ہزاروں مہینوں اور ہزاروں سالوں سے بہتر ہے، جو اس رات قیام کرے اس کو سارے

گناہوں کی مغفرت کی بشارت دی گئی ہے، ہر رات کی طرح اس رات میں بھی وہ گھڑی ہے، جس میں دعائیں قبول کر لی جاتی ہیں اور دین و دنیا کی جو بھلائی مانگی جائے وہ عطا کی جاتی ہے۔" (مسلم: جابر)

اگر آپ اس رات کے خیر سے محروم رہیں تو اس سے بڑی بد قسمتی اور کوئی نہیں ہو سکتی (ابن ملجہ: انس بن مالک)

یہ رات کون سی رات ہے؟ یہ ہم کو یقینی طور پر نہیں بتایا گیا، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری عشرے کی کوئی طاق رات ہے، یعنی اکیسویں، تیئسویں، پچیسویں، ستائیسویں یا انتیسویں، بعض احادیث میں کہا گیا ہے کہ یہ آخری عشرے کی کوئی ایک رات، یا رمضان المبارک کی کوئی بھی رات ہے۔

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ یہ ستائیسویں رات ہے اور اگر اس قیام اور عبادت کا اہتمام کر لیا جائے تو کافی ہے، یہ ضرور ہے کہ بعض صحابہ اور صلحا کی روایات سے ستائیسویں رات کی تائید ہوتی ہے، اس رات کا واضح تعین نہ کیے جانے میں ایک گہری حکمت پوشیدہ ہے۔

اس کو پوشیدہ رکھنے کا راز یہ ہے کہ آپ اس کی جستجو اور تلاش میں سرگرداں رہیں، محنت کریں، اپنی آتش شوق کو جلتا رکھیں، آخری عشرے کی ہر طاق رات میں اسے تلاش کریں، اس سے زیادہ ہمت ہو تو اس عشرے کی ہر رات میں اور اس سے بھی زیادہ ہمت ہو تو رمضان کی ہر رات میں۔

جو چیز اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب اور پیاری ہے وہ یہ ہے کہ بندہ اس کو خوش کرنے کے لئے اور اس کی رحمت اور انعامات کی طلب اور شوق میں، ہر وقت ہمہ تن جستجو بنا رہے، مسلسل کوشش میں لگا رہے، کام سے زیادہ، ارادہ اور مسلسل کوشش ہے جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے، اگر معلوم ہو کہ یہ رات کون سی ہے تو سعی و جہد کی جو کیفیت مطلوب ہے وہ ہاتھ نہ آئے گی۔

اس رات کے قیام سے وہ سارا خیر و برکت تو حاصل ہو گا ہی جو کسی بھی رات کے قیام سے حاصل ہوتا ہے، لیکن ایک طرف تو اس عام خیر و برکت میں کئی گنا اضافہ ہوتا ہے، دوسری طرف مزید خیر و برکت کے دروازے بھی کھول دیئے جاتے ہیں۔

پورا رمضان المبارک ہماری امت پر اللہ تعالیٰ کی اس خصوصی رحمت کا مظہر ہے کہ اس نے ہمارے لئے کم وقت اور مختصر عمل میں وہ ثواب اور اجر رکھا ہے جو دوسری امتوں کو طویل مدت اور بہت عمل سے حاصل ہوتا تھا، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق اس کی مثال ایسی ہے کہ "امت مسلمہ کو عصر سے مغرب تک محنت کر کے اس سے کہیں زیادہ مزدوری ملتی ہے جتنی یہودیوں کو فجر سے ظہر تک اور عیسائیوں کو ظہر سے مغرب تک، کام کر کے ملی۔" (بخاری: ابن عمر)

سب قدر ہمارے رت کی اس خصوصی رحمت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

قبولیت دعا کی خصوصی گھڑی تو ہر شب آتی ہے، لیکن شب قدر میں اس گھڑی کا رنگ ہی کچھ اور ہوتا ہے، اس کی شان اور تاثیر ہی جدا ہو جاتی ہے، وہ گھڑی نہ معلوم کون سی ہو، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو ایک مختصر مگر بہت جامع دعا سکھائی تھی، جو اس رات میں آپ بھی کثرت سے مانگیں۔

اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی (احمد: ترمذی)

"میرے اللہ! تو بہت معاف کرنے والا

ہے، معاف کرنے کو محبوب رکھتا ہے، پس مجھے معاف کردے۔''

اگر ہمت و حوصلہ ہو تو پھر آپ آخری عشرے میں اعتکاف بھی ضرور کریں، دس دن کا ممکن نہ ہو تو کم مدت کا سہی، اعتکاف، قلب و روح، مزاج و انداز اور فکر و عمل کو للّٰہیت کے رنگ میں رنگنے اور ربانیت کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے، اس طرح شب قدر کی جستجو کا کام بھی آسان ہو جاتا ہے، اعتکاف ہر شخص کے لئے تو ممکن نہیں، لیکن اس کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ اس کو فرض کفایہ قرار دیا گیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ اعتکاف کیا ہے اور اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔

حضرت عائشہؓ بتاتی ہیں کہ ''جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی کمر کس لیتے، راتوں کو جاگتے، اپنے گھر والوں کو جگاتے اور اتنی محنت کرتے جتنی کسی اور عشرے میں نہ کرتے۔'' (بخاری و مسلم)

اعتکاف کی اصل روح یہ ہے کہ آپ کچھ مدت کے لئے دنیا کے ہر کام، مشغلے اور دلچسپی سے کٹ کر اپنے آپ کو صرف اللہ کے لئے وقف کریں، اہل و عیال اور گھر بار چھوڑ کر اس کے گھر میں گوشہ گیر ہو جائیں اور سارا وقت اس کی یاد میں بسر کریں، اعتکاف کا حاصل یہ ہے کہ پوری زندگی ایسے سانچے میں ڈھل جائے کہ اللہ کو اور اس کی بندگی کو ہر چیز پر فوقیت اور ترجیح حاصل ہو۔

یہ تو ممکن نہیں کہ آپ میں سے ہر شخص دس دن کا اعتکاف کرے، لیکن ایک کام آپ آسانی سے کر سکتے ہیں، جس سے آپ اپنی استطاعت کی حد تک اعتکاف کر کے زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کر لیں، وہ یہ ہے کہ آپ جب بھی مسجد جائیں تو اعتکاف کی نیت کر لیں، کہ جو وقت بھی میں یہاں گزاروں گا وہ میں نے اللہ کے لئے فارغ کر دیا ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ

اللہ کی راہ میں فیاضی سے خرچ کرنا ہے۔

نماز کے بعد سب سے بڑی عبادت اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے بخشا ہے وہ سب خرچ کرنا، وقت بھی اور جسم و جان کی قوتیں بھی، لیکن سب سے بڑھ کر مال خرچ کرنا، اس لئے کہ مال دنیا میں سب سے بڑھ کر محبوب اور مرغوب ہوتا ہے اور دنیا کی محبت ہی ساری کمزوریوں کا سرچشمہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے انسانوں سے زیادہ فیاضی اور سخی تھے، لیکن جب رمضان المبارک آتا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت اور داد و دہش کی کوئی انتہا نہ رہتی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی فیاضی میں بارش لانے والی ہوا کی مانند ہو جایا کرتے تھے قیدیوں کو رہا فرماتے اور ہر مانگنے والے کو عطا کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک ایک دانے اور ایک ایک پیسے پر جو اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے کم سے کم سات سو گنا اجر کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ جس کو وہ چاہیں گے اس سے بہت زیادہ بھی عطا کریں گے، یہ وعدہ اس کے کلام میں ہے جس کی صداقت میں ذرہ برابر شبہ نہیں کیا جا سکتا، سرمایہ کاری کے لئے اتنے بے پناہ منافع کا وعدہ کرنے والا کاروبار اور کہاں پایا جا سکتا ہے؟ اور اس سرمایہ کاری کے لئے رمضان سے بہتر وقت اور کون سا ہو سکتا ہے، جب فرض دیسے ہی ستر گنا بڑھ جاتا ہے اور نفل فرض کے برابر ثواب حاصل کرتا ہے؟

انفاق فی سبیل اللہ متقین کی لازمی صفت ہے، تقویٰ کی بنیادی شرط ہے اور تقویٰ پیدا کرنے کے لئے ناگزیر ہے، رمضان میں انفاق، روزے کے ساتھ مل کر، حصول تقویٰ کے لئے آپ کی کوشش کو کئی گنا زیادہ کارگر اور بارآور بنا دے گا۔

پس آپ رمضان میں اپنی مٹھی کھول دیں، اللہ کے دین کی اقامت و تبلیغ کے لئے، اقربا کے لئے، یتیموں اور مسکینوں کے لئے، جتنا مال بھی اللہ کی راہ میں نکال سکیں، نکالیں، بھوک اور پیاس برداشت کرتے ہیں، تو کچھ تنگی اور سختی جیب کے معاملے میں بھی برداشت کیجئے، لیکن جو کچھ دیجئے صرف اللہ کے لئے دیجئے، کسی سے بدلے اور شکریے کی خواہش آپ کے دل میں نہ ہو۔

''ہم تم سے نہ بدلہ چاہتے ہیں، نہ شکر۔''

اس سے کیا فائدہ کہ آپ مال نکالیں، سرمایہ کاری کریں اور اپنے ہی ہاتھوں سرمایہ اور نفع دونوں ضائع کر دیں۔

زکوٰۃ بھی پورا حساب کر کے اسی ماہ میں نکالیے، اسی طرح باقاعدگی بھی آ جائے گی اور ثواب بھی آپ کو ستر گنا ملے گا۔

لیلتہ القدر

رمضان المبارک کے آخری عشرے میں ایک رات ہے جس کو قرآن نے لیلتہ القدر کہا ہے اور اسے ہزار مہینوں سے زیادہ افضل قرار دیا ہے، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں یعنی اکیسویں، تئیسویں، پچیسویں، ستائیسویں اور انتیسویں راتوں میں سے کوئی ایک رات ہے، اس رات کی واضح تاریخ کا تعین نہ کرنے میں حکمت یہ ہے کہ مسلمان رمضان کے اس پورے عشرے میں خاص طور سے ذکر و عبادت کا زیادہ اہتمام کریں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں عبادت و ذکر کا وہ اہتمام فرماتے تھے جو دوسرے ایام میں نہیں فرماتے تھے۔

اگرچہ لیلتہ القدر کا واضح تعین نہیں کیا گیا مگر مشہور قول یہی ہے کہ یہ رمضان کی ستائیسویں رات ہوتی ہے، اس رات میں زیادہ سے زیادہ قیام و سجود اور ذکر و تسبیح کی ترغیب دیتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جب لیلتہ القدر آتی ہے تو جبریل ملائکہ کے جھرمٹ میں زمین پر اترتے ہیں اور ہر بندے کے لئے دعائے رحمت و مغفرت کرتے ہیں جو کھڑا یا بیٹھا خدا کی عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔ (بیہقی)۔

اس رات میں علاوہ اور عبادات کے یہ دعا پڑھنا بھی مسنون ہے۔

''اے اللہ! تو یہ معاف فرمانے والا اور بڑی ہی کرم والا ہے، معاف کر دینا تجھے پسند ہے، پس تو میری خطاؤں کو معاف کر دے۔''

تئیسویں شب

رمضان المبارک کی تئیسویں شب کو آٹھ رکعت نماز چار سلام سے پڑھنی ہے، ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ قدر ایک ایک مرتبہ، سورۂ اخلاص ایک ایک بار پڑھے اور بعد سلام کے ستر مرتبہ کلمہ تمجید پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرے، اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما کر انشاء اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے گا۔

وظیفہ:۔

تیسویں شب کو سورۂ یسین ایک مرتبہ، سورۂ رحمن ایک مرتبہ پڑھنی بہت افضل ہے۔

پچیسویں شب

ماہ رمضان کی پچیس تاریخ کی شب قدر کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھے، بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ قدر ایک ایک بار، سورۂ اخلاص پانچ پانچ مرتبہ ہر رکعت میں پڑھنی ہے، بعد سلام کے کلمہ طیبہ ایک سو مرتبہ پڑھنا ہے، درگاہ رب العزت سے انشاء اللہ بے شمار عبادت کا ثواب عطا ہوگا۔

پچیسویں شب کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھے ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ قدر تین تین بار، سورۂ اخلاص تین تین بار پڑھے، بعد سلام کے ستر دفعہ استغفار پڑھے، یہ نماز بخشش کے لئے بہت افضل ہے۔

پچیسویں شب قدر کو دو رکعت نماز پڑھنی ہے، ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے، سورۂ قدر ایک ایک مرتبہ، سورۂ اخلاص پندرہ پندرہ مرتبہ پڑھے، بعد سلام کے ستر مرتبہ کلمہ شہادت پڑھنا ہے، یہ نماز واسطے نجات عذاب قبر بہت افضل ہے۔

وظائف:۔

ماہ رمضان کی پچیسویں شب کو سات مرتبہ سورۂ دخان پڑھے، انشاء اللہ تعالیٰ اللہ پاک اس سورۂ کو پڑھنے کے باعث عذاب قبر سے محفوظ رکھے گا۔

پچیسویں شب کو سات مرتبہ سورۂ فتح پڑھنا واسطے ہر مراد کے افضل ہے۔

ستائیسویں شب

ستائیسویں شب قدر کو بارہ رکعت نماز تین سلام سے پڑھے، ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ قدر ایک ایک مرتبہ، سورۂ اخلاص پندرہ پندرہ مرتبہ پڑھنی ہے، بعد سلام کے ستر مرتبہ استغفار پڑھے، اللہ تعالیٰ یہ نماز پڑھنے والے کو نبیوں کی عبادت کا ثواب عطا فرمائے گا، انشاء اللہ العظیم۔

ستائیسویں شب کو دو رکعت نماز پڑھے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ قدر تین مرتبہ، سورۂ اخلاص پانچ پانچ مرتبہ پڑھے، بعد سلام کے سورۂ اخلاص ستائیس مرتبہ پڑھ کر گناہوں کی مغفرت مانگے، انشاء اللہ تعالیٰ اس کے تمام پچھلے گناہ اللہ پاک معاف فرمائے گا۔

ستائیسویں شب کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھنی ہے، ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ تکاثر ایک ایک بار، سورۂ اخلاص تین تین مرتبہ پڑھے، یہ نماز پڑھنے والے پر سے اللہ پاک موت کی سختی آسان کرے گا، انشاء اللہ تعالیٰ اس پر سے عذاب قبر بھی معاف ہو جائے گا۔

ستائیسویں شب کو دو رکعت نماز پڑھے، ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ اخلاص سات سات مرتبہ پڑھے، بعد سلام کے ستر مرتبہ یہ تسبیح معظم پڑھنی ہے۔

استغفر اللہ العظیم الذی لاالہ الاھو الحی القیوم واتوب الیہ

انشاء اللہ تعالیٰ اس نماز کو پڑھنے والے اپنے مصلیٰ سے نہ اٹھیں گے کہ اللہ پاک اس کو اور اس کے والدین کے گناہ معاف فرما کر مغفرت فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو حکم دیں گے کہ اس کے لئے جنت آراستہ کرو اور فرمایا کہ وہ جب تک تمام بہشتی نعمتیں اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لے گا اس وقت تک موت نہ آسکے گی، واسطے مغفرت یہ نماز بہت ہی افضل ہے۔

ستائیسویں شب قدر کو دو رکعت نماز پڑھے، ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ نشرح ایک ایک بار، سورۂ اخلاص تین تین بار پڑھے، بعد سلام ستائیس مرتبہ سورۂ قدر پڑھے، انشاء اللہ واسطے ثواب بے شمار عبادت کے یہ نماز بہت افضل ہے۔

ستائیسویں شب کو چار رکعت نماز پڑھے، ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ قدر تین تین مرتبہ پڑھے، سورۂ اخلاص پچاس پچاس مرتبہ پڑھے، بعد سلام سجدہ میں سر رکھ کر ایک مرتبہ یہ کلمات پڑھے۔

سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر

اس کے بعد جو حاجت دنیاوی و دینوی طلب کرے وہ انشاء اللہ تعالیٰ درگاہ باری تعالیٰ میں قبول ہوگی۔

وظائف:۔

ستائیسویں شب قدر کو ساتوں حم پڑھے، یہ ساتوں حم عذاب قبر سے نجات اور مغفرت گناہ کے لئے بہت افضل ہیں۔

ستائیسویں شب کو سورۂ ملک سات مرتبہ پڑھنی واسطے مغفرت گناہ بہت زیادہ فضیلت والی ہے۔

انتیسویں شب

انتیسویں شب قدر کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھے، ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ قدر ایک ایک بار، سورۂ اخلاص تین تین مرتبہ پڑھے، بعد سلام کے سورۂ الم نشرح ستر مرتبہ پڑھے، یہ نماز واسطے کامل ایمان کے بہت افضل ہے، انشاء اللہ تعالیٰ اس نماز کے پڑھنے والے کو دنیا سے مکمل ایمان کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

ماہ رمضان کی انتیسویں شب کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھے، ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے، سورۂ قدر ایک ایک بار، سورۂ اخلاص پانچ پانچ مرتبہ پڑھے، بعد سلام کے درود شریف ایک سو مرتبہ پڑھے، انشاء اللہ تعالیٰ اس نماز کے پڑھنے والے کو دربار خداوندی سے بخشش و مغفرت عطا کی جائے گی۔

وظائف:۔

ماہ رمضان المبارک کی انتیسویں شب کو سات مرتبہ سورۂ واقعہ پڑھے، انشاء اللہ تعالیٰ ترقی رزق کے لئے بہت افضل ہے۔

ماہ رمضان کی کسی شب میں بعد نماز عشاء سات مرتبہ سورۂ قدر پڑھنی بہت افضل ہے، انشاء اللہ تعالیٰ اس کے پڑھنے سے ہر مصیبت سے نجات حاصل ہوگی۔

☆☆☆

وظیفہ برائے شادی

صرف رمضان کی گیارہویں اور بارہویں روزے کی درمیانی رات کے بعد نماز عشاء دو دو رکعت کرکے بارہ نفل اس طرح پڑھیں کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد بارہ مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھیں، بارہ نفل پڑھ کر سو مرتبہ درود شریف پڑھیں پھر بارہ نفل اور درود شریف کا ثواب حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچائیں اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ پاک کے حضور گڑگڑا کر خلوص وانکساری عاجزی سے کم از کم پندرہ منٹ تک اپنے لئے یا اپنی بیٹی کے لئے یا اپنی بہن کے لئے اچھے رشتے کی دعا کریں، انشاء اللہ اگلے رمضان المبارک سے پہلے مراد پوری ہوگی۔

درجہ اول کے اشتہارات

ابن انشاء

درجہ وار اشتہارات اردو صحافت میں نو وارد ہیں، ہم حیران ہوا کرتے ہیں کہ جب یہ نہ ہوا کرتے تھے تو لوگ کیسے بنگلے بیچتے یا خریدتے تھے، نام کیسے بدلا جاتا تھا کہ مجھے آئندہ گھسیٹا خاں کے بجائے مرزا اصبغت اللہ بیگ کہا جائے، مشفق والدین سعادت مند اولاد کو کیسے عاق کرتے اور ان کے لین دین سے بے تعلقی کا اظہار کیسے کرتے تھے اور سب سے بڑی بات یہ کہ شادیاں کیسے ہو جاتی تھیں، ہماری تحقیق یہ ہے کہ ان اشتہاروں میں سے اور کوئی پڑھا جائے یا نہ پڑھا جائے، ضرورت رشتہ کا اشتہار ضرور پڑھا جاتا ہے اور اس میں زید، بکر، بچے، بوڑھے، شادی شدہ، غیر شادی شدہ کی تخصیص نہیں۔

"تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے۔"

عرضی نویسوں کی زبان کی طرح ضرورت رشتہ کے اشتہاروں کی عبادت بھی قریب قریب مقرر ہے، دوشیزہ ہمیشہ قبول صورت، پابند صوم و صلوٰۃ اور سلیقہ مند ہوتی ہے اور اس کا ایک معزز گھرانے سے تعلق ہوتا ہے، مرد ہے تو پڑھا لکھا، برسر روزگار اور شریف خاندان کا چشم و چراغ ہوتا ہے، بی اے پاس لڑکی کے لئے ایم اے پاس شوہر ڈھونڈا جاتا ہے، گزیٹڈ افسر کی مانگ بالعموم رہتی ہے، کچھ لوگ احتیاطاً یہ بھی لکھ دیتے ہیں کہ لڑکا یوپی یا دہلی کا ہونا چاہیے، پنجاب والے خط و کتابت کر کے وقت ضائع نہ کریں، بعضے حنفی المذہب یا اثنا عشری کی قید بھی لگا دیتے ہیں،

لیکن اکثر مشتہرین فراخ دل واقع ہوتے ہیں اور ذات پات کی تمیز کے سخت خلاف ہوتے ہیں فریق ثانی سے بھی ان کی یہی توقع ہوتی ہے کہ ذات پات کی تمیز نہ کریں گے، خط و کتابت صیغہ راز میں رہتی ہے۔

ان اشتہاروں کا بجزیہ کرنے سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ انسان میں شکل، عقل کا ہونا ضروری نہیں، یہ آنی جانی اور فانی چیزیں ہیں، گچھے دار مونچھیں یا گدی پر پٹے رکھنے، بھنگ یا چرس پینے، شعر کہنے، نسوار کھانے، نہانے دھونے سے پرہیز کرنے، مصنوعی دانت، آنکھ لگانے یا لاٹھی ٹیک کر چلنے وغیرہ پر بھی کسی کو اعتراض نہیں ہوتا، بشرطیکہ دولہا میاں گزیٹڈ افسر یا صاحب جائیداد ہوں۔

پرانے زمانے میں شادی کا مسئلہ بہت آسان تھا، درد یدی کے سوئمبر میں فقط اتنی سی شرط تھی کہ یہ جو اوپر چکر میں مچھلی گھوم رہی ہے، اس کا عکس پانی میں دیکھ کر تیر سے اس کی آنکھ پر نشانہ لگایا جائے، یہ کوئی نہ پوچھتا تھا کہ نشانہ لگانے والا کانا ہے، یا گنجا ہے، کالا ہے یا گورا ہے، اکبر الہٰ آبادی سے روایت ہے کہ لیلیٰ کی ماں نے بھی مجنوں کا حسب و نسب، سکونت، ولدیت وغیرہ نہیں پوچھے تھے، بس یہی کہا تھا کہ:۔

بیٹا! تو جو کرے ایم اے پاس
تو فوراً بیاہ دوں لیلیٰ کو تجھ سے
بلا دقت میں بن جاؤں تیری ساس

یہ پرانے وقتوں کی بات ہے، ورنہ آج کل

ایک ایک یونیورسٹی سے اتنے ایم اے نکل رہے ہیں کہ لیلیٰ کی ماں کے لئے بڑی مشکل ہو جاتی، اسی طرح فرہاد میاں نے رشتہ مانگا تو شیریں سلمہا نے فقط یہ شرط کی کہ یہ سامنے والا پہاڑ کاٹ کر دودھ کی نہر لے آؤ تو بندی کو عذر نہیں۔

پرانے لوگ بہت احتیاط کرتے تو سوجھ بوجھ کا امتحان لینے کے لئے پہیلیاں اور معمے بجھواتے، جو پاس ہو جاتا، اس کو لڑکی کا ڈولا دے دیتے، کبھی نہ پوچھتے کہ کیا تنخواہ ہے، کرائے کے مکان میں رہتے ہو یا اپنا ہے، پنجاب کے ہو یا یوپی کے، شیعہ ہو یا سنی، ایسا ہی ایک شخص ایک بار کسی راجکماری سے شادی کا طلب گار ہو کر آیا، راجکماری کو بالعموم سخت پردے میں رکھا جاتا تھا، چشم فلک بھی اسے دیکھنے کو ترستی تھی، لیکن اس امیدوار نے اتفاقاً اس حسن جہاں سوز کو جھروکے میں کھڑے دیکھ لیا، بہت فرار کی کوشش کی لیکن پہرے کا انتظام سخت تھا، آخر وہ سوال و جواب کے لئے بادشاہ کے سامنے لایا گیا۔

وزیراعظم نے حسب دستور قابلیت جانچنے کے لئے سوال پوچھنے شروع کیے۔

''دو اور دو کتنے ہوتے ہیں؟''

امیدوار نے حساب لگا کر کہا۔

''سات۔''

وزیراعظم نے کہا۔

''شاباش! اب دوسرے سوال کا جواب بھی ٹھیک دو تو تم کامیاب سمجھے جاؤ گے۔''

''وہ کون سا جانور ہے جس کی چار ٹانگیں ہوتی ہیں اور جو بھونکتا ہے۔''

امیدوار نے تھوڑا سا غور کرنے کے بعد کہا۔

''طوطا۔''

لیکن اس کی یہ ترکیب نہ چلی، درباریوں

اشتہاری شادی میں شروع میں دونوں طرف خلوص زوروں پر ہوتا ہے، نہ صرف خط و کتابت بلکہ بیشتر حالات بھی صیغہ راز میں رہ جاتے ہیں، رفتہ رفتہ معلوم ہوتا ہے کہ دلہن صاحبہ ویسے ٹھیک ہیں، لیکن گنجی ہیں اور دولہا صاحب جو کالی عینک لگائے رہتے ہیں، نقطہ نظر کے لحاظ سے موحد ہیں، ساری دنیا کو ایک آنکھ سے دیکھتے ہیں، بیوی بے شک کھری سید زادی ہے، لیکن اس کے دادا کا بریلی میں ہیر کٹنگ سیلون تھا، دولہا صاحب البتہ مغل ہیں، اس رعایت سے ہیں کہ مغل واشنگ فیکٹری والوں سے ان کی قریبی رشتہ داری ہے، بیوی جن کو ان کے ظفر الملت والدین بے بی کہہ کر یاد کرتے ہیں، پہلی جنگ عظیم کے واقعات کی چشم دید گواہ ہیں اور میاں اٹھویں گانٹھ گریجویٹ ہیں، لیکن ان کی ڈگری تقسیم کے ہنگامے میں ہندوستان میں رہ گئی، انگریزی بولنے، لکھنے پڑھنے سے احتراز ایسا اختیاری بھی نہیں جیسا کہ بتایا تھا، اردو کی محبت کے علاوہ اس کی اور وجہیں بھی ہیں۔

یہ خیال کرنا غلط ہو گا کہ ایسی شادیاں کامیاب نہیں ہو سکتیں، بلکہ زیادہ کامیاب یہی ہوتی ہیں، دونوں طرف آگ برابر لگی ہوتی ہے، دونوں کے خضاب کی مدت ایک وقت ختم ہوتی ہے، دونوں کے صیغہ راز سے ایک ساتھ پردہ اٹھتا ہے، نتیجہ یہ کہ داستانوں کے کرداروں کی طرح بقیہ عمر ہنسی خوشی گزار دیتے ہیں، اس کے علاوہ کر ہی کیا سکتے ہیں۔

☆☆☆

نایاب جیلانی

چھٹی قسط کا خلاصہ

پلوشہ امام فرید کی چاہ میں پھپھو کے گھر تک چلی آتی ہے جہاں پلوشہ اسے بتاتی ہیں کہ امام اپنے آفیشل ٹور پر گیا ہے۔

اسامہ کو منگورہ کے آس پاس کے علاقے سے ایک مجسمہ ملتا ہے، اسامہ اس خوشی میں پل پر سے گزرتے ہوئے اس کا ٹکراؤ مورے کی بیٹی عشیہ سے ہو جاتا ہے، جس کے نتیجے میں اسامہ کے ہاتھ سے وہ تاریخی مجسمہ اور عشیہ کے ہاتھ سے دوائیوں کا نسخہ دریا میں گر جاتا ہے۔

احسان منزل میں نشرہ کی ایک بار پھر شامت آئی جب تائی نے فروٹ چوری کا الزام نشرہ پر لگایا اور مار پیٹ کی، ولید یہ تمام مناظر دیکھ کر حیران ہوتا ہے اور پھر تمام بات سن کر وہ تائی کو لے کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھتا ہے جہاں تائی صائمہ کا بیٹا نومی دوستوں کے ساتھ بیٹھا فروٹ کھا رہا ہوتا ہے۔

ولید وکٹری کا نشان بناتا نشرہ کی طرف دیکھتا ہے، نشرہ کو تشکر بھرے انداز میں دیکھتے ہوئے وہ مسکرا دیتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

پانچویں قسط

''آ گئیں تم سارے زمانے کی خاک چھان کر، آنکھ مٹکے کر کے، ایک نمبر کی آوارہ اور کمینی ہو، کسی ضروری کام سے گھر والوں کی آنکھ میں دھول جھونک کر بہانے سے نکلتی ہو، سارے زمانے کے یاروں سے میل ملاقات کر کے لوٹتی ہو، اللہ کیسی سزا ہے یہ میری، کیسا گند پیدا کیا ہے میں نے۔'' مورے اسے دیکھ کر خونخوار تیور لئے جارحانہ انداز میں چیخی تھیں، ان کا چہرہ غصے سے سرخ تھا، آنکھیں وحشت سے پھٹ رہی تھیں، عشیہ کمال اطمینان سے اپنی ماں کے بے ہودہ الزام سن رہی تھی۔

''میں پوچھتی ہوں، اب بھی نہ آتی، نکاح کے دو بول پڑھا کے لوٹتی۔'' مورے نے جھک کر تخت کے نیچے سے چپلیں ٹٹولیں۔

''جب نکاح کا وقت آیا، تب یہ کام بھی کرلوں گی، ابھی آپ اطمینان رکھیں۔'' عشیہ نے تلخی سے جواب دیا تھا، خاموش رہنا تو اس نے سیکھا ہی نہیں تھا، وہ بھی مورے کی طرح بد لحاظ ہوگئی تھی۔

''تجھ سے مجھے یہی امید تھی، بچہ جن کے اطلاع دے دینا، تمہارے جیسی آوارہ لڑکیوں سے یہی توقع ہوتی ہے۔'' مورے کو دونوں چپلیں بطور ہتھیار مل گئی تھیں، لیکن انہیں ابھی تخت سے اترتے ہوئے خاصا وقت لگنا تھا۔

''یہ کام بھی کر دکھاؤں گی۔'' عشیہ نے بے خوفی سے کہا۔

''زبان ایسی گز بھر کی لمبی ہے، ماں سے مخاطب ہونے کی تمیز نہیں، ذلیل نے سارے جواب گز کر رکھے ہیں۔'' مورے اس کے ترنت جواب پہ آگ بگولا ہوگئیں۔

''ماں کو بڑی تمیز ہے۔'' عشیہ نے زہر خند لہجے میں جتلایا۔

''کبھی اپنے الفاظ پہ بھی غور فرمالیا کریں۔''

''میں کہتی ہوں حرام کی اولاد، بتا میری دوائیاں کہاں ہیں؟'' انہوں نے باری باری دونوں چپلیں ٹھیک نشانے پہ کسی میزائل کی طرح ماری تھیں، ایک چپل عشیہ کے ہونٹ پہ لگی تھی دوسری سر پہ، اس کا نازک ہونٹ دو جگہوں سے پھٹ گیا تھا، خون کی جیسے پھوارسی پھوٹ پڑی تھی۔

''جہنم میں۔'' عشیہ نے انگلی کی پور سے ہونٹ سہلایا تو خون کے کئی قطرے پور سے چمٹ گئے، اس کے لبوں پر زہر سا پھیل گیا۔

''بے غیرت! تو جان کے میری دوائی نہیں لائی، تاکہ میں تڑپ تڑپ کر مر جاؤں۔'' مورے کا بس نہیں چل رہا تھا عشیہ کی گردن دبوچ لیتیں، عشیہ اپنا زخم سہلاتی تڑخ کر بولی تھی۔

''تو مر جائیں۔'' اس کا انداز بھی خاصا بے رحم تھا، آخر تھی تو مورے کی ہی اولاد، ادھار کیوں رکھتی، حالانکہ عمکیہ اسے برابر خاموش رہنے کے اشارے کر رہی تھی، لیکن وہ عشیہ ہی کیا، جو سمجھ لیتی۔

''منحوس، ذلیل، کالی زبان والی، ماں کے مرنے کی دعائیں کرتی ہے، ایسا کر زہر کی پڑیا مجھے گھول کر پلا دیں، تم لوگوں کی جان تو چھوٹے، بلکہ میری تم دونوں چڑیلوں سے چھوٹے۔'' ان کو

غیض چڑھ گیا تھا، عشیہ کے ساتھ ساتھ سدا کی خاموش طبع عمکیہ بھی لپیٹ میں آ گئی تھی، اس نے ماں کو شکوہ کناں نظروں سے دیکھا، جیسا کہ وہ صرف دیکھ کر شکوہ جتا رہی تھی، منہ سے کبھی بھی اظہار نہ کرتی۔

''آپ خودکشی کیوں نہیں کر لیتیں؟'' عشیہ نے پھٹے ہونٹ پہ انگلی پھیر کر بڑا قیمتی مشورہ دیا تھا، مورے کی آنکھیں پھٹ پڑیں۔

''تم تو یہی چاہو گی، میں حرام موت مر جاؤں۔'' ان کا دل چاہا، آتش دان سے جلتی لکڑی نکال کر عشیہ کا منہ داغ ڈالیں، کیسی واہیات، بدلحاظ، نافرمان بیٹی تھی۔

''تو اور کیا، آپ نے زندہ رہ کر کون سا ہمیں تخت پر بیٹھا رکھا ہے، ایسی اذیت ناک زندگی سے بہتر ہے آپ بھی مر جائیں اور ہم بھی۔'' اس کی زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی، عمکیہ نے آگے بڑھ کر اس کا کندھا دبوچا۔

''بکواس مت کرو۔'' اس کی تنبیہ پہ عشیہ کے تیور بگڑے تھے، اس نے عمکیہ کا ہاتھ زور سے جھٹک دیا تھا۔

''اپنی ماں کو بھی چپ کراؤ۔'' وہ زہر خند ہوئی تھی۔

''کیا سمجھتی ہیں خود کو، یہ بڑی پاکیزہ ہستی تھیں اور ہم گناہوں کی پوٹیں ہیں، طوائفیں ہیں، کوئی عزت کوئی کردار نہیں ہمارا، جب چاہتی ہیں، الزام لگا لگا کر عزت نفس کو مجروح کر دیتی ہیں۔'' عشیہ کی زبان جب کھل جاتی تو رکنا محال تھا، آج وہ کافی عرصے بعد اندر کا لاوا نکال رہی تھی، کیونکہ بہت مہینوں بعد اس نے مورے کے ساتھ منہ ماری کی تھی۔

''ہمارے ایک نہیں، کئی کئی خصم بناتی ہیں اور خود کا پتا نہیں، اتنی گھر بنانے والی ہوتی تو شوہر، بے جرم طلاق دے کر گھر سے نہ نکالتا۔'' عشیہ کے زہر بھرے الفاظ نے مورے اور عمکیہ کو دم بخود کر دیا تھا، ان کا منہ کھل گیا، آنکھیں پھٹ پڑیں، نقش بگڑ گئے تھے، ان پر غصے کا جن سوار ہو گیا تھا، وہ کسی وحشی شیرنی کی طرح تخت سے اٹھی تھیں، پھر انہوں نے سوکھی لکڑی گھٹے سے نکالی تھی اور جارحانہ انداز میں عشیہ کی طرف بڑھیں، اس دفعہ عمکیہ نے بہت روکنے کی کوشش کی تھی، عشیہ کی طرف سے معافی بھی مانگی تھی، لیکن مورے ہی کیا جو معاف کر کے عشیہ کو بخش دیتیں، اب مورے کی زبان بھی چل رہی تھی اور دونوں ہاتھ بھی چل رہے تھے، عشیہ ڈھیٹوں کی طرح پٹتی جا رہی تھی، وہ سدا سے ایسے ہی پٹتی آ رہی تھی، آج بھی کوئی نیا پن نہیں تھا پھر بھی عمکیہ کی آنکھیں اور دل بھر بھر آ رہا تھا۔

☆☆☆

وہ قہوہ خانے سے ٹلت میں نکلا تو منگورہ کی سیاہ پہاڑیاں بھیگ رہی تھیں۔

آسمان سے ایک تواتر میں بوندیں گر رہی تھیں، جبکہ چاند تک اپنا چہرہ دکھا رہا تھا، یعنی آسمان پہ بادل نہیں تھے، مطلع صاف اور شفاف تھا۔

زرد چاند کہیں کہیں جھانک کر اداسی سے مسکرا دیتا۔

بارش کے قطروں سے بچنے کے لئے وہ واپس قہوہ خانے کے گرم ماحول میں لوٹ آیا تھا،

جب وہ اپنی مخصوص کھڑکی والی میز پہ پہنچا تب زرد چاند بھی شرماتا ہوا کھڑکی سے آ لگا تھا اور اپنی روشنی کو اندر تک بھر دیا۔

چاند کی یہ ادا اسے مبہوت کر گئی تھی، پھر وہ سر جھٹک کر گردن گھمائے دیکھنے لگا، قہوہ خانے کے داخلی دروازے سے خان بابا اندر آتا دکھائی دیا تھا، سردی سے کپکپاتا ہوا، جیسے ہی وہ گرم ماحول سے مانوس ہوا دائیں بائیں نگاہ دوڑ کر لمحہ بھر میں چونک گیا، دوسرے ہی پل وہ کپکپاتا ہوا اس کے سامنے تھا۔

''صندیر خاناں! کیسے ہو آپ؟'' اس نے ذرا سا جھک کر عقیدت سے صندیر خان کے گھٹنے چھوئے تھے۔

''یاد آ گئی تمہیں ہماری۔'' صندیر خان نے پیر جھٹک کر طنزیہ کہا، خان بابا کا سر جھک گیا۔

''خاناں! تم تو دل میں بستے ہو، یاد آنے کا کیا سوال؟'' خان بابا ملائمت سے بولا۔

''تو پھر بٹو محل میں آتے کیوں نہیں؟ اور وہ تمہاری نواسی؟ کیا نام تھا اس کا؟ آج کل کام پہ نہیں آتی؟'' اس نے تیوری پہ بل ڈال کر سرسری انداز میں پوچھا، خان بابا کے کندھے کچھ اور جھک گئے تھے۔

''پری۔'' خان بابا کی آواز ابھر کر معدوم ہو گئی تھی۔

''ہاں وہی۔'' اس نے نخوت سے کہا۔

''وہ اپنے باپ کے پاس گئی ہے۔'' خان بابا نے سہمے لہجے میں بتایا، صندیر خان لمحہ بھر میں چونک گیا تھا، اس کی بھنویں بھی تن گئی تھیں، ماتھے پہ ایک دو بل پڑ چکے تھے، خان بابا کے حواس جاتے رہے۔

''بنگلے پہ؟'' اس نے غیض بھرے لہجے میں پوچھا۔

''جی۔'' خان بابا کی آواز پہلے سے بھی کمزور تھی، صندیر خان کی آنکھوں میں غصہ بھر گیا تھا، وہ یکدم دہاڑ کر بولا۔

''بنگلے پہ بھیج دیا کیوں؟'' اس کا لہجہ بلا کا کھردرا تھا، جی چاہ رہا تھا اس بابے کی گردن دبوچ ڈالے۔

''اس کے باپ نے بلوایا تھا، بنگلے پہ مہمان لوگ آئے تھے نا، ایک لڑکی بھی موجود تھی، اس کے ساتھ سونے کے لئے تاکہ مہمان لڑکی تنہا نہ محسوس کرے۔'' بابا نے ڈرتے ڈرتے بات مکمل کی تھی، صندیر خان کے لب بھینچ گئے تھے۔

''بنگلے میں صرف لڑکی ہی نہیں، چار پانچ مسٹنڈے بھی ہیں اور تم نے لڑکی کو سنسان بنگلے پہ بھجوا دیا، انجان لوفر، آوارہ لڑکوں میں۔'' وہ بری طرح جھاڑ رہا تھا، خان بابا کے اعصاب بوجھل ہو گئے تھے، یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا، صندیر خان کے احساس دلانے پر وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

''پری کے باپ نے کہا تو میں منع نہیں کر سکا۔'' خان بابا نے اپنی صفائی پیش کی تھی، صندیر خان نے اسے بے ساختہ جھاڑا۔

''اب وہ اس کا باپ بن گیا ہے؟ جب لاوارث سمجھ کر بٹو محل کے دروازے پہ چھوڑ گیا تھا

تب باپ کہاں تھا؟ اب اس پہ حق جتا رہا ہے۔'' اس کے تیور بگڑ گئے تھے، بات تو صندیر خان کی غلط نہیں تھی، آج سے سولہ برس پہلے جب پری اس دنیا میں آئی تب خان بابا کی جواں سال اکلوتی بیٹی کسی پیچیدگی کے باعث چل بسی تھی، معصوم بچی کی بے پناہ بھاری ذمہ داری اس کے باپ پہ آ پڑی تھی، وہ جو لاڈلی بیوی کی دائمی جدائی کے صدمے میں مبتلا تھا، بچی کی ذمہ داری سے جلد ہی گھبرا گیا تھا، پری کی نانی تو تھی نہیں، مامی ضرور تھی لیکن اس نے پری کا بوجھ اٹھانے سے صاف انکار کر دیا تھا، اس صورت میں خان بابا پریشان ہو گئے، بابا کی بوڑھی ہڈیوں میں کمانے کا دم بھی نہیں تھا اور پری کو بہت ساری چیزوں کی ضرورت تھی، خوراک، گرم کپڑا، اچھا ماحول، جو کہ خان بابا نہیں دے سکتا تھا، بہت بچار کے بعد خان بابا پری کو ایک صبح اٹھا کر اپنے داماد کے پاس چھوڑ گیا، وہ سرکاری بنگلے پہ ملازم تھا، گو کہ اس کی تنخواہ ٹھیک تھی پھر بھی وہ بچی کی تنہا پرورش نہیں کر سکتا تھا، ایک ہفتے میں ہی پری کا وجود پھر سے سوالیہ نشان بن گیا، کچھ سوچ کر وہ چند ماہ کی ننھی سی بیٹی کو بڑو محل چھوڑ گیا۔

اس کی بچی یہیں نوکروں کے بچوں میں کھیل کود کر پلی بڑھی تھی، بڑو محل کو ہی وہ اپنا گھر سمجھتی تھی لیکن اسے مہینے بعد آنے والے اپنے باپ کا ہمیشہ انتظار رہتا تھا، جو اس کے لئے بھنا ہوا مرنڈا لاتا، گڑ گٹہ لاتا، سوہن حلوہ لاتا، وہ اپنے باپ سے پیار کرتی تھی اور اس کا انتظار بھی کرتی تھی۔

جب وہ بڑی ہوئی تب اکثر بابا کے ساتھ بنگلے پہ چلی جاتی تھی، اسے سرکاری بنگلہ بڑا پسند تھا، یہ بنگلہ اسے اپنا مکان لگتا، وہ اکیلی پورے گھر میں گھومتی اور خود کو کسی آفسر کی بیوی سمجھتی، ان دنوں بھی پری کا قیام بنگلے پہ تھا، صندیر بڑو کو پتہ چلا تو وہ پری کے نانا پہ برس پڑا۔

''اس کی ذمہ داری ایک بھی دن اٹھائی نہیں اور اپنے کام کے لئے اٹھا کر لے جاتا ہے، شروع سے خود غرض تھا۔''

''تب وہ صدمے میں تھا خاناں ورنہ پری سے کبھی غافل نہیں رہا۔'' خان بابا نے مری مری آواز میں صفائی پیش کی تھی۔

''اسی صدمے میں اس نے دوسری شادی رچالی تھی۔'' صندیر خان نے جتلایا۔

''وہ بھی مجبوری تھی خاناں۔'' بابا منمنایا۔

''لیکن پری کو وہاں بھیجنے کی کوئی مجبوری نہیں تھی، وہ ہمارے گھر میں رہی ہے، اس کی ذمہ داری ہمارے سر ہے، کل کو کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو سب کو کیا جواب دیں گے؟ ابھی سے لڑکی کو لگام ڈالو، آئندہ وہ بنگلے پہ نظر نہ آئے۔'' صندیر خان نے تحکم سے کہا تھا اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

''ابھی اور اسی وقت لڑکی کو بنگلے سے واپس لاؤ۔'' اس کا انداز وارننگ دینے والا تھا، بابا سمجھ گیا، اس نے بے ساختہ اثبات میں سر ہلایا تھا اور اسی وقت برستی بارش میں بنگلے کی طرف چل پڑا، کیونکہ صندیر خان کی بات نہ ماننے کا مطلب وہ سمجھتا تھا۔

☆☆☆

کئی دنوں کی تپسیا جیسے بیکار گئی تھی۔

اس نے دن میں کئی کئی پھیرے اس احاطے کی طرف لگائے تھے جہاں پہلی مرتبہ حمت نے

اس اجنبی کو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مختلف نقشہ جات پکڑے دیکھا تھا۔

اس دن کے بعد وہ اجنبی حمت کو دوبارہ دکھائی نہیں دیا تھا، گو کہ وہ بہت دفعہ دل کے مجبور کرنے پر محض اس اجنبی کو ایک نظر دیکھنے کی غرض سے احاطے کی طرف گئی تھی، اس کا اتنی روٹین میں دعا کے لئے احاطے میں جانا جلد ہی سب کی نگاہوں میں آ گیا تھا، جب اسے احساس ہوا کہ نیل بر اور پری تک چونک رہی ہیں تب حمت کو ذرا احتیاط ہونا پڑا، لیکن بہت دن تک وہ خود پر ضبط کے پہرے نہیں بیٹھا سکی تھی اور اپنے ہی عہد سے مکر گئی، اگلے دن وہ نیاز کے بہانے قریبی بستی میں جانے کے لئے تیار تھی، اس نے صبح ہی صبح دال کا حلوہ اور پھورے چنے پکوا لئے تھے۔

اب وہ بڑے سے ٹفن میں کھانا پیک کروا رہی تھی، معاً سباخانہ کچن میں داخل ہوئی، اسے ٹفن تیار کرتے ہی وہ سمجھ گئی تھی کہ حمت باہر نکلنے کا بہانہ تیار کر چکی ہے، کیونکہ چنے پھورے بنوانے کا مقصد تھا نیاز دینے کے لئے باہر جانا، وہ دیکھتے ہی جیسے سمجھ گئی۔

نیل بر کے علاوہ کسی اور کو آزادانہ طور پر باہر گھومنے کی اجازت نہیں تھی، سو حمت اور سباخانہ کو باہر نکلنے اور تازہ ہوا کھانے کے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ درکار ہوتا تھا۔

اس وقت بھی سباخانہ حمت کو عجلت میں پڑے دیکھ کر معنی خیزی سے مسکرا رہی تھی۔

''کہاں کی تیاری ہے؟'' گو کہ تیاری کا پس منظر وہ جان ہی چکی تھی پھر بھی چوٹ کرنے سے باز نہیں آئی۔

''نیاز دینے۔'' حمت نے کچھ چونک کر سباخانہ کی طرف دیکھا تھا، پھر گہرا سانس کھینچ کر مختصر جواب دیا۔

''اوف یہ کہاں سے ٹپک پڑی۔'' اب وہ تلملا کر سوچ رہی تھی، کیونکہ سباخانہ جب کسی بات کی کرید میں پڑ جاتی تھی تو پھر مشکل سے ہی پیچھا چھوڑتی تھی۔

''آج کل بہت نیاز بانٹی جا رہی ہے۔'' سباخانہ نے مسکرا کر طنز کیا، میٹھے طنز کرنے میں اسے کمال حاصل تھا، حمت نے پھر سے گہرا سانس بھرا، وہی ہوا تھا جس کا ڈر اسے لاحق تھا، وہ حمت کو اب باتوں باتوں میں اصل مقصد کی طرف لا رہی تھی۔

''تو کون سا گناہ ہے؟'' اس نے پلٹ کر سنجیدگی سے کہا۔

''میں نے کب کہا، نیاز بانٹنا گناہ ہے؟ میں تو کچھ اور کہنا چاہ رہی تھی۔'' وہ معنی خیزی سے مسکرائی تھی، حمت نے الجھ کر سباخانہ کو دیکھا، جیسے اس کی بات کو سمجھنا چاہ رہی تھی۔

''کیا؟'' وہ کچھ حیران ہوئی۔

''یہی کہ کوئی منت پوری ہو چکی ہے جو آئے دن نیاز بانٹتی ہو؟'' سباخانہ کے انداز میں واضح تجسس تھا، حمت اندر ہی اندر تلملا گئی تھی۔

''کیا خبر، ایسی بات ہو۔'' اس نے جان کر سباخانہ کو جلایا، وہ اس کی فطرت سے اچھی طرح آگاہ تھی، سباخانہ بال کی کھال اتار کر مزے لیتی تھی۔

''اچھا۔'' سباخانہ نے معنی خیزی سے کہا تھا۔

''پھر ہم سے پردہ داری؟ بتا دو منت کا متن کیا تھا؟''

''جب وقت آیا تو بتا دوں گی۔'' حمت نے اداکاری دکھائی تھی، گو کہ اس کام میں وہ اتنی مہارت نہیں رکھتی تھی پھر بھی سباخانہ پہ یہ اناڑی داؤ بھی چل جاتا تھا۔

''لگتا ہے کوئی خاص بات ہو چکی۔'' سباخانہ نے اندر کی جلن پہ قابو پا کر کہا، حمت ٹفن بھر بھر کے بند کرتی جا رہی تھی، سباخانہ کی بات پہ بے ساختہ مسکرا دی۔

''ابھی ہوئی تو نہیں، پر ہونے کے امکان ضرور ہو سکتے ہیں۔''

''تم کچھ چھپا رہی ہو حمت!'' سباخانہ کی بے چینی کا کوئی انت نہیں تھا، اس نے حمت کے چہرے پہ کچھ کھوجنا چاہا تھا، وہاں جو کچھ تحریر تھا، سباخانہ سمجھ نہیں سکی تھی، اس کی سمجھ سے کچھ بالاتر ہی تحریر تھا، وہ الجھ سی گئی۔

''وہم ہے تمہارا، میں کیا چھپاؤں گی۔'' وہ مسکرائی تھی، پھر اس نے اپنے لئے چائے بنائی، باہر نکلنے سے پہلے چائے پی کر نکلنا اس کا سالوں پرانا معمول تھا۔

''دیکھ لو، تم اپنے راز بتاتی نہیں ہو، ایک میں ہوں کھلی کتاب، جو دل میں ہوتا ہے، وہی زبان پر۔'' سباخانہ کسمسا کر رہ گئی تھی، اسے حمت پہ بڑا غصہ آیا تھا، بہت گھنی ہوا کرتی تھی، مجال تھا جو کچھ منہ سے پھوٹ دیتی۔

''میرے ایسے کوئی راز نہیں، تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔'' حمت نے چائے ابال کر چھانی اور کپ کو منہ سے لگا لیا۔

''پھر قبرستان اتنے تسلسل سے کیوں جا رہی ہو؟'' بالآخر سباخانہ کا ایک داؤ بھی چل گیا تھا، حمت کی آنکھیں کھل گئیں، نیل بر، پری کے بعد اب سباخانہ، اس کی رنگت لمحوں میں متغیر ہو گئی تھی جیسے کھلی سرسوں بکھر گئی ہو۔

''اپنی ماں کی قبر پہ دعا کرنے۔'' مشکل سے ہی سہی اسے جواز مل گیا تھا، گو کہ سباخانہ کے سامنے کچھ کمزور جواز تھا پھر بھی۔

''آج کل تمہیں ماں بہت یاد آ رہی ہے۔'' وار خالی جاتا دیکھ کر سباخانہ نے تلملا کر کہا۔

''ماں تو ہمیشہ یاد آتی ہے، کبھی بھولتی نہیں۔'' حمت کی آنکھ کسی یاد کے اثر میں بھیگ سی گئی، سباخانہ کو کوفت سی ہوئی، وہ سننا کچھ چاہتی تھی بات کچھ نکل رہی تھی۔

''ویسے تمہاری ماں کو یاد کیا جانا، بنتا تو نہیں، ایسا بھی کوئی قابل ذکر کارنامہ سرانجام دے کر تمہاری ماں مری نہیں۔'' سباخانہ کے کٹیلے الفاظ نے حمت کو لمحوں میں جلتی بھٹی کے اندر لا پٹخا تھا، وہ پتھر کی مورت میں جیسے ڈھل گئی۔

''کبھی بی جاناں سے اپنی ماں کا کارنامہ تو سننا، دعا کرنا اور نیاز بانٹنا بھول جاؤ گی۔'' وہ سارے بدلے ایک ہی مرتبہ اتار کر کچن سے باہر نکل گئی تھی جبکہ حمت کے ہاتھ سے چائے کا بھرا مگ گر کر زمین بوس ہو گیا تھا۔

☆☆☆

عروفہ جلے پیر کی بلی بنی سارے گھر میں چکرا رہی تھی۔

اس وقت رات کا تیسرا پہر چل رہا تھا، سو شام اور رات کے پہلے پہر ہونے والی کاروائی اپنے

اختتام کو پہنچ گئی تھی۔

ماحول اس وقت سازگار تو نہیں، البتہ خاموشی میں ڈوبا ضرور تھا۔

مرغزاروں کے پار سے آتی جنگلی جانوروں کی آوازیں کہیں کہیں ماحول کا فسوں توڑنے کا سبب بن جاتی تھیں، باہر بھی گھور تاریکی پھیل رہی تھی، اندر بھی مہیب اندھیرا تھا۔

اس تاریکی میں کوئی بھی منظر واضح نہیں تھا، آج باہر برف بھی ہو رہی تھی، دور کہیں پہاڑوں پہ گرتی برف، یہاں تک بھی اپنی ٹھنڈک سوغات میں بھیج رہی تھی، مجموعی طور پر آج معمول سے ہٹ کر ٹھنڈ تھی، آتش دان کے کوئلے اس وقت بجھ کر راکھ کا ڈھیر بن چکے تھے، اس راکھ میں دبی کوئی چنگاری ابھی بھی ہوا دے رہی تھی۔

عروفہ کو وہ چنگاری راکھ میں نہیں، اپنے دل میں اٹدتی محسوس ہو رہی تھی، ایک آگ سی تھی جو پھیل رہی تھی، ایک آگ سی تھی جو بھڑک رہی تھی، باہر کی ٹھنڈک بھی اس پہ اثر کرنے سے قاصر تھی، چل چل کر اس کے پیروں میں ورم آ گیا، ٹانگیں اکڑ گئی تھیں، جسم تھک کر ٹوٹ رہا تھا، وہ سوچوں کے جنگل میں بھٹک بھٹک کر الجھ گئی، سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کرے کیا؟

ابھی کچھ گھنٹے پہلے جو ڈرامہ چل رہا تھا وہ دوبارہ بھی چل سکتا تھا، اگر عروفہ پھر سے مورے کو کچھ بتا دیتی، اس کچھ میں بہت کچھ موجود تھا، وہ سب جو عروفہ نے چھپ چھپا کر سنا تھا۔

عشیہ کی زندگی ختم کرنے کے لئے مورے کو بس اتنا بتا دینا کافی تھا کہ عشیہ کسی اجنبی کے ساتھ اکیلی اتنی رات کو واپس لوٹی ہے اور اجنبی بھی کوئی اور نہیں شاہوار بٹ جس کے خاندان کا ڈنکا بجا کرتا تھا۔

ایک امیر زادے کے ساتھ عیشہ کے تعلقات کیسے قائم ہوئے تھے؟ وہ بھی ایسا خانوادہ جس کو پانے کے خواب ہر امیر اور غریب لڑکی دیکھا کرتی تھی، اس مغرور آدمی نے عشیہ کو کیسے منہ لگا لیا؟ وہ سوچتی جاتی اور الجھتی جاتی تھی۔

چند قدم کے فاصلے پر مورے کے کمرے کا دروازہ تھا، وہ چاہتی تو آگے بڑھ کر ہینڈل گھماتی اور دروازہ کھل جاتا، اس وقت عشیہ اور عمکیہ بھی سو چکی تھیں، کسی کے آنے کا اور مداخلت کرنے کا خطرہ بھی نہیں تھا۔

مورے کے کمرے کا دروازہ اگرچہ بند تھا لیکن اسے خبر تھی مورے جاگ رہی ہیں، عشیہ ان کی دوائی نہیں لائی تھی اور دوائی کے بغیر انہیں نیند نہیں آتی تھی۔

بغیر آگے بڑھے بھی اسے مورے کی تکلیف کا پتا تھا، وہ رضائی میں گم کراہ رہی تھیں، دوائی کے بغیر درد انہیں بے چین رکھتا تھا، وہ ساری رات سو نہیں پاتی تھیں، ابھی بھی یقینی طور پر جاگ رہی تھیں، اگر وہ تھوڑی سی ہمت کر کے مورے کا دروازہ کھول لیتی تو مورے درد بھلا کر اس کی بات توجہ سے سن سکتی تھیں، کیونکہ عروفہ کو مورے اپنی سب بیٹیوں میں زیادہ چاہتی تھیں۔

اس لئے بھی کہ وہ ماں کے زیادہ قریب تھی اور اس لئے بھی کہ عروفہ اپنے بعد ہیام کو لائی تھی، یعنی عروفہ کے بعد مورے کے ہاں ہیام نے جنم لیا تھا، گو کہ اس کا جنم لینا مورے کی زندگی پہ لگے داغ مٹا نہیں پایا تھا پھر بھی ان کے لئے اولاد نرینہ کا ہو جانا ہی بڑا معنی رکھتا تھا۔

اور عروفہ جانتی تھی اگر مورے اپنی اولاد میں کسی کو چاہتی ہیں تو وہ عروفہ اور ہیام تھے، اسے مورے کی بھرپور سپورٹ حاصل تھی، وہ کچھ بھی کہتی، مورے دھیان سے سنتیں، وہ اب بھی اس کی بات آرام سے سن سکتی تھیں اگر عروفہ تھوڑی ہمت پکڑ لیتی، لیکن مسئلہ صرف اتنا تھا عشیہ کو پہلے ہی اتنی مار پڑ چکی تھی، مزید وہ کتنی مار سہہ سکتی تھی؟ عروفہ کو اندازہ نہیں تھا، گوکہ عشیہ بڑی سخت جان تھی، دن میں بہت بار پٹنے کے بعد رات کو بھی تازہ دم ہو کر نئی ڈوز لینے کے قابل تھی، لیکن عروفہ کے پاس ہمت نہیں تھی۔

مزید آدھا گھنٹہ سوچنے کے بعد بالآخر عروفہ کسی حتمی نتیجے پہ پہنچ گئی تھی، خود غرض ہونے کے لئے اپنوں اور غیروں کی کوئی تخصیص نہیں تھی، سو عروفہ کا اطمینان قابل دید تھا، اس نے اطمینان سے آگے بڑھ کر مورے کے دروازے پہ ہاتھ رکھا، اس کے ہاتھوں میں ہلکی سی کپکپاہٹ ضرور تھی، معاً کوئی چپکے سے عروفہ کے پیچھے آ کھڑا ہوا، وہ لحموں میں گھبرا کر اچھل پڑی تھی۔

اس کا دل جیسے ڈوب کر ابھر گیا تھا، لمحے کے آخری حصے سے بھی پہلے اس نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا، وہاں عشیہ کھڑی تھی، نیند بھری گلابی آنکھوں سے دیکھتی ہوئی، اس کی پیشانی پہ بھی ایک دو سلوٹ نمودار ہوئی، بال بھی بکھر رہے تھے، جنہیں وہ انگلیوں سے پیچھے ہٹاتی ابھی تک عروفہ کے جاگنے کی وجہ کھوج رہی تھی۔

عام روٹین میں عروفہ سر شام سو جانے والیوں میں سے تھی، کم از کم سوتی نہ بھی ہوتی تو تب بھی نیند کا بہانہ بنا کر گرم لحاف میں دبک ضرور جاتی تھی، اس سے دو طرح کے فائدے ملتے تھے، ایک تو اتنی شدید ٹھنڈ میں کام سے جان چھوٹ جاتی تھی اور دوسرے اگلی سویر تک اسے کم از کم عشیہ کی شکل دیکھنے سے نجات مل جاتی تھی، ان دونوں بہنوں میں "پیدائشی اختلاف" تھے اور وہ Generosity (فیاضی) کی حد تک ایک دوسرے سے خار کھاتی تھیں۔

وہی بچپن کے معصومانہ جھگڑوں اور اختلافات سے ہونے والا آغاز جو سگی بہنوں میں ایک دوسرے سے جلن اور رقابت کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے اور عشیہ کسی سے جلتی یا نہ جلتی لیکن عروفہ ایسی شخصیت تھی جس سے "اعلانیہ" طور پر عشیہ کو حسد اور جلن محسوس ہوتی تھی۔

اس کے پیچھے گوکہ بڑی بڑی وجوہات تھیں جن میں عشیہ کافی حد تک حق بجانب بھی تھی، لیکن عشیہ کی عروفہ کے سامنے کبھی دال نہیں گلی تھی، کیونکہ عروفہ کو ہمیشہ مورے کے غیر ضروری حمایت حاصل رہی تھی، وہ مورے کی منہ چڑھی لاڈلی اولاد میں سے تھی۔

بچپن سے ہی دونوں بہنوں میں ٹھن گئی تھی، ایسی گرہ کی طرح جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور مضبوط ہو جاتی ہے اور کبھی بھی نہیں کھلتی، لاکھ کوشش سے بھی نہیں اور یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا۔

بظاہر ایک روٹین ورک کی طرح سارے معمولات چل رہے تھے، کبھی نرمی، کبھی گرمی، کبھی غصہ، کبھی لڑائی، عشیہ اور عروفہ آپس میں تلخ کلامی کی انتہا تک پہنچ کر بھی Slow toeture (میٹھی مار) کے ٹرک کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھیں، جیسے صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں، لیکن اب حالات پہلے سے نہیں ہوں گے، عروفہ کو یقین تھا۔

کیونکہ ہوٹل اوزگل کے چند فرلانگ دور عالیشان "ہٹ" والا اپالوان دونوں کے درمیان آنے والا تھا، ایک ایسے برج کی طرح جہاں پہ سیاروں کا تصادم ہی نہیں، تقدیر کا ٹکراؤ بھی ہونے والا تھا اور اس وقت تمام منفی سوچوں کو جھٹک کر تکر تکر عمکیہ کو دیکھ رہی تھی جس کا اچانک نیند سے اٹھ کر چلے آنا کوئی نیک شگون نہیں تھا، جیسے کوئی غیر مرئی قوت عمکیہ کو گہری نیند سے اٹھا لائی تھی۔

اور اگر عمکیہ دس منٹ بھی لیٹ ہو جاتی تو عروفہ نے ناب گھما کر مورے کے کمرے کی نیم تاریکی میں قدم دھر لینا تھا، ایسی تاریکی جس میں مورے کی کراہ ان کے جاگنے اور تکلیف میں ہونے کا پتا دیتی تھی اور مورے کے جاگنے کا مطلب تھا، عروفہ کا سب کچھ سنا سنایا مورے کے کانوں میں انڈیل دینا، یعنی عشیہ کی ایک مرتبہ پھر شامت پلس قیامت۔

وہ اس لحاظ سے بڑی کٹھور اور بے حس واقع ہوئی تھی، اپنی اس خوبی سے عروفہ از خود واقفیت رکھتی تھی، لیکن اب صورتحال پہلی سی نہیں تھی، عروفہ کی چند لمحے پہلے والی "بہادری" گیس بھرے غبارے میں سے ہوا کی طرح نکل چکی تھی، اس وقت صرف ایک ہی احساس باقی تھا اور وہ احساس تھا چوری کی چوری پکڑے جانے کا، وہ اپنے آپ میں گم حواس باختہ سی ہونٹ چباتی رہ گئی تھی۔

جبکہ عمکیہ کی کھوجتی نگاہوں کا شک اس کے گرد گھیرا تنگ کرتا جارہا تھا، اس نے گھبراہٹ میں کوئی چوتھی مرتبہ عمکیہ کے نیند بھرے گلابی تالابوں کو دیکھا تھا، گلابی مائل گیلی آنکھوں کی پگھلاہٹ میں شک کی بجائے اب یقین تیر رہا تھا، اس کے چہرے کا تاثر اب پہلے کی طرح نرم نہیں البتہ تند ضرور تھا، عروفہ نے بے ساختہ نگاہ چرائی تھی۔

عمکیہ نے دونوں ہاتھ پسلیوں پہ ٹکائے تھے یوں کہ دونوں بازوؤں میں ٹرینگل شیپ ابھر کر واضح ہوگئی تھی، اس کی تیکھی خوبصورت ناک پہ غصے کی سرخی بڑھتی جارہی تھی اور اسی حساب سے عروفہ کا دل گھٹتا جارہا تھا۔

کیونکہ اس کی بہت نرم مزاج بہن کو اس تناسب کا غصہ کبھی آیا ہی نہیں تھا، اس کا مطلب تھا کہ عمکیہ سب سمجھ گئی تھی، عروفہ کے جاگنے سے کر اس کے اندر پنپنے والے منفی خیال کے مقصد تک کو، یوں اگر عروفہ کا دل ڈوب رہا تھا تو بالکل ٹھیک ہی ڈوب رہا تھا۔

"ہوں تو "تم باز" نہیں آئی؟" عمکیہ کے بھیگے لبوں سے بڑے خشک الفاظ پھسل کر بالآخر عروفہ کی سماعتوں کو سننا گے تھے، اس کا دل ایک مرتبہ پھر ہچکولے لے کر ابھرا تھا، جیسے کسی ڈھلوان سے پھسلنے کے بعد سنبھالا ہو۔

"ابھی تک جاگ رہی ہو وجہ؟" عمکیہ کا انداز تیکھا اور پر اثر تھا، عروفہ کو نگاہ چرانی پڑی تھی، اب وہ جلد از جلد کوئی ایسی ٹھوس وجہ کو سوچ رہی تھی جسے عمکیہ کو بتا کر مطمئن کر سکے، کیونکہ عمکیہ اس وقت تو ٹلنے کے موڈ میں نہیں لگتی تھی، ہو نہ ہو عروفہ کسی خاص مقصد کے لئے مورے کا دروازہ پکڑے کھڑی تھی اور وہ خاص مقصد کیا ہو سکتا تھا؟ عمکیہ سمجھنے میں قطعی طور پر کوئی دشواری نہیں ہوئی تھی۔

اس کے کانوں میں ابھی تک عشیہ کی کراہیں اور سسکیاں گونج رہی تھیں، سوکھی لکڑی کی ضربوں نے عشیہ کے جسم پہ نیل پرنٹ کر دیئے تھے، گو کہ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی، عشیہ کو ایسی ڈوز

مہینے میں کئی مرتبہ مورے کے طرف سے ملتی تھی، پھر بھی ہر دفعہ عمکیہ کو نئے سرے سے عشیہ کے زخموں کو دیکھ کر درد اور تکلیف کا احساس ہوتا تھا۔

''میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے عروفہ!'' عمکیہ نے دوسری مرتبہ اپنی بات دوہرائی تو عروفہ کو جلدی سے ایک مضبوط جواب مل گیا تھا، اس نے مورے کے بند کمرے کی طرف اشارہ کیا پھر ناب گھما کر دروازے کو نیم سا کھولا تھا، عمکیہ اس کی جرأت پہ حیران ہوئی، وہ اس کو موجود پا کر بھی اندر جانے کا ارادہ رکھتی تھی۔

عروفہ بہن کا تاثر سمجھ کر ذرا تیکھے انداز میں آنکھ کو ترچھا کر کے اندر سے آتی تکلیف زدہ کراہوں کی سمت اشارہ کر کے بولی تھی۔

''کیا ان آوازوں کا درد سونے دیتا ہے؟ مورے کو تکلیف ہے، وہ درد سے کراہتی ہیں، ان کے انجکشنز اور دوائیاں نہیں آئیں، وہ ساری رات اسی طرح تڑپتی رہیں گی، میں اس احساس کے ساتھ سو نہیں سکتی، کبھی بھی نہیں۔'' عروفہ کی دلیل اور الفاظ بہت مضبوط تھے، ان میں کوئی جھول نہیں تھا، اندر سے آتی کراہوں کی آوازوں میں بھی شک کا کوئی تاثر نہیں تھا، مورے کے ہائے ہائے نیم کھلے دروازے سے واضح طور پر باہر آرہی تھی، عمکیہ جھٹکے سے ذرا سنبھل گئی تھی، لیکن سوچنے کے لئے کچھ سوال تھے، آج سے پہلے عروفہ نے گہری نیند سے اٹھ کر مورے کی کراہوں پہ ایسی کارکردگی نہیں دکھائی تھی، پھر عروفہ کا کمرہ خاصا فاصلے پہ تھا، پہلے عمکیہ اور عشیہ کا کمرہ آتا تھا اور عمکیہ کے کمرے کی کھڑکی مورے کے کمرے میں کھلتی تھی، اس کھڑکی کے پٹ ابھی بھی کھلے تھے، نیم کھلی کھڑکی سے آتی تکلیف میں ڈوبی مورے کی آواز سن کر ہی عمکیہ گرم بستر ہٹا کر تیزی سے باہر آئی تھی اور باہر آ کر اس نے عجیب منظر دیکھا تھا، عروفہ کا اتنی ٹھنڈ میں مورے کے کمرے کے سامنے چکر کاٹنا، اس کے چہرے پہ بکھرے عجیب سے منفی تاثرات، آنکھوں میں خونی سی بھسم کر دینے والی تحریر، اس کا بار بار ناب پہ ہاتھ رکھ کر ہٹانا، پھر رکھنا، پھر ہٹانا، کیا وہ مورے کی تکلیف سن کر آئی تھی، ان کی درد میں ڈوبتی آواز سن کر آئی تھی؟ اگر ایسا تھا تو پھر وہ اتنی متذبذب کیوں تھی؟ اتنا ہچکچا کیوں رہی تھی؟ اسے تو بے دھڑک اندر داخل ہو جانا چاہیے تھا؟ تو پھر کون سی رکاوٹ مانع تھی؟ عروفہ لاکھ حاضر دماغ بنتی پھر بھی اتنی آسانی سے عمکیہ کو دھوکا نہیں دے سکتی تھی۔

''اچھا۔'' عمکیہ نے لفظ کھینچ کر طنزیہ کہا، عموماً وہ طنزیہ گفتگو سے پرہیز کرتی تھی۔

''تو پھر تم اندر کیوں نہیں گی؟ کون سا مراقبہ کر رہی ہو یہاں؟'' اس کا انداز بلا کا تلخ اور تیکھا تھا، عروفہ گڑبڑا سی گئی تھی۔

''جا تو رہی تھی۔'' وہ ذرا ہکلائی۔

''اتنا سوچ سوچ کر؟'' عمکیہ نے ابرو اٹھا کر پوچھا تھا، عروفہ تڑخ سی گئی تھی۔

''تم میری جاسوسی کر رہی تھی؟'' اس نے عمکیہ کے انداز میں تیکھے پن سے پوچھا، اندر سے وہ گڑبڑا رہی تھی۔

''مجھے کیا ضرورت ہے۔'' عمکیہ نے برا مان کر کہا۔

''میں بھی مورے کی آواز سن کر آئی ہوں۔'' اس نے عروفہ کے کندھے سے پیچھے نیم کھلے

دروازے کے اندر چھائی تاریکی کو دیکھتے ہوئے عروفہ کو جتایا۔

''تو پھر اب کیا کرو گی؟'' عروفہ کو طنز کرنے بلکہ طنز لوٹانے کا موقع مل گیا تھا۔

''مورے کی تکلیف بغیر دوائی کے دور نہیں ہوتی۔'' اب وہ آہستہ آہستہ اصل موضوع کی طرف آرہی تھی، عمکیہ کی بے چینی بڑھنے لگی، وہ جانتی تھی کہ گھما پھرا کر عروفہ بات عشبہ کی نااہلی تک لے آئے گی۔

''اگر رات درد اور تکلیف سہتے نکل بھی گئی تو دوائیوں والا نسخہ کہاں سے آئے گا؟ فرض کرو ہیام صبح تک دوائی لکھوا دیتا ہے تو کیا قریبی فارمیسی سے امید ہے ارجنٹ دوا یا انجیکشنز مل سکیں؟'' عروفہ نے بڑے سلیقے سے عشبہ کی غیر ذمہ داری پہ کاٹ دار طنز کیا تھا۔

''وہ ہے ہی لاپرواہ، اسے کبھی بھی مورے کا احساس نہیں، نسخہ گھما آئی، دوائی لائی نہیں، جانے کہاں کہاں گھومتی رہی اور کس کے ساتھ منہ اٹھا کر چلی آئی۔'' عروفہ کے نرم لہجے میں عجیب سی تپش تھی، اس نے گھور کر بہن کو دیکھا۔

''بکواس نہیں کرو۔''

''بکواس نہیں، حقیقت ہے یہ، کیا تم انکار کرتی ہو؟ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا، وہ کسی کی جیپ سے اتر رہی تھی، تم میری آنکھوں کا دیکھا کیسے جھٹلا سکتی ہو؟'' عروفہ کو بالآخر عشبہ پہ ''سیر حاصل'' تبصرہ کرنے کا موقع مل گیا تھا، دوسرے معنوں میں جو جلن اس سے مورے کے سامنے نکالنی تھی، اس بھڑاس کے خروج کا بندوبست عمکیہ کی صورت میں ہو گیا تھا۔

''جب تک اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔'' عمکیہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''اور تم ذرا سوچ سمجھ کر بولا کرو، عشبہ پہ الزام لگانے کی ضرورت نہیں، وہ نہ ہو تو اس گھر کا چولہا بھی نہ جلے، ہیام لاہور ہے اور وہ آج سے لاہور نہیں، برسوں سے وہاں ہے، پہلے پڑھائی، پھر ہاؤس جاب پھر نوکری، انگلیوں پہ گن سکتی ہو تو گن لو، عشبہ نے بارہ سال کی عمر سے اس گھر کی ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے کندھوں پہ اٹھا رکھا ہے، تم اور میں تو ''صدر'' تک جانے کی ہمت نہیں رکھتے۔'' عمکیہ نے تلخ لہجے میں بات جاری رکھی تھی۔

''اس کی ذرا سی غلطی کوئی بھی برداشت نہیں کرتا، کوئی بھی اتنا اعلیٰ ظرف نہیں، وہ سالوں سے گدھوں کی طرح اس گھر کا سودا ڈھو رہی ہے، اندر باہر کے سارے کام عشبہ کے ذمے ہیں، مورے کو ہسپتال لے جانا، لے کر آنا، ڈاکٹرز سے مشورے، بھاگ دوڑ پھر ہیام کی خبر گیری کرنا، اس پہ نگاہ رکھنا، اس کی تعلیم اور مستقبل کی فکر، سب سے بڑھ کر عنبہ کی شادی جیسا بوجھ اتارنا، تن تنہا اکیلی لڑکی ذات ہو کر کیسے عشبہ نے عنبہ کی ساس کے ٹکر کا جہیز تیار کروایا تھا، اس کی قربانیوں اور احسانات کی کوئی حد نہیں، لیکن اس گھر میں کوئی عشبہ کو نہیں سمجھتا۔'' اس کی آواز کے ساتھ آنکھ بھی بھیگ رہی تھی، عروفہ نے اکتاہٹ بھرے انداز میں ''عشبہ نامہ'' بیزاری سے سنا۔

عشبہ نامی عجیب و غریب، جھگڑالو سی مخلوق عروفہ کے بچپن کی بہت بڑی چڑ تھی، وہ سب کچھ برداشت کر سکتی تھی لیکن اس کی تعریف ہضم کرنا عروفہ کے بس کا روگ ہی نہیں تھا۔

''ہاں باقی سب تو ٹھیک ہے، لیکن اس کی لمبی قینچی جیسی زبان کے بارے میں کیا خیال ہے؟

آج تک کوئی ڈھنگ کا رشتہ بھی نہیں ملا، اس زبان کی اچھائی کے باعث سگی ماں سے منہ ماری کر لی ہے، ان کی طلاق ہو جانے کے طعنے دیتی ہے، بڑی ''باکمال'' جو ہوئی، ماں سے بولنے کی تمیز نہیں، ماں بھی ایسی جس نے دکھ ہی سہے عمر بھر، سکھ دیکھا نہیں، بیمار ماں کا دل دکھاتی ہے، انہیں اذیت دیتی ہے۔'' عروفہ نے غیر محسوس انداز میں کہنی کو پیچھے نیم کھلے دروازے کو دھکیل کر دروازہ کچھ اور کھول دیا تھا، تا کہ جاگتی ہوئی مورے ان کی گفتگو کو با آسانی سن سکیں اور عروفہ کی سپورٹ اور محبت کو عشیہ کے مقابلے میں زیادہ محسوس کریں، وہ اس مقصد میں کس حد تک کامیاب ہوئی تھی؟ عمکیہ فوراً سمجھ گئی، کیونکہ مورے کی شدید ہائے وائے کم ہوتی جا رہی تھی، ایک وقت آیا، اندر نیم خاموشی چھا گئی، مورے ان دونوں بہنوں کی تکرار بغور سن رہی تھیں، عروفہ سمجھ کر ذرا اور سنجیدہ ہو گئی۔

''خود تو ہلدی ملا گرم دودھ پی کر رضائی میں گھسی خراٹے لے رہی ہے، اسے جگاؤ ذرا، مورے کی آ کر حالت دیکھے، ابھی تو رات ختم ہونے میں کئی گھنٹے پھن پھلائے کھڑے ہیں، کیا ان کا سانس بند ہونے کا انتظار کر رہی ہے۔'' عروفہ نے تڑخ کر پورا دروازہ کھول دیا تھا، اندر بستر میں مورے ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھیں، نہ ان کا سانس نکل رہا تھا، نہ آواز نکل رہی تھی، ان کی حالت ناقابل برداشت تھی، اوپر سے عروفہ کے بے رحمانہ تبصرے، عمکیہ کی ٹانگیں لرزنے لگیں، وہ بھاگتی ہوئی مورے کے کمرے کی طرف آئی تھی، پھر تیزی سے ان پہ جھک گئی، مورے کے سینے سے ناقابل فہم آوازیں نکل رہی تھیں، اب نہ جانے یہ ہسٹریا کے دورے کا آغاز بتایا یا مالیخولیا کے؟ مورے بیک وقت کئی طرح کے امراض میں مبتلا تھیں، کسی بھی وقت کوئی بھی بیماری ایکدم اٹیک کر دیتی تھی، یہ تو مورے کے ہمت تھی جو ابھی تک چلتی پھرتی نظر آتی تھیں ورنہ اتنی بیماریوں میں حواس تک ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، انسان اعصابی طور پر کمزور ہو جاتا ہے، لیکن مورے کا رعب دبدبہ، جلال، غصہ اور کڑک کہیں سے بھی انہیں بیمار ظاہر نہیں کرتی تھیں، بظاہر وہ بہت صحت مند لگتی تھیں، سرخ و سفید، شاندار لیکن اندرونی طور پہ مختلف بیماریوں نے انہیں ہرا دیا تھا، یہ اور بات تھی کہ ان کی ول پاور بڑی کمال کی تھی، وہ آج تک مختلف بیماریوں سے جنگ لڑتی آ رہی تھیں۔

''مورے؟'' عمکیہ حواس باختہ سی مورے کو جھنجھوڑ رہی تھی، عروفہ بھی تیزی سے ماں تک آئی، مورے کی حالت ایسی نہیں تھی جو انہیں گھر میں ٹریٹمنٹ دی جاتی، ہسپتال لے جانا ناگزیر تھا، ہسپتال بستی سے بہت دور صدر میں تھا، وہاں تک لے جانا اس وقت آسان نہیں تھا، جبکہ کینولیس کی سہولت بھی نہیں تھی، ڈاکٹر بھی نجانے ملتا یا نہ ملتا، سب سے بڑی بات عشیہ نہیں تھی، وہ اپنے کمرے میں بند تھی، اتنی مار کھانے کے بعد انتقاماً وہ ایک ہفتہ تو کبھی کمرے سے باہر نہ آتی، شروع سے اس کی یہی روٹین تھی، جب تک غصہ، جوش، غیض، ختم نہ ہوتا، وہ کمرے سے باہر نہ نکلتی، بس عمکیہ ہی تھی جو اس کا خیال رکھتی، ہلدی ملا دودھ پلاتی اور اس کے زخموں اور چوٹوں کی ٹکوریں کرتی۔

مورے کی اس حالت پہ عمکیہ کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو رہے تھے، وہ مضبوط اعصاب کی نہیں تھی، اسی لئے گھبرا جاتی تھی، بارہ سال کی عمر سے لے کر آج تک مورے کی اس بیماری کے پیچھے بھاگ دوڑ کرنے والی عشیہ کے علاوہ کوئی اور مورے کو سنبھال نہیں سکتا تھا، نہ ڈاکٹرز بلا سکتا نہ

ہسپتالوں کے دھکے کھا سکتا۔

وہ عشیہ ہی بھی جو ہیام سے پوچھ پوچھ کر بروقت طبی امداد دے لیتی، یا پھر میڈیکل گائیڈ سے ہیلپ لے کر مورے کی بگڑتی حالت کو قابو کرتی۔

لیکن اس وقت عشیہ ناراض تھی، بہت تکلیف میں تھی، درد اسے بھی سونے نہیں دے رہا تھا، مورے کی کراہیں اس تک بھی پہنچ رہی تھیں، مگر وہ ڈھیٹ بنی، سر منہ لپیٹ کر پڑی رہی، وہ ایسی ہی تھی، غصے میں کسی بات کی پرواہ نہ کرتی، جیسے مورے اس کی پرواہ نہیں کرتی تھیں۔

عمکیہ حواس باختہ سی مورے کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر بلا رہی تھی، عروفہ کو اتنی نازک صورت حال میں بھی عشیہ پہ شدید غصہ آیا، وہ اپنے اندر کی جلن نکالنے سے باز نہیں آئی تھی۔

''دیکھا تم نے، کیسی خود غرض ہے، ابھی تک آئی نہیں، وہ تو چاہتی یہی ہے، ہماری ماں مر جائے اور اس کی زندگی آسان ہو، سر کی بلا ٹل جائے۔'' عروفہ نے بہتی آنکھوں کے ساتھ تلخی سے کہا، وہ ماں کے منہ سے نکلتی جھاگ کو تولیے سے صاف کر رہی تھی، عمکیہ ان کی ہتھیلیاں مسل رہی تھی۔

''تم اس کو بلاتی کیوں نہیں۔'' عروفہ نے عمکیہ کا کندھا ہلایا، مورے کی پتلیاں الٹ رہی تھیں، ان کا رنگ بھوسے کی طرح ہو رہا تھا، ہلکا زردی مائل، اب تو ان سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا، وہ سر کو تکیے پہ پٹخ رہی تھیں، کبھی سینہ پکڑتیں، کبھی دماغ، کبھی ہاتھ، کبھی بازو، وہ کتنی بے چین تھیں، کتنی تکلیف میں تھیں صاف نظر آ رہا تھا۔

اب غصے پہ کرب کے جذبات غالب آ رہے تھے، جو بھی تھا، عروفہ کی مورے میں جان بند تھی، وہ ماں کو اذیت میں نہیں دیکھ سکتی تھی، اس سے مورے کی تکلیف برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

''عشیہ...... عشیہ۔'' وہ بری طرح سے چلائی تھی، اس کے آنسو بہہ رہے تھے، عمکیہ نے ایک تلخ نگاہ عروفہ کے کربناک چہرے پہ ڈالی تھی، پھر سر کو لمحہ بھر کے لئے خم سا دیا۔

''وہ نہیں آئے گی، اسے آنا بھی نہیں چاہیے۔'' عمکیہ کی بڑبڑاہٹ پہ عروفہ کی سرخ آنکھوں سے سیال بہتا چلا گیا تھا، اس نے بے بسی سے تڑپتی ماں کو دیکھا۔

''وہ چاہتی ہی یہی تھی، آپ تڑپ تڑپ کر مر جائیں، اسی لئے آپ کی دوائیں نہیں لائی، نسخہ نجانے کہاں پھینک آئی، اب ہسپتال بھی نہیں لے کر جائے گی، بہت بری ہے عشیہ۔'' عروفہ ماں سے چمٹ کر اونچی آواز میں رونے لگی، مورے نے اب اپنی دونوں آنکھوں کو پکڑ لیا تھا، یوں کہ الٹی پتلیاں چھپ گئی تھیں، انہیں بخار بھی ہو رہا تھا، ان کا جسم گرم تھا، یا پھر گرم کمرے کی وجہ سے حرارت محسوس ہو رہی تھی، عمکیہ کو کچھ سمجھ نہیں آیا، وہ مورے کی تکلیف کو بھی کنٹرول نہیں کر سکتی تھی، عشیہ کے علاوہ کوئی اور بندہ یہ کام کر ہی نہیں سکتا تھا، عمکیہ نے نیم کھلے دروازے سے باہر عشیہ کے روم کی طرف دیکھا تھا، دونوں کواڑ بند تھے، اتنے غصے اور شدت سے جیسے کبھی کھلیں گے نہیں، عمکیہ کی گیلی آنکھوں میں بے بسی اتر آئی، وہ جانتی تھی عشیہ کبھی بھی باہر نہیں آئے گی، چاہے بھونچال آ جاتا یا قیامت، وہ اپنی ضد اور دھن کی پکی تھی اور عشیہ کے علاوہ کوئی بھی مورے کو ہسپتال لے جانے والا نہیں تھا، اس نے گیلی آنکھوں کو پھر سے عشیہ کے بند کمرے کی ناب پہ جمایا تھا، وہ بار

بار عشیہ کے رد م کے بے بسی سے دیکھ رہی تھی۔
''نہیں آئے گی، بڑی بے رحم اور کٹھور ہے، اس کے دل میں درد نہیں، احساس نہیں، ماں کے ساتھ مقابلہ کرتی ہے، کبھی کسی نے ماں کے ساتھ بیر باندھا ہے؟'' عروفہ نے چیخ کر کہا تھا اور ابھی بھی چیخ رہی تھی، وہ مسلسل چیختی جا رہی تھی، عمکیہ اس کی چیخوں سے قطع نظر آنکھیں مسل مسل کر دیکھتی رہی، اسے دور کھڑے ایک لنگڑاتے ہیولے کا گمان ہوا تھا، اس نے دبا دبا کر پلکوں پہ اٹکی نمی کو صاف کیا، آنکھوں کے سامنے ابھی بھی دھند تھی اور یہ دھند بڑھتی جا رہی تھی، بڑھتی جا رہی تھی، دھند کے پار لنگڑاتا ہیولا اب بھی موجود تھا۔

عمکیہ کو لگا، وہ ہیولا چل رہا ہے، چلتا چلتا قریب آ رہا ہے، اس نے پھر سے آنکھوں کو رگڑا، اب کہ منظر کچھ نمایاں تھا، کچھ واضح تھا، کچھ صاف دکھ رہا تھا، عمکیہ نے آخری مرتبہ آنکھوں کے کونوں کو پونچھ کر دیکھا۔

وہ لنگڑاتا ہیولا عشیہ کا تھا اس کے دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت سوج سوج کر کپا ہو رہے تھے، اس کے باوجود وہ سردی اور درد سے بے نیاز چل رہی تھی یہاں تک کہ وہ نیم کھلے دروازے میں آ کر کھڑی ہوگئی۔

اندر کا منظر واضح تھا، ماں کا جھٹکے کھاتا وجود بے بسی کے شکنجے میں جکڑ رہا تھا، اب وہ اس کے رحم و کرم پہ تھیں، جیسے عشیہ کچھ گھنٹے پہلے مورے کے رحم و کرم پہ تھی۔

اسے اپنی توہین اور مار بھلائے نہیں بھول سکتی تھی، کبھی بھی نہیں، قیامت تک نہیں اور اب تو عروفہ سے ضد بھی تھی۔

''اس کی ماں ہے یہی لے کر جائے، میں جانوروں کی طرح بوجھ بھی ڈھوؤں اور بدنامیاں بھی خریدوں۔'' عشیہ کے چہرے پہ تنفر کا زہر پھیل رہا تھا، عمکیہ اور عروفہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کا ایک ایک تاثر پڑھ رہی تھیں، جیسے انہیں سمجھنے میں ذرا دشواری کا سامنا نہیں تھا، وہ مورے کے لئے کچھ بھی نہیں کرے گی، ایک بات تو طے تھی۔

اسے لنگڑاتے ہوئے واپس پلٹتے دیکھ کر عمکیہ اور عروفہ کی جان پہ بن آئی، وہ آگے بڑھتی جا رہی تھی، انہی بند کواڑوں کے پیچھے، کمرہ بند کیے، ساری چیخوں سے بے نیاز، مورے کے درد اور جان کنی جیسی اذیت سے لاتعلق، عشیہ کا ہیولا ایک نکتے پہ آ کر گم ہو گیا تھا اور عمکیہ کی ساری امیدیں ایک ایک کر کے دم توڑ گئی تھیں۔

☆☆☆

دور کہیں پہاڑیوں میں سے دھول کے بادل بلند ہو رہے تھے۔
آسمان پہ پھیلا سفید سفوف نیلے دریا کی شفاف سطح پہ تیر رہا تھا، جیسے کوئی ملائم سی روئی کے لمبے لمبے ریشے ہوں یا پھر کسی برفیلے گلیشیر کے تودوں کو کرش مشین سے آئس کریم میں بدل دیا ہو۔
بنگلے کے اطراف میں سبزے کے اوپر ایک تہہ شفاف اوس کی گری تھی، جس نے گھاس کے سبز لباس کو نمناک کر رکھا تھا۔
سردی آج بھی معمول سے ہٹ کر تھی، وہی برفیلا اور سرد ترین دن، قریب تین بجے تک اس

نے آج کے دن کا شیڈول تیار کر کے سروے ٹیم کی چھوٹی سی میٹنگ بلوائی تھی۔

اتنی ہنگامی میٹنگ کا کسی نے تصور بھی نہیں کیا تھا، پھر ٹیم کے ارکان تو پورا دن سیر سپاٹوں میں مصروف رہے تھے، ان کا خیال تھا باقاعدہ کام ایک دن کے آرام اور سیاحت کے بعد شروع ہوگا، لیکن وہ خود ساختہ خوش گمانی کا شکار ہو کر یہ بھول چکے تھے کہ ان کا پروجیکٹ آفیسر اور ہینڈلر امام فریدے شاہ ہے، جسے کام کے علاوہ کچھ سوجھتا نہیں تھا، یوں معلوم ہوتا تھا وہ ربورٹ نما کوئی انسان ہے، جس کا مقصد صرف مصروف رہنا اور دوسروں کو زبردستی مصروف رکھنا ہے، گویا پورے ملک کا بوجھ اس نے اپنے کندھوں پہ اٹکا رکھا تھا۔

وقاص اور عاشر گرم بستروں سے بڑبڑاتے ہوئے نکلے تھے اور منہ دھوئے بغیر امام کے کمرے میں پہنچ گئے، البتہ قاسم نے ہنگامی میٹنگ کی وجہ معلوم نہیں کی تھی گویا وہ اس میٹنگ کا پس منظر جانتا تھا۔

امام فریدے شاہ سروے کے حوالے سے کوئی نیا اور فوری لائحہ عمل دے رہا تھا، اتنا اچانک اور ارجنٹ کیوں؟ قاسم کو سوچنا نہیں پڑا، گزشتہ رات صندر خان کی فون کال کے بعد امام فریدے شاہ نے اپنے شیڈول اور روٹین ورک میں ٹوٹل تبدیلی کر دی تھی۔

سو اسی حساب سے بریفنگ کے بعد ٹائمنگ سیٹ کر کے امام نے سب کو فارغ کر دیا تھا، وقاص، عاشر اور قاسم دوبارہ بستروں میں غروب ہو چکے تھے، کیونکہ تین بجنے میں ابھی بہت ٹائم پڑا تھا، وہ تب تک ایک لمبی نیند سے لطف اندوز ہو سکتے تھے۔

اس وقت بنگلے پہ خاموشی طاری تھی، کچھ دیر پہلے والی چہل پہل ختم ہو چکی تھی، کچن میں معمولی کھٹر پٹر کی آوازیں بتاتی تھیں کہ پری گل (خانساماں) کی بیٹی رات کے کھانے کے برتن دھو رہی ہے۔

امام نے کھڑکی کا پٹ ذرا اور دھکیل کر کھول دیا تھا، وہ سردی کی شدت سے بے نیاز باہر بکھرے فسوں کو دیکھ رہا تھا، گو کہ تند ہوائیں اور برفیلی لہریں اسے زبردستی وہاں سے ہٹانا چاہتی تھیں لیکن وہ بھی امام فریدے شاہ تھا، جب ضد آ گئی تو آ گئی، جب ارادہ باندھ لیا تو باندھ لیا، پھر جمے رہنا ہے ہٹنا نہیں، آگے بڑھنا ہے، پلٹنا نہیں، وہ اپنے ارادوں میں اتنا ہی کھرا، سچا اور مضبوط تھا۔

نانگا پربت کی چٹانوں جیسا، اس کے پہلو میں سجی نئی نویلی دولہن نما گلیشر، جو برف کی ردا اوڑھے بڑے عزم اور شان سے نانگا پربت کے حضور کھڑا تھا۔

وہ باغیچے میں ابھرتے عکس کو دیکھ کر ذرا حیران ہوا، گرم شال میں لپٹا خانساماں جو پری گل کا باپ اور بنگلے کا سرکاری خادم تھا گھاس کاٹتا دکھائی دیا۔

اتنی شدید ٹھنڈ میں وہ ہر چیز سے لاتعلق ہو کر اپنے کام میں جتا ہوا تھا، اسے کام کرتا دیکھ کر امام کو جھرجھری سی آ گئی تھی، اس نے کھڑکی کے دونوں پٹ کچھ اور آگے دھکیل کر کھول دیئے تھے، برف کی ایک لہر نے اس کے جسم کو سختی سے چھوا تھا، وہ منہ کا دھواں ہاتھوں پہ چھوڑتا اوف کرتا رہ گیا، پھر اس نے باغیچے میں مصروف خانساماں کو آواز دی تھی۔

''گل خان!'' اس کی آواز پہ گل خان نے فوراً گردن موڑ کر آواز کی سمت کا تعین کیا اور پھر بھاگتا ہوا کٹر پھینک کر کھڑکی کی طرف آیا۔

''ام کو بلایا ہے صاب!'' گل خان نے تابعداری سے سوال کیا۔

''تم گل خان ہی ہونا؟'' اس نے مسکراہٹ دبا کر پوچھا۔

''جی صاب!'' گل خان نے سادگی سے اثبات میں سر ہلایا، امام کو اس کی سادگی پہ ہنسی آ گئی تھی، پھر اس نے ہنسی روک کر گل خان سے کہا۔

''گل خان! کیا وزیر صفائی آ رہا ہے؟'' اس کے انداز میں واضح معصومیت تھی، بنگلے کا گل خان نامی یہ مالی، خانساماں، چوکیدار، ڈرائیور، دھوبی پلس سوپر امام کو اول روز سے ہی پسند آ گیا تھا، کیونکہ امام کو مستقل دو تین سال یا اس عرصہ سے زیادہ کے لئے یہاں قیام کرنا تھا، سو وہ گل خان کی ایمان داری سے خاصا متاثر ہوا تھا، وہ تھا بھی فرض شناس، کام میں ڈنڈی نہیں مارتا تھا، سو امام کو اس لحاظ سے زیادہ پسند تھا۔

''نئیں صاب! وہ یہاں کیوں آئے گا صاب! یہاں تو کوئی بھی نہیں آتا۔'' گل خان نے اچنبھے سے جواب دیا تھا، جیسے صاحب کے عجیب سوال نے اسے حیران کیا ہو۔

''تو پھر اتنی ٹھنڈ میں کیوں اکڑ رہے ہو؟ جب دھوپ نکلی تو یہ کام کر لینا، کسی نے یہاں چیکنگ مہم پہ نہیں آنا۔'' امام نے نرمی اور ہمدردی سے اس کے ادھیڑ عمر جھریوں زدہ چہرے کو دیکھا، گو کہ وہ اتنا عمر رسیدہ نہیں تھا لیکن غم معاش نے اسے وقت سے پہلے تھکا ڈالا تھا۔

''کام تو کام ہے صاب! گرمی کیا؟ سردی کیا؟'' گل خان صاب کی ہمدردی اور خیال رکھنے پہ مسکرا دیا تھا۔

''پھر بھی گل خان! بہت سردی ہے، جاؤ اپنے کیبن میں آرام کرو، گرم قہوہ اڑاؤ۔'' امام نے اسے تاکید کی اور اشارے سے جانے کے لئے کہا، تب ہی بنگلے کے داخلی باڑ نما جنگلی پھولوں سے اٹے دروازے کی اندرونی روش پہ چلتا ایک بوڑھا پٹھان آتا دکھائی دیا تھا، امام جو کھڑکی بند کر کے پلٹنا چاہ رہا تھا، ایکدم رک سا گیا، یہ بوڑھا اس کے لئے قطعاً اجنبی تھا، آج سے پہلے دکھائی نہیں دیا تھا، وہ لمحہ بھر کے لئے سوچ میں گم ہوا، بوڑھا پٹھان گل خان کی طرف بڑھ گیا تھا۔

گو کہ وہ دونوں امام سے زیادہ فاصلے پہ نہیں کھڑے تھے پھر بھی وہ ان کی گفتگو سمجھنے سے قاصر تھا، وہ پنجابی اور اردو تو بول سکتا تھا لیکن پشتو ہرگز نہیں، حالانکہ اس کی مادری زبان پشتو تھی۔

وہ سر جھٹک کر گل خان کو بوڑھے پٹھان کے ساتھ مصروف دیکھ کر چلا ہی جاتا جب اچانک گل خان کی کرخت اور تیز آواز امام کے کانوں سے ٹکرائی، وہ غصے میں بہت تیز لہجے میں بات کر رہا تھا اور برابر کٹر والا ہاتھ اٹھا کر بیال کی اونچی پہاڑیوں اور مرغزاروں کی طرف اشارہ کرتا، جیسے اس طرف کی کوئی بات کر رہا تھا۔

امام کو قطعاً دلچسپی نہ ہوتی اور نہ ہی وہ گل خان کی پرائیویسی میں مداخلت کا ارادہ کرتا، لیکن جب سردی سے کانپتے بوڑھے نے اپنی بھیگی اونی چادر کے اندر سے لرزتے ہاتھ باہر نکالے اور گل خان کے سامنے جوڑ دیئے، تب وہ چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا، وہ لمحہ بھر کے لئے بھونچکا رہ گیا، کیا

گل خان ایک بزرگ سے ہاتھ بندھوا کر معافی منگوا رہا تھا؟ وہاٹ ربش، اسے بلا کا غصہ آیا، دوسرے ہی لمحے وہ بغیر گرم سوئیٹر یا اونی کپڑے کے باہر باغیچے میں آ گیا، نیم وا کھڑکیوں کے پٹ کھلے رہ گئے تھے، ان کے چوکھٹے میں اب کوئی کھڑا نہیں تھا۔

باہر آتے ہی برفیلی لہروں نے امام کا استقبال کیا، لیکن پرواہ کسے تھی؟ وہ ابھی تک کٹھور بنے گل خان کو دیکھ رہا تھا، جس کی لاتعلقی کے بھلا کہنے کیا تھے، کانپتے بزرگ پٹھان کے جڑے ہوئے ہاتھوں سے بے نیاز ہو کر وہ گردن موڑے ابھی تک غصے میں کچھ کہہ رہا تھا؟ کیا کہہ رہا تھا؟ یہ امام سمجھ نہیں پایا۔

معاً گل خان کی اپنے صاب پہ نظر پڑی، دوسرے ہی لمحے اس کی بے نیازی ہرن ہو گئی تھی، اس نے سر پہ ہاتھ رکھ کر اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔

''او ماڑا صاحب! اتنی ٹھنڈ میں نکل آیا، نہ کوئی جرسی پہنا، نہ کوئی چادر اوڑھا؟'' گل خان کی متفکر آواز میں بڑی پریشانی تھی، وہ یہاں کے موسمی حالات سے واقف اور عادی تھا، لیکن اسلام آباد سے آنے والا یہ پاکستان کا ذمہ دار آفیسر واقف نہیں تھا، اسے ڈر لگا، کہیں صاب بیمار ہو جائے، لیکن وہ جانتا نہیں تھا، یہ صاب نانگا پربت کے جلال جیسا بارعب، بلند، باہمت اور مضبوط تھا، موسم اس پہ اتنی شدت سے اثر نہیں کرتے تھے اور اس وقت وہ گل خان کے پراحساس لہجے کو نظر انداز کر کے ایک قطعی مختلف بات کر رہا تھا۔

''یہ کون ہے گل خان! تم دونوں کے درمیان کیا معاملہ چل رہا ہے؟'' اس کا اشارہ بوڑھے پٹھان کی طرف تھا جو آنکھوں میں ڈھیروں تجسس بڑے اشتیاق سے اس اونچے پورے شاندار جوان کو دیکھ رہا تھا، پہلی نگاہ میں وہ اپنے کسرتی بدن اور فوجی کٹ کے باعث آرمی کا جوان لگتا تھا، بوڑھے کی گدلی آنکھوں میں ستائش بڑھتی چلی گئی تھی، وہ بنگلے کے صاب کی بات سننے لگا، تب وہ حیران رہ گیا تھا کہ بنگلے کا نیا صاب اندرونی گرم ماحول کو چھوڑ کر محض اس کے لئے اتنی ٹھنڈ میں باہر آیا ہے، کیا آج سے پہلے ایسا کوئی واقعہ رونما ہوا تھا؟ کبھی نہیں، دیامر کی تاریخ میں نہیں، تو پھر آج کیا نیا پن تھا؟ اس نئے صاب میں کیا نیا پن تھا؟

کیا وہ دیامر کی تاریخ بدلنے آیا تھا؟ یا اپنے عزم اور استقلال کی اک نئی تاریخ رقم کرنے آیا تھا؟ اس کی روشن پیشانی پہ اس کے اپنے مقدر کا بڑا روشن ستارہ چمک رہا تھا، بوڑھے پٹھان کی آنکھوں سے ستائش نکل کر باہر چھلک پڑی۔

صاحب اس کی طرف متوجہ نہیں تھا وہ گل خان سے کچھ پوچھ رہا تھا، وہ کیا پوچھ رہا تھا؟ خان بابا سمجھ گیا، پھر اس کو اچانک اپنے آنے کی تلخ ترین وجہ بھی یاد آ گئی، اس کے جھکے کندھے کچھ اور جھک گئے تھے۔

''ام کہتا ہے صاب، کچھ بھی نہیں۔'' گل خان نے نگاہ چرا کر دھیمی آواز میں جواب دیا تھا اس کا سر اور کندھے بھی جھک گئے تھے، امام نے آنکھیں نیم وا کر کے گل خان کا چہرہ کھوجنا چاہا، بھلا چہرے پہ لکھی تحریر امام فرید بے شاہ نہ پڑھے؟ یہ ممکن نہیں تھا، اس نے جو کھوجنا تھا کھوج لیا، اب ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر سرمئی ہوتی پہاڑیوں کی اونچی نوکوں پہ بادلوں کی اڑتی دھول کو

دیکھ رہا تھا، اس کا انداز بے لچک اور ٹھوس تھا۔

''گل خان! ہم روایتی لوگ ہیں، بزرگوں کی تعظیم تو کرتے ہیں، ان سے ہاتھ نہیں بندھواتے، خیر میں جانتا ہوں، معاملہ کچھ اور ہے تم بتانا نہ چاہو تو تمہاری مرضی۔'' اس نے کندھے اچکا کر مستحکم لہجے میں جواب دیا، گل خان کے ساتھ ساتھ بزرگ پٹھان بھی چونکا تھا، پھر اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی اشارہ کیا، جیسے بات بتانے کے لئے گل خان کی اجازت چاہ رہا تھا، لیکن گل خان کی گھوری پہ چپ سا رہ گیا۔

امام سے بزرگ پٹھان کی یہ ادا چھپی نہ رہ سکی تھی، بقول قاسم وہ تو اڑتی چڑیا کے پر تک گن لیتا تھا، معاً بزرگ پٹھان نے گلا کھنکار کر بڑی ہمت کے ساتھ صاب کی طرف رخ کیا۔

''ام پری گل کو لینے آیا ہے صاب، پر گل خان مانتی نہیں۔'' بزرگ پٹھان نے خاصی شکستہ اردو کے مکسچر میں اپنے مخصوص انداز میں بتایا تھا، امام قدرے چونک گیا، پری گل؟ وہی کم عمر سی لڑکی، گل خان کی بیٹی، جو ذونیہ کے تنہا ہونے اور یہاں قیام کے دنوں کی مدت تک کے لئے لائی گئی تھی؟

اس کی آنکھوں میں اتری الجھن بوڑھے پٹھان نے پڑھ لی تھی، وہ گل خان کو یکسر نظر انداز کرتا جلدی سے بولا۔

''پری گل ہمارا نواسی ہے صاب، ام اس کو لینے کے لئے آیا ہے، اس کو ''بی جاناں'' کا بلاوا ملتی ہے، ام نہ کرے تو کیسے کرے؟ پری گل کا ماں تو وہی ہے، جس کی دی روٹی کھا کر بڑا ہوئی۔'' بزرگ پٹھان روانی میں نجانے کیا کچھ بول رہا تھا جب گل خان کی اچانک گھوری پہ خاموش ہو گیا۔

''خان بابا بس بھی کرو۔'' گل خان تلخی سے بولا، امام ان دونوں کے درمیان ہونے والی الجھن کا سرا پکڑنے سے قاصر تھا، یہ کیسی تکرار تھی جو فی الوقت سمجھ سے بالاتر تھی۔

''ایک منٹ رکو۔'' امام نے ہاتھ اٹھا کر گل خان کو مزید بولنے سے روکا، پھر چہرے کا رخ خان بابا کی طرف موڑ لیا تھا۔

''بزرگوار! اب فرمایئے؟ مسئلہ کیا ہے؟'' اس نے سنجیدگی کے ساتھ اصل بات کی طرف توجہ دلائی تو خان بابا کی امیدیں بھر آئی تھیں، وہ نان اسٹاپ شروع ہو گیا، پری کی پرورش سے لے کر اب تک ساری کتھا سنا ڈالی، امام غور سے سنتا رہا، اس پورے قصے میں پری کی پیدائش اور اس کی ماں کے دنیا سے چلے جانے کے بعد وہ جیسے حالات کا شکار ہوئی اس سب کو حذف کر کے امام فریدے شاہ بڑی آسانی کے ساتھ ایک بات تو سمجھ گیا تھا، خان بابا پہ ''بنومحل'' والوں کی طرف سے پری گل کی واپسی پہ سخت دباؤ تھا، بقول خان بابا کے پری کے نام نہاد وارثوں سے زیادہ بنومحل کے سردار اس کے حقیقی وارث اور سربراہ تھے۔

وہ ساری بات سن کر بھونچکا رہ گیا، اس کے مقابل کھڑا گل خان مقامی زبان میں اپنے سسر کے ساتھ شاید جھگڑا کر رہا تھا، یا ڈانٹ رہا تھا کہ صاب کو کیوں بتایا؟ یا صاب کا اس معاملے سے کیا تعلق؟ لیکن تعلق صاحب کا بھلا کیوں نہیں تھا؟ گل خان اس سرکاری بنگلے کا سرکاری ملازم تھا، پری گل اس کی اولاد تھی، وہ اس کا باپ تھا اور اپنے باپ کی مرضی اور خوشی سے لائی گئی تھی، اس وقت

وہ سرکار کی تحویل میں تھی، بنگلے کے اندر اپنے باپ کے ہمراہ قیام پذیر تھی، پھر علاقے کے کسی سردار کی بھلا کیا جرأت تھی کہ وہ عام انسان کو اپنے جاہ وحشم سے بلاوجہ ہراساں کرے، اس نے خان بابا کا لایا ہوا پیغام بغور سنا اور پھر سر جھٹک دیا۔

''بابا اپنے صندیر خان کو بتا آؤ، وہ زمینوں پہ حکومت کرے انسانوں پہ نہیں، پری گل، گل خان کی اولاد ہے کوئی زرخرید غلام نہیں، وہ اپنی مرضی سے کہیں بھی آ جا سکتی ہے اور اس وقت وہ اپنے حقیقی باپ کے پاس موجود ہے، صندیر خان کا اعتراض بنتا تو نہیں، پھر بھی اسے باور کروا دینا، سروے ٹیم کا جب تک یہاں قیام ہے پری گل یہیں رہے گی۔'' امام فریدے شاہ کا ٹھوس، مستحکم لہجہ گل خان کے سارے بوجھ اتار گیا تھا، اس نے چیلنجنگ انداز میں سر کی طرف دیکھا، جو سر جھکائے بڑا غمزدہ اور اداس کھڑا تھا، گل خان نے اپنی مونچھ کو مروڑا اور کٹرا اٹھا کر کام میں لگ گیا، خان بابا دل میں ہزاروں خوف لئے سر جھکائے واپس جا رہا تھا اور بنگلے کے چھوٹے سے کچن کی گرل کے ساتھ ناک چپکائے کھڑی پری گل دھک سے رہ گئی تھی۔

نانا کے ایک ایک قدم تلے اس کا دل کچلتا جا رہا تھا، ان کے جھکے سر اور سوچتی آنکھوں کے نیچے بہت نیچے پری گل کے خواب سلگ رہے تھے، اسے خبر نہیں ہوئی اور وہ نانا کے شکستہ قدموں کی ساری اذیت من میں اتار گئی، نانا انکار کا بوجھ اٹھا کر لے جا رہا تھا۔

انکار کرنے والے کو خبر بھی تھی کے سننے والے کو نہ سننے کی عادت نہیں، اس نے گرل کی جالی کو نرم پوروں سے چھوا، اک سرد سی لہر پری گل کو ٹھٹھرا گئی تھی، ہیال کی پہاڑیوں کے اونچے سفید کلس اداس کھڑے تھے، گلابی پھولوں پہ بہار آتے آتے لوٹ گئی تھی، کسی تتلی کی رنگت اتر گئی تھی، کسی کوئل کی نغمگی کھو گئی تھی۔

صندیر خان نے پری گل کو بلوایا تھا اور پری گل گرل کے پار بے بس کھڑی تھی، وہ بلوانے والے کو دیکھتی کہ روکنے والے کو، کیسا دوراہا تھا، کم سن سی پہاڑی لڑکی سمجھ نہیں پائی، پھر بھی اس کا معصوم دل لحہ لحہ قطرہ قطرہ پگھلتا رہا۔

☆☆☆

اس نے مٹی کا کٹورا رگڑ رگڑ کر صاف کیا، لیکن سفید سفید دھبے ابھی تک کٹورے کے دہانوں پہ نمایاں تھے چاہے جتنا بھی رگڑ لیتی، طوطوں کے کٹورے داغ ذرہ ہی رہتے۔

اس کام سے فارغ ہو کر نشرہ نے نیم گرم پانی کٹورے میں بھرا، دو چھوٹی کٹوریوں میں باجرہ اٹھا لائی، رنگ برنگے طوطوں کے خوراک کیا دکھائی دی تھی، وہ ملٹی شیڈز کے ریشم سے سجی چکس سے اتر کر کٹوریوں کے دہانوں پہ آ کھڑے ہوئے، اب چہکاریں کرتے کبھی باجرہ چنتے اور کبھی چونچ بھر کر پانی پیتے، تھوڑی گردن اونچی کرتے، جیسے پانی کے ہر گھونٹ پر اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے، ایک چھوٹے سے قید خانے میں بند ہو کر بھی پرندوں کی جیسی شکر گزاری میں اتنی کاملیت، تھی کہ نشرہ کی آنکھیں بھر بھر آئیں۔

اس میں اور ان طوطوں کی زندگی میں کوئی خاص فرق نہیں تھا، ایک قید خانہ ان پرندوں کا تھا اور ایک نشرہ احسان کا، دونوں تقدیر کے ہاتھوں بے بس قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہے تھے، لیکن

دونوں کے حالات میں فرق ضرور تھا، پرندے قید خانے میں بھی اپنی مرضی سے کھا سکتے تھے، سو سکتے تھے، جب چاہتے بول سکتے تھے، پھدک کر پینگ پہ لٹک جاتے یا چکس پہ جھولتے، لیکن نشرہ کا قیام جس پنجرے میں زمانوں سے تھا وہاں اپنی مرضی، اپنی خوشی، اپنی سہولت کا کوئی قانون کم از کم نشرہ کے لئے لاگو نہیں تھا۔

جیسے جنگل کا کوئی قانون نہیں ہوتا ایسے ہی اس گھر کا کوئی قانون نہیں تھا، اگر جنگل کا کوئی قانون تھا بھی تو کم از کم اس گھر کے قید خانے سے بہتر وہ جنگل ہو سکتا تھا جہاں جانوروں کو کم از کم اپنی مرضی سے سونے اور چلنے کی آزادی تو تھی، نشرہ تو سانس لینے کے لئے بھی اپنی چاچی اور تائی کی محتاج تھی۔

اس کے باوجود نشرہ کے لئے یہ احساس زندہ رہنے کے لئے کافی تھا کہ کم از کم وہ سانس تو لے رہی تھی، زندگی تو جی رہی تھی، زمین کے اوپر تو تھی، چاہے ان طوطوں کی طرح قید ہی سہی۔

ویسے بھی ان طوطوں کی زندگی اور نشرہ کی زندگی میں کچھ مشترک ہوتا یا نہ ہوتا ان دونوں میں ایک قدر ضرور مشترک تھی اور وہ بھلا کیا تھی؟ احساس شکر گزاری۔

ہر حال میں مطمئن اور پرسکون رہنا، ہر تکلیف کو سہہ جانا، ہر صدمے کو برداشت کر لینا، گو کہ اس کے عجز کو بعض لوگ نشرہ کی بزدلی گردانتے تھے لیکن نشرہ بہتر طور پہ جانتی تھی کہ بعض لوگ آزاد فضاؤں کے پروردہ تھے، چمکتی دنیاؤں کے باسی تھے، لمبی اڑانیں بھرتے تھے، انہیں قید خانوں کے قیدیوں کی کیا خبر تھی، چمکتی دنیاؤں کے باسیوں کو اس کی دنیا کے اندھیرے اور کائی زدہ ماحول سے کیسے مانوسیت ہو سکتی تھی؟ لمبی اڑان بھرنے والے کب گہرائیوں میں جھانکنے کی خواہش رکھتے ہیں، سو وہ بزدلی کا طعنہ بھی چپکے سے سن لیتی اور بے حسی کا طنز بھی سہہ جاتی، چونکہ اسے سب کچھ سہہ جانے کی عادت جو تھی اور عادتیں کب بدلتی ہیں؟ شاید کبھی نہیں۔

وہ گھٹنے پہ ہتھیلی کی مٹھی پر تھوڑی ٹکائے رنگ برنگے طوطوں کی چہکار سن رہی تھی، خوراک سے معدے بھر کر اب وہ پھر سے سرشار اور تازہ دم تھے، مطمئن پرسکون مسرور۔

نشرہ کی آنکھوں میں ستارہ سا چمکنے لگا، تین پہروں میں فراغت کا بس یہ ایک لمحہ اسے چوبیس گھنٹوں کی ڈیوٹی میں سے زیادہ پیارا اور دلفریب لگتا، وہ طوطوں سے باتیں نہیں کرتی تھی، بلکہ ان کی گفتگو کی مدھر تانیں سنتی اور اپنی مرضی کے معنی، مطالب اور مفہوم نکالتی۔

جیسے اگر طوطے بہت چیخ رہے ہوتے تو نشرہ کو اندازہ ہو جاتا انہیں بھوک یا پیاس لگی ہے، وہ بھاگ کر کٹوری میں تازہ پانی بھرتی اور مٹھی بھر باجرہ اٹھا لاتی، اگر طوطے پھدک رہے ہوتے اور ان کے پر پھڑپھڑاتے تب وہ سمجھ جاتی کہ ان سب کی آپس میں چکس اور پینگ پر جھولنے کے لئے لڑائی ہو رہی ہے۔

اور اگر وہ سر نیہوڑائے چپ، خاموش اور پژمردہ ہوتے تو نشرہ کا دل بیٹھ جاتا، وہ سمجھ جاتی کہ طوطے اداس ہیں اس وقت وہ اداسی کی کیفیت میں نہیں تھے، سو نشرہ ان کی چہکار سے لطف اندوز ہو رہی تھی، معاً کھٹکے کی آواز سنائی دی تھی، نشرہ نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا، وہ سر جھکائے زمین کو دیکھ رہی تھی جب اچانک لیدر کی چپلوں میں مقید دو صاف ستھرے شفاف پیر دکھائی دیئے، نشرہ

ورت سا لگا تھا، وہ لمحوں میں سنبھل کر اپنی جگہ سے اٹھی، سامنے ولید کھڑا تھا، بلیک ٹو پیس میں خاصا اسمارٹ اور تروتازہ، شاید ابھی کے ابھی دفتر سے آرہا تھا، نشرہ پہ نگاہ پڑی تو اندر جانے کی بجائے سیدھا یہیں آیا، ولید کو اپنے پاس کھڑا دیکھ کر نشرہ گھبرا گئی، اگر کوئی دیکھ لیتا تو کلاس پکی تھی، سو وہ کھسک جانا مناسب سمجھتی تھی، ولید بھی خاصا چوکنا تھا فوراً اس کا ارادہ بھانپ گیا۔

''یہ تم کہاں بھاگی جارہی ہو؟ خدارا یہ مت کہنا، اوپر والوں کے کچن میں یا نیچے والوں کے کچن میں، بہت تنگ ہوں میں تمہاری اس ڈیوٹی سے۔'' ولید نے ہمیشہ کی طرح اپنی ناپسندیدگی واضح کی۔

''خوار میں ہوتی ہوں، تنگی آپ کو ہے۔'' اس کی آنکھوں کا سوال مبہم نہیں تھا، ولید جو اچھا بھلا بھنا رہا تھا، لمحوں میں ایک ایک تاثر بدل گیا، اس کے چہرے پہ مسکراہٹ آگئی تھی۔

''کبھی کبھی ڈھنگ کے سوال کر لیتی ہو۔'' ولید کی آنکھیں میں شرارتی قسم کی ستائش تھی۔

''شکر ہے، آپ نے تسلیم تو کیا، ورنہ تو؟'' نشرہ نے ذرا خفگی سے کہا، گو کہ وہ ولید سے بے تکلف نہیں تھی، یہ ولید کی اپنائیت اور نرم لب و لہجے کا قصور تھا جو نشرہ کلام گفتگو میں اپنی آواز کا جادو جگا ڈالتی، ورنہ تو ایک خاموش کردار کے سوا کچھ نہیں تھی، نہایت ضرورت کے تحت بھی نہ بولتی۔

''ورنہ کیا؟'' ولید نے نچلا لب دانتوں تلے دبا کر دلچسپی سے پوچھا، وہ کم کم ہاتھ لگتی تھی اور کم ہی بولتی تھی سو آج بولی تو ولید نے بھی اسے آڑھے ہاتھوں لیا۔

''کچھ نہیں۔'' وہ اس کی شرارتی نگاہوں سے گڑبڑا گئی تھی، ولید اس کے بات پلٹنے پر گہرا سانس کھینچ کر رہ گیا، نشرہ بھی ذرا سنبھل گئی تھی پھر اس نے جلدی سے پوچھ لیا۔

''آپ کو کوئی کام تھا کیا؟'' وہ سیدھا نشرہ کی طرف آیا تھا، شاید اس نے چائے وغیرہ نہ پینی ہو، کیونکہ نشرہ کے علاوہ اس گھر میں کوئی اچھی چائے بنا نہیں سکتا تھا۔

''ہاں کام تو ہے۔'' ولید کو اچانک یاد آیا۔

''تم کسی بھی وقت فارغ ہو کر اسٹڈی روم میں آجانا، آج ممی کی تم سے اسکائپ پہ بات کرواؤں گا۔'' اسے ممی کی تاکید کا خیال آیا تو نشرہ کو یاددہانی کرواتا آگے بڑھ گیا، جبکہ نشرہ خاصی حیران اور بھونچکی کھڑی رہ گئی تھی، جس مغرور پھپھو نے عمر بھر بھی نشرہ کا احوال نہیں پوچھا تھا وہ اس سے اسکائپ پہ بات کریں گی، وہ حیران کیوں نہ ہوتی۔

کیونکہ جہاں تک پھپھو کے بارے میں نشرہ کی ذاتی رائے تھی۔

''وہ اچھی ہیں یا بری کم از کم تائی چاچی سے بہتر ضرور ہیں۔'' گو کہ یہ خیال ناقص بھی ہو سکتا تھا پھر بھی وہ مشہور مقولہ شاید نشرہ کے لئے ایجاد کیا گیا تھا۔

''یہی کہ امید پہ دنیا قائم ہے۔'' کیونکہ اس گھر کی ہر خاتون نے نشرہ کی امیدیں توڑ کر اسے ہر دفعہ یہ باور کروانے کی کوشش کی تھی کہ پھپھو نہ تو اس کا احوال پوچھتی ہیں نہ انہیں اپنی کوئی یتیم بھتیجی یاد ہے، سو بدگمانی کا کوئی جالا اٹک ضرور رہا تھا۔

☆☆☆

جب وہ گھر پہنچی تو مطلع ابر آلود تھا۔

کومے دیکھتے ہی اسے گرجنے برسنے لگی تھی، اس کا غصہ کرنا بجا تھا، شانزے بہت کوشش کے باوجود بھی پورے دو گھنٹے مطلوبہ وقت سے لیٹ ہو چکی تھی، کام تو اتنا تھا نہیں، چند ایک شاپنگ بیگ تھے اور کچھ بیکری کا سامان، کومے نے جھپٹ کر اپنا شاپر ہاتھ میں دبوچا، بھوک سے پیٹ میں الگ دوڑ مچی تھی، شانزے کو بھیج کر اس نے کچن کا کام ٹھپ کر دیا تھا، پلوشہ خالہ کو سلاد کاٹ دیا تھا اور خود وہ جنک فوڈ کی دیوانی ایسے ہی بھوک مٹا سکتی تھی، بس شانزے کا انتظار تھا جو وہ کومے کو ستا ستا کر آئی تھی، جیسے اس کی بھوک کا امتحان لے رہی تھی۔

اس نے شانزے کو ایک مرتبہ پھر گھور کر دیکھتے ہوئے اپنا شاپر اندر تک جھانک کر دیکھا، ایک ہی نظر میں سارے ''ایکسرے'' کے بعد کومے سے پھٹی پھٹی آواز سنائی دی تھی۔

''تم کوکیز، اسنیکس اور نمکو کا چورا لائی ہو؟'' کومے کی آہ و زاری نے شانزے کو لمحہ بھر کے لئے حیران کیا۔

''چورا کیوں؟ میں تو......'' شانزے بولتے ہوئے لمحہ بھر کے لئے چپ سی کر گئی تھی، اسے اچانک یاد آیا، جب اس کے ہاتھ سے تمام شاپر گرے تھے، تب وہ بہت ہراساں تھی، پھر پستول اور کرمنلز ٹائپ کی کئی چیزیں آنکھوں میں فلمی عکس بنانے لگی تھیں، اس کی بہادری تو ایک طرف جب وہ شانزے کی مالا اور بالیاں چرا بلکہ چھین کر لے جا رہا تھا تب وہ اس کے تمام بیگز کو پیروں تلے روند کر گیا تھا، اس کے بھاری بوٹوں تلے بہت سارے کوکیز چرچرا کر تلملائے تھے، نتیجتاً کومے کے ہاتھ میں موجود شاپر ناپسندیدہ چورے کی شکل اختیار کر گیا تھا اور اب شانزے کو ایک مرتبہ پھر کومے کی تفتیش بھگتنا تھی، جس کا مطلب تھا کومے کو ساری کاروائی سے باخبر کیا جائے، جو کہ قطعاً مناسب نہیں تھا، کیونکہ کومے کے ہلکے پیٹ میں کوئی بات ٹکتی نہیں تھی۔

''ہاں......تم تو......کیا کہہ سکتی ہو؟ یہی نا کہ سستا مال اٹھا لائی ہوں سوری۔'' کومے نے اس کے لہجے کی نقل اتاری۔

''یہ بات نہیں یار؟'' وہ خفگی سے اسے دیکھ کر رہ گئی تھی، ایک دفعہ پھر وہ خوش شکل مگر اکھڑ تاثرات والا جوان یاد آیا تھا، جو پیشہ ور مجرم لگتا تو نہیں تھا، پھر اس کا گرا ہوا شناختی کارڈ کی کاپی پہ لکھا نام اور ایڈریس۔

''تو پھر؟'' کومے نے تنک کر چورے کو اٹھا کر پرے ہٹایا، شانزے نے ایک نظر اپنے شولڈر بیگ کی طرف دیکھا، جس کی خفیہ تہہ کے اندر اس ڈکیت کی ایک نشانی موجود تھی، غیر محسوس انداز میں شولڈر بیگ پر گرفت سخت سی ہو گئی تھی۔

''سنو کومے؟'' کچھ سوچ کر شانزے اس کا بازو دبوچ کر اندر لے آئی تھی، کومے اس اچانک حملے پر بھونچکا ہوئی، شانزے کے انداز میں کوئی غیر معمولی پن ضرور تھا، کومے کی کھد بد بڑھ گئی تھی۔

''کیا ہوا؟'' کومے نے عادتاً ہراساں ہو کر بے تابی سے پوچھا، شانزے نے ساری تفصیل سے کومے کو آگاہ کر دیا تھا، کیونکہ آج تک کومے سے کچھ چھپایا نہیں تھا، پھر اب کیسے چھپاتی؟ تاہم اس نے تاکید ضرور کی تھی۔

''کسی کو بتانا نہیں، امام کو تو بالکل نہیں۔''

''ہرگز نہیں، کبھی نہیں۔'' اس نے شہ رگ کو چھو کر تسلی دی تھی، ایسی کئی تسلیاں وہ پہلے بھی دے چکی تھی، جس کا نتیجہ شانزے بہت دفعہ بھگتا تھا، پھر بھی اپنی فطرت کا کیا کرتی، جس میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

''لیکن مجھے یہ تو بتاؤ، تم نے شور کیوں نہیں مچایا؟ لوگوں کو اکٹھا کرتی، کم از کم تمہاری بالیاں تو بچ جاتیں اور گردن سے لپٹی مالا، جانتی ہو وہ مالا کیا تھی؟ ایک نشانی، ایک رسم، ایک رشتہ اور اقرار۔'' کومے نے بڑے بے صبرے پن سے کہا تھا، شانزے کا احساس زیاں بڑھ گیا، وہ سب کچھ بھول سکتی تھی لیکن گردن سے چپکی اس مالا کو ہرگز نہیں، اس کا ایک ایک خواب ایک ایک بکھرتے موتی کے ساتھ بکھر گیا تھا۔

''شور مچاتی تو یہاں تمہارے سامنے نہ ہوتی، اس کے ہاتھ میں پسٹل بھی موجود تھا۔'' شانزے نے جتلا کر کہا۔

''صد شکر کہ تم صحیح سلامت گھر آ گئی، باقی چیزوں کی تو خیر ہے، ویسے تمہیں اندازہ نہیں ہوا وہ کون تھا؟ کہاں سے آیا تھا؟'' کومے کا فطری تجسس عود آیا، شانزے نے اسے گھوری سے نوازا تھا۔

''وہ میرا کوئی بچھڑا ہوا کزن تھا، اچانک مل گیا۔'' وہ بلبلا کر رہ گئی۔

''ہائے دیکھنے میں کیسا تھا؟ مجھے ڈاکو دیکھنے کا بہت شوق ہے، کاش میں بھی اس کا دیدار کر لیتی۔'' کومے نے بڑی بے تابی سے کہا تھا جیسے وہ ایک بڑی سعادت سے محروم رہ گئی تھی۔

شانزے نے پرتپش نگاہوں سے کومے کو گھورا تھا پھر کچھ سوچ کر اس کی اپنے پرس پہ گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی، وہی کومے سے کچھ بھی نہ چھپانے کی پرانی عادت، اس نے پرس کی خفیہ تہوں سے ایک مڑا تڑا سا کاغذ نکال کر کومے کی طرف بڑھایا۔

''لو ڈاکو کو دیکھ کر اپنا شوق پورا فرما لو۔'' اس نے فوٹو کاپی والا کاغذ کھول کر دیکھا اور متحیر رہ گئی تھی، اس کی آنکھ کا ابھرتا تحیر شانزے کی زیرک نظروں سے چھپا نہیں رہ سکا تھا، وہ بے چینی سے کومے کی طرف دیکھتی رہ گئی، جیسے اس تحیر کی وجہ معلوم کرنا چاہتی تھی۔

☆☆☆

گھور تاریکی میں کوئی بھی عکس نمایاں نہیں تھا۔

بس سرچ لائٹ کی ہلکی سی روشنی کسی نہ کسی درخت، جھاڑی، پھول پہ فوکس ہوتی تو کوئی نہ کوئی منظر لمحہ بھر کے لئے ابھر کر معدوم ہو جاتا تھا۔

وہ جس آگ کی تپش لئے گھر سے اچانک نکل پڑی تھی، اس وقت وہ تپش ہلکی ہو کر بالکل ایک نکتے کی شکل اختیار کر گئی تھی، اب صرف ایک احساس باقی تھا اور وہ احساس تھا محض خوف کا، ڈر کا، دہشت کا، گو کہ اس وقت جہاندار کی موجودگی میں گزشتہ احساس بھی باقی نہیں رہا تھا پھر بھی وہ جلد از جلد اس جھنکار جھاڑ اور گھور تاریکی سے نکلنا چاہتی تھی، درختوں کے گیلے پتوں اور ٹنڈ چرمری شاخوں کے اوپر اب بھی کوئی چل رہا تھا، نیل بر کا ہراس بڑھتا رہا۔

اس نے بے اختیار اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا، اس کا دودھیا ہاتھ اتنے اندھیرے اور معمولی روشنی میں بھی چمکتا ہوا دکھائی دیا، جہاندار کے بازو کو دبوچے ہوئے وہ محتاط انداز میں چل رہی تھی، تاہم تنفس کی تیزی ابھی تک اس کے خوفزدہ ہونے کا پتا دے رہی تھی۔

''جہاندار! یہاں کون ہے؟'' اس نے بھینچی بھینچی آواز میں ماحول کے ہیبت ناک سناٹے کو توڑا۔

جہاندار جو ناک کی سیدھ میں چل رہا تھا، لمحہ بھر کے لئے رک سا گیا تھا، پھر اس نے گردن موڑ کر رعب و جلال کے مصنوعی پیکر کو دیکھا، جو ابھی تک خوف کی شدت سے کانپ رہا تھا، گویا بہادری ساری بنو محل کی چار دیواری اور دن کی روشنی تک محدود تھی، نیل بر کو پتا نہیں چل سکا تھا، اس کی کتنی بڑی کمزوری جہاندار کے ہاتھ آ چکی تھی۔

''میں پوچھ رہی ہوں یہاں کون تھا؟'' اس کی خاموشی کو مسلسل محسوس کر کے نیل بر نے اپنے ازلی نخوت بھرے لہجے میں کہا تھا، تب جہاندار نے گہرا سانس ہوا کے سپرد کرتے ہوئے بتایا۔

''ایک خوبصورت چڑیل۔'' اس نے ڈرامائی وقفے کے بعد اس انداز میں اچانک بات کا آغاز کیا تھا کہ نیل بر کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی تھی۔

''بکواس مت کرو۔'' نیل بر بھینچی آواز میں تڑخی تھی۔

''تو پھر کیا کروں؟'' وہ معصومیت سے گویا ہوا تھا۔

''گھر چلو۔'' اس کے انداز پہ نیل بر کو غصہ تو بہت آیا تھا، تاہم ضبط سے کام لینے لگی، کیونکہ فی الحال اسی کی معیت میں گھر جانا تھا اور یہ ایسا بدلحاظ خادم خاص تھا کہ ذرا سی مروت کا مظاہرہ نہ کرتا، موڈ بگڑتا تو ایسے یہیں ویرانے میں چھوڑ کر بھاگ جاتا، گو کہ وہ بھاگنے والا تھا نہیں۔

''گھر ہی جا رہے ہیں، نانگا پربت کے محلات میں نہیں۔'' جہاندار نے چڑ کر جواب دیا تھا، پھر تیز قدموں سے چلنے لگا، کھٹکے کی آواز ایک مرتبہ پھر آئی تھی، نیل بر لمحوں میں ساری نخوت بھول کر ہراساں ہو گئی۔

''یہاں ابھی تک موجود ہے کوئی۔'' اس نے بے بسی سے کہا۔

''تمہیں لگتا نہیں۔'' وہ بہت لاچار نظر آ رہی تھی، گو کہ شکل دیکھنا ممکن نہیں تھا پھر بھی جہاندار گاہے بگاہے سرچ لائٹ کا رخ اس کے چہرے کی طرف ضرور کرتا تھا، غالباً اس کے تاثرات جانچنے کے لئے۔

''تو شہزادی صاحبہ! یہ جنگلی علاقہ ہے، یہاں کوئی نہ کوئی ضرور ہو گا، کوئی گیدڑ، کتا، شیر، الو، چیتا۔'' اس نے طنزیہ انداز میں جتلا کر کہا تھا، نیل بر چپ سی کر گئی۔

''اتنی رات کو تفریح نما واک کرتے ہوئے سوچ کر نکلنا تھا۔'' اب وہ طنز پہ طنز کر رہا تھا، جیسے اسی موقع کی تلاش میں اس کا پیچھا کرتا ہوا آیا تھا۔

''یہ تو دعائیں دو میرے ڈرون کو۔'' جہاندار نے اپنے کتے کا نام لیا۔

''جس کی خاطر داری کرتے ہوئے میں ابھی تک جاگ رہا تھا، ورنہ اب تک تم جنگلی درندوں کی خوراک بن چکی ہوتی۔'' جہاندار کے بے رحمانہ تبصرے جاری تھے، نیل بر ڈر سی گئی،

ایسے منہ پھاڑ کر بکواس کر رہا تھا، اگر کوئی اور دن ہوتا تو اسے مزہ چکھا دیتی، اس نے بری طرح دانت پیسے تھے، دور دور روشنی کے نکتے دکھائی دینے لگے، اس نے تیزی کی، وہ اونچی نیچی پگڈنڈیوں اور کھائیوں سے بچ بچا کر آبادی کے قریب پہنچ رہے تھے۔

نیل بر کو ایسے ہی احساس گزرا، کوئی ہیولا جھاڑیوں سے نکل کر بنو محل کی مغربی باڑ کراس کرتا اندر کہیں باغیچے میں اتر گیا تھا، وہ لمحہ بھر کے لئے ٹھٹک کر رک گئی تھی۔

جہاندار کو بھی لامحالہ رکنا پڑا، اب وہ نیم روشنی میں ایک دوسرے کے مقابل کھڑے تھے، گھور تاریکی کا سایہ نیل بر کے چہرے کو تپا رہا تھا، جہاندار دیکھتا رہا، اس کے چہرے کو بھی اور نگاہوں کے تعاقب میں بھی۔

''سنو۔'' نیل بر نے جہاندار کو مخاطب کیا، اس نے چونک کر باڑ سے سوچتی نظر ہٹائی تھی، اب وہ متذبذب سی کھڑی نیل بر کو دیکھ رہا تھا۔

''بابا کو مت بتانا، میں بستی سے بہت آگے نکل گئی تھی۔'' نیل بر نے ذرا ہلکی آواز میں کہا، گو کہ وہ کہنا کچھ اور چاہتی تھی لیکن منہ سے بلا ارادہ کچھ اور ہی نکل گیا، اب وہ ہونٹ کاٹتی تیز قدموں سے چلنے لگی، جہاندار پرسوچ نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

(باقی اگلے ماہ)

تیری محبت کا طلبگار
مصباح تارڑ

وہ کالج سے لوٹی تو پورچ میں رومان لالہ کی گاڑی دیکھ کر اس کا دل خوشی سے جھوم اٹھا تھا کہ منال آپی بھی آئی ہوں گی، خوشی سے سرشار وہ اندر کی طرف بڑھی جب اندر سے آتے وجود سے بری طرح ٹکرا گئی اس کے ہاتھ میں پکڑی فائل اور کتابیں اِدھر اُدھر جا گریں تھیں۔

ہم آئے ان کے گھر میں خدا کی قدرت
کبھی ہم ان کو کبھی ان کے گھر کو دیکھتے ہیں

اس نے گھور کر ٹکرانے والے کو دیکھا تھا مگر وہ اس کی گھوری کی پرواہ کیے بغیر شعر کو اپنی مرضی سے توڑتے مروڑتے ایک جذب کے عالم میں بولا تھا۔

''شٹ اپ میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتی انڈرسٹینڈ۔'' اس نے غصے سے جلتے کڑھتے کہا مگر مقابل پہ کوئی اثر ہی نہیں ہوا تھا، اتنی عزت افزائی کے باوجود وہ آنکھوں میں محبت کا ایک جہان سجائے ہونٹوں پہ دھیمی سی مسکراہٹ لئے اس کی سمت ہی دیکھ رہا تھا ایک نفرت بھری نگاہ اس پہ ڈالنے کے بعد وہ نیچے جھک کر فائل اور بکس اٹھانے لگی تھی جب زیان کی آواز اس کو اپنے کان کے بہت قریب سنائی دی تھی۔

''حالانکہ میں اس دن کا شدت سے منتظر ہوں جس دن یہ حسین حادثہ ہوگا۔'' اس کی بات کا مفہوم سمجھ میں آتے ہی سجل نے جھٹکے سے سر اٹھایا تھا اس سے پہلے کہ وہ ہاتھ میں پکڑی کتابیں سامنے کھڑے شخص کے منہ پر دے مارتی وہ اپنی بات مکمل کر کے یہ جا وہ جا، کیونکہ اتنا تو وہ بھی جانتا ہی تھا کہ اب یہاں کھڑے رہنا اس کی سلامتی کے لئے بہت بڑا خطرہ تھا، دل ہی دل میں اسے ڈھیروں گالیوں سے نوازتی وہ اندر چلی آئی اس کا موڈ انتہائی خراب ہو چکا تھا۔

''آپ نے آنا ہوتا ہے تو اپنے ہز بینڈ یا

مکمل ناول

ڈرائیور کے ساتھ آیا کریں ہر بار اس دم چھلے کو ساتھ لانا ضروری ہوتا ہے کیا؟'' منال آپی سے گلے ملتے اس نے خاصے برہم انداز میں کہا تو اس کی بات سمجھ کر جہاں آپی کے حلق سے بے ساختہ قہقہہ بلند ہوا تھا وہیں کچھ فاصلے پر بیٹھی مما نے اسے بری طرح ٹوک دیا تھا۔

''بجل سوچ سمجھ کر بولا کرو، بڑا ہے وہ تم سے۔'' یوں سب کے سامنے اس کا زیان کو دم چھلا کہنا مما سے ہضم نہ ہوا تھا تبھی انتہائی سخت لہجے میں کہا تھا جس پہ بجل آفریدی اندر ہی اندر بل کھا کے رہ گئی تھی وہ اپنا بیگ اٹھا کر غصے سے اپنے کمرے میں چلی آئی تو اس کی ناراضگی کو محسوس کر کے آپی بھی اس کے پیچھے ہی آ گئی تھیں وہ جانتی تھیں کہ اس کے خراب موڈ کو کیسے ٹھیک کیا جا سکتا ہے اور پھر جب انہوں نے اسے بتایا کہ بلال کی شادی تک وہ آفریدی ہاؤس میں ہی رہیں گی تو وہ اپنی ساری ناراضگی بھول کر ان کے گلے لگ گئی۔

''تھینکس گاڈ کہ آپ کو بھی ہم غریبوں کا کچھ خیال تو آیا ورنہ تو آپ کو اپنے سسرالیوں کے علاوہ کسی کی کم ہی پرواہ ہوتی ہے؟'' ان کے گلے لگے اس نے شکوہ کیا تو آپی اس کی بات پہ مسکرا دی تھیں۔

''ارے میری جان ایسی بات نہیں ہے، تم سب تو مجھے ہر پل یاد رہتے ہو اور خاص کر تم تبھی تو کہتی ہوں کہ زیان کے لئے ہاں بول دو اور میری دیورانی بن جاؤ، سوچو کتنا مزا آئے گا جب دونوں ایک ہی گھر میں ہر وقت ساتھ ساتھ رہیں گی۔'' آپی کی بات پہ اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا، تبھی تپ کر بولی تھی۔

''آپی پلیز کتنی بار کہہ چکی ہوں میں آپ سے کہ میرے ساتھ یہ بات مت کیا کریں پھر بھی آپ کو میری بات سمجھ کیوں نہیں آتی ہے۔'' اس کی بات پہ آپی بھی چڑ کر بولی تھیں۔

''تو میری جان بتاؤ نا پھر کس سے کروں یہ بات، اگر پاپا سے کرتی ہوں تو وہ نہیں سنتے ہیں، شادم، حذیفہ اور بلال میری خواہش جاننے کے باوجود کوئی فیصلہ لینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں ان تینوں کے بقول تمہارے بارے میں کوئی بھی ڈسیژن لینے کا اختیار صرف پاپا کے پاس ہے پیچھے رہ گئیں مما تو ان کی کون سنتا ہے نہ تم نہ پاپا، تو پھر تم ہی بتاؤ ایسے میں اپنے دل کی یہ درخواست لے کر جاؤں تو کہاں جاؤں۔''

''جہنم میں۔'' اس نے جل کر کہا تھا اور اٹھ کر واش روم میں بند ہو گئی غصے میں اس نے واش روم کا دروازہ اتنے زور سے بند کیا تھا کہ آپی کو اپنے کانوں پہ ہاتھ رکھنے پڑے تھے، انہوں نے انتہائی تاسف سے واش روم کے بند دروازے کو دیکھا تھا۔

لیکن ہار ماننے والوں میں سے تو وہ بھی نہ تھیں اس کے غصے کے یہ مظاہرے وہ پچھلے تین سال سے برداشت کر رہی تھیں، اس کے باوجود وہ مجبور تھیں کہ بجل آفریدی اگر انہیں عزیز تھی تو زیان آفریدی عزیز ترین۔

☆☆☆

مرتضٰی آفریدی اور مجتبٰی آفریدی دونوں چچا زاد بھائی ہیں دونوں کے والدین ان کے بچپن میں ہی وفات پا گئے تو ان کی پرورش ان کی آبائی حویلی میں ان کے دادا رجب علی آفریدی کے ہاتھوں ہوئی۔

مرتضٰی آفریدی، مجتبٰی آفریدی سے دس سال چھوٹے تھے، مرتضٰی آفریدی نے مجتبٰی آفریدی کو ہمیشہ اپنا سگا بھائی جانا تھا تو مجتبٰی کو بھی اپنے اس کزن سے بلا کی محبت تھی باہر بہت کم لوگوں کو اس

بات کا علم تھا کہ وہ دونوں بھائی نہیں بلکہ کزن ہیں اور ان کا آپس کا رشتہ اس وقت اور بھی مضبوط ہو گیا تھا جب دونوں کی شادیاں بھی اپنی پھپھو کی بیٹیوں سے ہو گئیں، دو سگی بہنوں کے اس حویلی میں بیاہ کر آنے سے حویلی کے دونوں وارث ایک دوسرے کے اور قریب آ گئے تھے، مگر جہاں ان دونوں میں بے انتہا پیار و محبت تھا وہیں دونوں کے مزاج میں کچھ اختلاف بھی تھا کہ مجتبیٰ آفریدی کو اگر اپنی حویلی، زمینوں اور باغوں سے بے انتہا محبت تھی تو مرتضیٰ آفریدی کو شہر کی زندگی اور بزنس سے لگاؤ تھا یہی وجہ تھی کہ شادی کے بعد وہ اپنی وائف کے ساتھ اسلام آباد سیٹل ہو گئے تھے، لیکن یہ دوری بھی ان کے درمیان محبت کو کم نہ کر سکی تھی، مجتبیٰ آفریدی کے صرف دو بیٹے ہی ہیں رومان آفریدی اور زیان آفریدی، مرتضیٰ آفریدی کی اولادوں میں منال، شاذم، حذیفہ، بلال اور سجل آفریدی، رومان کی شادی منال کے ساتھ ہو چکی ہے اور اب مجتبیٰ آفریدی سجل کو بھی اپنی بہو بنانا چاہتے تھے کیونکہ یہ ان کے لاڈلے چہیتے بیٹے کی خواہش بھی ہے، منال آفریدی بھی سجل کو اپنی دیورانی بنانا چاہتی ہیں اور اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لئے وہ دونوں سسر، بہو کئی بار آفریدی ہاؤس آ چکے تھے مگر ہر بار ان کو انکار ہی سننے کو ملتا ہے، شہر بانو آفریدی کا بس چلتا تو وہ سجل کو زیان کی ڈولی میں بٹھانے میں لمحے کی تاخیر نہ کریں مگر سارا مسئلہ سجل آفریدی کا تھا، جب بھی مجتبیٰ آفریدی یا منال اپنا کیس لے کر مرتضیٰ آفریدی کی عدالت میں پیش کرتے، تو سجل کمرہ بند کر کے دھواں دھار رونا شروع کر دیتی اور مرتضیٰ آفریدی اپنی لاڈلی بیٹی کی آنکھوں میں آنسو کہاں دیکھ سکتے تھے بھی تو ہر بار معذرت کر لیتے جس پہ شہر بانو کڑھ کر رہ جاتیں انہیں سمجھ نہ

آتا تھا کہ آخر زیان آفریدی میں کس چیز کی کمی تھی جوان کی بیٹی اس سے اس حد تک متنفر تھی، چھ فٹ سے نکلتا قد، لمبی کھڑی ناک، بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں، کشادہ پیشانی، ہلکے براؤن گھنگھریالے بال، ہر لحاظ سے وہ جاذب نظر تھا پھر زمین جائیداد کی بھی کمی نہ تھی اور سب سے بڑھ کر اپنے خاندان کا تھا لیکن یہ بات سجل آفریدی کو کون سمجھاتا جو کسی کی بھی نہ سنتی تھی، اس بات کے جواب میں کہ آخر اسے زیان آفریدی سے اتنی نفرت کیوں تھی اس کا جواب ہمیشہ ایک ہی ہوتا تھا کہ جس طرح کسی سے محبت کرنے کے لئے وجہ کی ضرورت نہیں ہوتی ہے جیسے محبت کسی شخص کی ہر خاص کو پس پشت ڈال دیتی ہے اسے جب ہونا ہوتا ہے تو ہو کر رہتی ہے نفرت بھی بالکل ایسا ہی ایک جذبہ ہے اس کے لئے بھی کسی وجہ کا ہونا ضروری نہیں ہے کوئی آپ کو اچھا نہیں لگتا تو نہیں لگتا بس بات ختم۔

اب وہ سب کو کیا بتاتی کہ اسے زیان سے اس حد تک نفرت کیوں تھی کہ اس کی بے انتہا محبت بھی اس کو چھچھورا پن لگتی تھی پاس سے گزرتے جب اچانک وہ اپنے گمبھیر لہجے میں کوئی ذو معنی بات کر جاتا تو سجل کے دل میں اس کی نفرت اور بڑھ جاتی اس کو دیکھتے ہی زیان کی آنکھوں کی بڑھتی روشنیوں کو اس نے ہمیشہ ہوس کا نام دیا تھا اپنے وجود پہ پڑنے والی اس کی نظر اسے ہمیشہ غلیظ ہی دکھتی تھی، اس کی نفرت کی اتنی ساری وجوہات تھیں اس کے باوجود مما وجہ جاننا چاہتی تھیں اب وہ اتنی ساری وجوہات ان کو کیسے بتاتی کیونکہ اس کے یہ نادر خیالات جان کر مما اس کو جان سے مارنے سے بھی دریغ نہ کرتیں اور بقول اس کے اسے اس بھری جوانی میں اپنی جان سے ہاتھ دھونے کا کوئی شوق نہ تھا، اس سے انکار

کی وجہ تو پاپا نے بھی پوچھی تھی جواب میں وہ خاموشی سے آنسو بہاتی رہی تھی پھر کافی دیر بعد بولی تھی۔

''پاپا میں اپنی ایجوکیشن کمپلیٹ کرنا چاہتی ہوں اس کے بعد آپ جہاں کہیں گے میں شادی کرلوں گی مگر زیان سے تب بھی نہیں۔'' پاپا اس کے جھکے سر کو دیکھتے ہوئے گہرا سانس خارج کرکے رہ گئے تھے، اپنی ساری اولاد میں سے سجل ان کو زیادہ عزیز تھی اور وہ اس کی مرضی کے بغیر کوئی بھی فیصلہ نہیں کرنا چاہتے تھے، حالانکہ اپنے بھائیوں جیسے کزن کو بار بار انکار کرنا ان کو بالکل بھی اچھا نہ لگتا تھا یہ الگ بات تھی کہ مجتبیٰ آفریدی بھی بہت ثابت قدم تھے کہ ہر بار انکار کے دوسرے مہینے پھر حاضر ہو جاتے یا پھر منال دوڑی چلی آتی لیکن ہونا تو ظاہر ہے انکار ہی ہوتا تھا مگر ہمیشہ انکار کرکے مرتضیٰ آفریدی پھر سے بے چین ہو جاتے تھے اور اپنے پاپا کو پریشان دیکھ کر چین تو سجل کا بھی اڑ جاتا تھا مگر وہ بھی کیا کرتی وہ بھی مجبور تھی کہ زیان آفریدی سے شادی تو مر کر بھی اسے منظور نہ تھی۔

☆☆☆

سب لوگ دولہن کے ہاں مہندی لے جانے کے لئے تیار ہو کر نکل رہے تھے کہ عین وقت پہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے صوما بھابھی کو اپنے چھوٹو کا فیڈر یاد آگیا جو وہ کچن میں بھول گئی تھیں۔

''میں ابھی لے کر آتی ہوں۔'' سجل کہتے ہوئے گاڑی سے اتر گئی، کچن میں کیبنٹ پہ پڑا فیڈر اٹھا کر وہ تیزی سے باہر نکلی تھی جب سامنے سے آتے زیان پہ اس کی نظر پڑی تھی اس کو دیکھ کر سجل کی پیشانی سلوٹوں سے بھر گئی تھی وہ اسے نظر انداز کرتی باہر نکل آئی، اگرچہ زیان کی

نگاہوں کی تپش اسے بیرونی دروازے تک اپنے پیچھے محسوس ہوئی تھی پھر وہاں پہنچ کر بھی سارا وقت اس کو اپنے چہرے پہ زیان کی نگاہیں محسوس ہوتی رہیں صرف اس دن ہی نہیں بلکہ بارات والے دن بھی زیان آفریدی کی نگاہیں مسلسل اس کے چہرے کا طواف کرتی رہیں جس پہ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے اسے ڈھیروں گالیوں سے نواز رہی تھی جب منال نے اس سے اس کے اس قدر برہم موڈ کی وجہ دریافت کی تو گویا اپنی شامت بلوا لی تھی وہ جو اتنی دیر سے جل بن رہی تھی منال کے پوچھنے پہ غصے سے پھٹ پڑی تھی۔

''آپ کے دیور کو لڑکیوں کو تاڑنے کے علاوہ بھی کوئی کام آتا ہے یا نہیں، میرا آپ کو مخلصانہ مشورہ ہے کہ کوئی ایک ڈھونڈ کر اس کی شادی کر دیں یہ اس میں مصروف رہے گا تو کم از کم باقیوں کی تو جان چھوٹی رہے گی۔''

''خیر اب سب کو تو نہیں تاڑتا صرف ایک کو ہی......'' اس کے خونخوار موڈ کو دیکھ کر منال آپی نے باقی فقرہ منہ میں ہی دبا لیا تو وہ غصے سے پیر پٹختی اٹھ کر رامین بھابھی کے برابر والی خالی کرسی پر آ بیٹھی۔

''ضائع ہو جائے گا یہ شخص کسی دن میرے ہاتھوں۔'' اس نے دانت پیس کر کہا تھا کیونکہ زیان کی پرتپش نگاہوں کا مرکز ابھی بھی وہ ہی تھی، اس کی بات سن کر بھابھی نے سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا پھر ایک نظر سارے ہال پہ ڈالی تھی دور کھڑے زیان کو اس سمت دیکھتے پا کر وہ سمجھ گئیں تھیں کہ سجل کس کے بارے میں بات کر رہی ہے مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پہ رینگ گئی تو سجل ان کے مسکرانے پہ مزید جل گئی تھی۔

اور ولیمے کے دو دن بعد جب منال آپی واپس پشاور جا رہی تھیں تو انہیں پیکنگ کرتے

دیکھ کر اس کے غصے کا گراف سوا نیزے پر جا پہنچا تھا، اس نے انہیں روکنے کی بہت کوشش کی تھی، اس کے بقول شادی کے ہنگاموں کی وجہ سے اسے ان کے پاس بیٹھنے اور باتیں کرنے کا بالکل وقت نہیں ملا تھا، مگر جب اس کے اصرار کے باوجود منال نہ مانیں تو وہ بہت ناراض ہو گئی تھی، جاتے ہوئے جب وہ سب سے گلے مل رہی تھیں تو وہ انتہائی خراب موڈ سمیت ان کے گلے لگی تھی لیکن ان کے چھوٹے بیٹے ارسل سے ملتے ہوئے تو اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں، پیار تو اس کو اپنے سارے بہن بھائیوں کی اولاد سے تھا مگر اپنے اس تین سالہ بھانجے میں گویا اس کی جان بسی تھی۔

''آپ کو پتہ ہے آپ کی خالہ جان آپ کو بہت مس کریں گی۔'' اس نے ارسل کے گلابی گلابی گالوں کو چومتے ہوئے کہا تو جواباً وہ بھی اپنی توتلی زبان میں بولا تھا۔

''میں بھی آپ کو بہت مس ترتا ہوں۔'' ارسل کی بات پہ رامین بھابھی قہقہہ لگا کر گویا ہوئیں۔

''کرلو بیٹا یہ پیار محبت کے مظاہرے ایک دوسرے سے، کیونکہ اب تھوڑا عرصہ ہی رہ گیا ہے پھر آپ کی خالہ جانی کی شادی ہو جائے گی اپنے بچے ہوں گے تو آپ کو مس کرنے کا بھلا کس کے پاس ٹائم ہوگا۔'' بھابھی کی بات سن کر شرم اور غصے کے ملے جلے تاثرات سے اس کا چہرہ کانوں کی لوؤں تک سرخ پڑ گیا تھا، بلال سے گلے ملتے ہوئے زیان نے بھابھی کا فقرہ بخوبی سن لیا تھا کیونکہ اس کے کان مسلسل ادھر ہی لگے تھے۔

بھابھی کی بات پہ اس کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھر گئی، ارسل کو اس سے لینے کے بہانے وہ چند قدم چل کر سجل کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''جی نہیں ہم ایسی نوبت ہی نہیں آنے دیں گے کہ ہمارا ارسل اپنی خالہ جانی کو مس کرے؟'' شرارتی نگاہیں اس کے چہرے پہ ٹکائے ذومعنی لہجے میں کہتا وہ سجل آفریدی کو سرتا پا جھلسا گیا تھا، سب کی موجودگی کے خیال سے وہ اس کو بلند آواز میں کچھ کہہ بھی نہ سکی تھی البتہ حسب معمول منہ ہی منہ میں اسے ڈھیروں گالیوں سے نواز کر اس نے جی بھر کر دل کی بھڑاس نکالی تھی، اس کو منہ ہی منہ میں بڑبڑ کرتے دیکھ زیان کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی تھی کیونکہ جانتا تھا کہ ضرور اس کی شان میں ہی قصیدہ گوئی جاری تھی۔

☆☆☆

بلال کی شادی کو ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے جب مجتبیٰ آفریدی ایک بار پھر سجل کے رشتے کے لئے آفریدی ہاؤس آئے تھے، لیکن اس بار وہ سوچ کر آئے تھے کہ اگر اس بار بھی انکار ہوا تو وہ زیان کی شادی روشانے سے کر دیں گے، روشانے ان کے دوست ہاشم آفریدی کی بیٹی تھی، ہاشم آفریدی خود بھی روشانے کی شادی زیان کے ساتھ کرنے کے خواہش مند تھے وہ کئی بار باتوں ہی باتوں میں مجتبیٰ آفریدی کو دوستی کے اس رشتے داری میں بدلنے کا اشارہ بھی دے چکے تھے، لیکن مجتبیٰ آفریدی چونکہ اپنے بیٹے کے دل کی خواہش سے اچھی طرح آگاہ تھے اور وہ خود بھی سجل کو اپنی بہو بنانا چاہتے تھے اس لئے ہر بار اپنے دوست کی اس بات کو بہت مہارت سے ٹال جاتے تھے لیکن اب انہوں نے انتہائی سنجیدگی سے اس پرپوزل پہ سوچا تھا اور فیصلہ کیا تھا کہ ایک آخری بار وہ مرتضیٰ آفریدی سے بات کریں گے لیکن اگر اب انکار ہوا تو وہ زیان کا رشتہ روشانے سے طے کر دیں گے اور اس بار جب انہوں نے مرتضیٰ

آفریدی سے بات کی تو وہ جو ہر بار مسکرا کر ان کی بات کسی نہ کسی بہانے ٹال جاتے تھے اس بار تھوڑا سا تپ گئے تھے۔

''لالہ جی پلیزیوں بار بار اس بات کو لے کر مجھے شرمندہ مت کیا کریں، مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگتا ہے روز روز آپ کو انکار کرنا مگر میں کیا کروں میں بھی مجبور ہوں میں پہلے بھی بہت بار آپ کو بتا چکا ہوں کہ بجل اس رشتے کے لئے رضا مند نہیں ہے تو پھر میں جوان اولاد کے ساتھ زبردستی کیسے کروں اور فرض کریں اگر میں اس کی مرضی کے خلاف اس کی شادی زیان سے کر بھی دیتا ہوں تو کیا گارنٹی ہے کہ وہ رشتہ نبھائے گی بھی، جہاں دل راضی نہ ہوں وہ رشتے کبھی نہیں نبھتے لالہ جی اور پھر اس ایک رشتے کے ٹوٹنے سے کتنے رشتے ٹوٹیں گے کبھی سوچا ہے آپ نے، میرا اور آپ کا رشتہ، منال اور رومان کا رشتہ، شہر بانو کا اپنے بھائیوں سے رشتہ، کچھ بھی تو نہیں بچے گا باقی، سوری لالہ جی میں اس ایک رشتے کے لئے اتنے سارے رشتوں کو کھونے کا رسک نہیں لے سکتا۔'' مرتضٰی آفریدی تو اپنی بات کہہ کر چپ ہو گئے اور ان کے ان الفاظ نے چپ تو مجتبیٰ آفریدی کو بھی لگا دی تھی، کیونکہ جو کچھ مرتضٰی نے کہا تھا وہ ایسا غلط بھی نہ تھا سو وہ چپ چاپ واپس لوٹ آئے اور اسی رات انہوں نے سونے سے پہلے ہاشم آفریدی کو فون پہ بتا دیا کہ دو دن بعد وہ لوگ روشانے کو منگنی کی انگوٹھی پہنانے آ رہے ہیں اور واقعی دو دن بعد اپنے بیٹے کے کسی بھی احتجاج کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے وہ نہ صرف روشانے کو زیان کے نام کی انگوٹھی پہنا آئے تھے بلکہ ساتھ میں شادی کی ڈیٹ بھی فکس کر دی تھی اور اس بات پہ ان کے اور زیان کے بیچ زبردست جھگڑا ہوا تھا، ڈیٹ فکس ہونے کی بابت جان زیان کو تو گویا آگ ہی لگ گئی تھی۔

''نہیں کرونگا میں شادی آپ نے انگوٹھی پہنائی ہے نا میرے انکار کے باوجود تو اب اپنے ساتھ نکاح کر کے ہی لے آیئے گا اس محترمہ کو۔'' اس کے گستاخانہ لب و لہجے پہ بابا جان نے مارے اشتعال کے اس کے منہ پہ دو تین تھپڑ جڑ دیئے تھے۔

''دیکھتا ہوں میں کہ تم یہ شادی کیسے نہیں کرتے، شادی تو تمہاری روشانے سے ہی ہوگی، کیونکہ جس کے تم خواب دیکھتے ہو نا اس کا باپ کہتا ہے اس کی بیٹی اس رشتے پہ راضی نہیں اس لئے وہ اس کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتا، تو جب وہ لڑکی نہیں مان رہی اس کا باپ نہیں مان رہا تو اسے اٹھوا کر تو نہیں لا سکتا میں تیرے لئے۔'' انہوں نے ایک قہر بھری نگاہ اس پہ ڈال کر کمرے میں چلے گئے جبکہ زیان آفریدی نے گرنے والے انداز میں صوفے پہ بیٹھ کر سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا، اس کو اس حالت میں بیٹھے دیکھ کر رومان لالہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولے تھے۔

''زیان سنبھالو خود کو یار اور ویسے تمہیں ابی سے اس لہجے میں بات نہیں کرنی چاہیے ٹھیک ہی تو کہتے ہیں وہ جب بجل ہی نہیں مان رہی تو پھر وہ کیسے......''

''لالہ پلیز اس وقت مجھے تنہا چھوڑ دیں، جسٹ لیو می آلون پلیز۔'' ان کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ حلق کے بل چلایا تھا تو رومان ایک نظر اس کے سرخ انگارہ چہرے پہ ڈال کے اٹھ گئے، تو اس نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں تھیں، بجل آفریدی کے علاوہ کسی اور کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کے بارے میں اس نے کبھی خواب میں بھی نہ

سوچا تھا اس کے دل و دماغ میں تو ہر جگہ سجل کا بسیرا تھا تو پھر وہاں کسی اور کے لئے جگہ کیسے نکل سکتی تھی۔

لیکن وہ نازک سے سراپے کی یالک لڑکی اس سے اس حد تک نفرت کیوں کرتی تھی یہ بات وہ آج تک نہ جان سکا تھا، اس وقت بھی اس کی نگاہوں کے سامنے کئی منظر گھوم گئے تھے جب اس کو دیکھتے ہی سجل کی نگاہوں میں نفرت کے سائے لہرانے لگتے تھے، ایک بار اس کے پوچھنے پہ کہ وہ اس سے اس حد تک نفرت کیوں کرتی ہے اس نے کس قدر درشت لہجے میں تڑخ کر کہا تھا۔

"کیونکہ تم ہو ہی اس قابل۔" وہ اس وقت بھی وہاں کتنی دیر تک ساکت کھڑا اس کی نفرت کی وجہ ڈھونڈتا رہا تھا اور اب بھی صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے سجل آفریدی کی خود سے اس بے انتہا نفرت و بے زاری کی وجہ تلاش کر رہا تھا مگر ہزار بار سوچنے پہ بھی کوئی سرا ہاتھ نہ آیا نہ تھا اس کا شدت سے جی چاہ رہا تھا کہ سجل آفریدی اس کے سامنے ہو اور وہ اس پتھر دل کو جھنجھوڑ کر پوچھے کہ آخر کس مٹی کی بنی ہو تم کہ تم پہ میری اس قدر محبت کا بھی اثر نہیں ہوتا ہے، ایسی کون سی بات ہے جس نے تمہیں مجھ سے اس قدر متنفر اس قدر دور کر دیا ہے اسے اچھی طرح یاد تھا کہ چند سال پہلے جب وہ حویلی آئی تھی تو شروع شروع میں زیان کے ساتھ اس کی اچھی خاصی دوستی تھی وہ اسے بہت عزت سے مخاطب کرتی تھی پھر ایسا کیا ہوا تھا کہ وہ اس سے اس قدر نفرت کرنے لگی تھی وہ جو پہلے اسے آپ کہہ کر بلاتی تھی اب تمام لحاظ مروت بھول کر انتہائی بدتمیزی سے تم کہا کرتی تھی، بلکہ وہ تو اب اس کو مخاطب ہی نہیں کرتی تھی سامنا ہونے پہ بھی کترا کر گزر جاتی تھی وہ تو زیان ہی تھا جو دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کی پیشانی کی سلوٹوں کو نظر انداز کر کے اس کے نفرت بھرے انداز و اطوار سہہ کر بھی اس سے بات کرنے سے باز نہیں آتا تھا اور اس بات پہ بھی وہ چڑ جایا کرتی تھی۔

☆☆☆

منال آفریدی مٹھائی لے کر آفریدی ہاؤس آئیں تو یہ جان کر کہ زیان کی منگنی ہو گئی ہے سجل نے شکر کا سانس لیا تھا کیونکہ زیان کی صورت خطرے کی جو تلوار اس کے سر پہ لٹکی تھی وہ اب ہٹ گئی تھی۔

"تھینکس گاڈ، میرے سر سے تو بلا ٹلی، جان چھوٹی میری۔" اس نے جس طرح صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر قدرے ریلیکس ہو کر بیٹھتے ہوئے بلند آواز میں یہ فقرے بولے تھے اس پہ مما نے خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورا تھا مگر وہ ان کی گھوریوں کو نظر انداز کرتی مسکراتے ہوئے آپی سے مخاطب ہوئی تھی۔

"ویسے آپی آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ کس بے چاری کا برا ٹائم شروع ہونے والا ہے آئی مین کہ کس کی قسمت پھوٹی ہے بلکہ روٹھی ہے۔" اس کی بات پہ مما کا ضبط جواب دے گیا اس سے پہلے کہ ان کی چپل اس تک پہنچتی وہ اٹھ کر نو دو گیارہ ہو گئی۔

اگلے دن کالج جا کر جب اس نے یہ خبر فرح، طیبہ اور شبیلہ کو سنائی تھی تو وہ تینوں یک زبان ہو کر بولی تھیں۔

"چلو جی تم تو شکر کرو کہ جان چھوٹی خس کم جہاں پاک۔" وہ چاروں نرسری پریپ سے ساتھ ساتھ تھیں اور اب میڈیکل کے تیسرے سال میں آ کر بھی ان کی دوستی جوں کی توں قائم تھی جب تک وہ اپنی ہر بات ایک دوسرے سے شیئر نہیں کر لیتیں تھیں ان کو چین نہیں ملتا تھا اور

جب ان تینوں نے اس سے یہ کہا تھا کہ اس خوشی میں وہ ان کو کیا کھلا رہی ہے تو اس نے ہاتھ اٹھا کر خاصے فیاضانہ انداز میں کہا تھا۔

''جو تم لوگ کہو۔'' اس کے اس انداز پہ وہ تینوں قہقہہ لگا کر ہنس دیں تھیں اور جہاں سجل بہت خوش تھی اس بات سے کہ زیان کی شادی ہونے سے اس کی جان اپنے اس کزن سے چھوٹ گئی تھی وہیں مجتبیٰ آفریدی بہت پریشان رہنے لگے تھے اپنے بیٹے کی اس قدر خاموشی سے انہیں ڈر لگنے لگا تھا، جوں جوں شادی کے دن قریب آ رہے تھے ان کا دل زیان کی طرف سے بہت سے وہموں کا شکار ہو رہا تھا کہ اگر عین وقت پہ اس نے شادی سے انکار کر دیا تو کیا ہو گا اور پھر شادی پہ تو سجل بھی حویلی آئے گی اگر اس کو دیکھ کر وہ ان کی بات ماننے سے انکاری ہو گیا تو وہ ہاشم آفریدی کو کیا جواب دیں گے اور یہ خطرہ تو منال کو بھی تھا تبھی تو اس نے مما کو فون کر کے سجل کو شادی میں لانے سے منع کر دیا تھا، اس کی بات پہ مما چند ثانیے خاموش ہو گئیں تھیں اور ان کی اس خاموشی کو نوٹ کر کے ہی منال مزید گویا ہوئی تھی۔

''مما زیان پہلے ہی بہت مشکلوں سے مانا ہے اور میں نہیں چاہتی ہوں کہ سجل کو دیکھ کر...... آپ میری بات سمجھ رہی ہیں نا مما۔'' ایک پل کو رک کر اس نے پوچھا تو شہر بانو گہرا سانس خارج کرتے بولیں تھیں۔

''او کے ٹھیک ہے نہیں آئے گی وہ۔'' پھر چند ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد انہوں نے فون رکھ دیا لیکن جب انہوں نے یہ بات سجل سے کی جو آج کل زور و شور سے شادی میں جانے کے لئے شاپنگ کر رہی تھی مما کی بات سن کر وہ قہقہہ لگا کر ہنس دی تھی۔

''میری پیاری مما ایسا کچھ نہیں ہو گا وہاں، اسے کو بڑا کوئی طوفانی قسم کا عشق ہے، جو آپ اتنا ڈر رہی ہیں کہ یہ ہو جائے وہ ہو جائے گا، آپ دیکھئے گا اپنی شادی کی خوشی میں اس کو تو یہ بھی یاد نہیں ہو گا کہ کوئی سجل بھی تھی جس سے وہ انتہا کی محبت کا دعویدار تھا آپ خوامخواہ اتنا پریشان ہو رہی ہیں، ایسا کچھ نہیں ہو گا بلکہ موصوف بڑے شوق سے اپنے سر پہ سہرا سجا کر خوشی خوشی اپنی دلہن کو بیاہ لائیں گے اور بہت جلد آپ کو یہ خوشخبری سننے کو ملے گی کہ آپ دادو بننے والی ہیں۔'' اس کی ساری بکواس پہ مما کا دل کیا تھا کہ اس کا گلا دبا دیں اور وہ ایسا کر بھی دیتیں اگر جو وہ مرتضیٰ آفریدی کی اتنی لاڈلی نہ ہوتی۔

''لیکن میں نے کہا ہے کہ تم نہیں جا رہیں تو اس کا مطلب ہے کہ تم نہیں جاؤ گی انڈرسٹینڈ۔'' انہوں نے دانت پیس کر کہا تھا اور کمرے سے جانے لگیں پھر جاتے جاتے یکدم مڑیں تھیں۔

''اور ہاں صوما یا رامین پوچھیں تو کہہ دینا کہ تمہارے ٹیسٹ ہو رہے ہیں اس لئے تم نہیں جا رہیں۔'' مما کے جانے کے بعد اس نے ہاتھ میں پکڑا فراک جو وہ بارات میں پہننے کے لئے لائی تھی غصے سے دور اچھال دیا تھا۔

''مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے اس شخص کی شادی اٹینڈ کرنے کا۔'' شادی سے دو دن پہلے مرتضیٰ آفریدی اپنی ساری فیملی کے ساتھ حویلی گئے تو سجل کو نہ پا کر مجتبیٰ آفریدی اور منال نے سکون کا سانس لیا تھا اور دو دن بعد جب وہ لوگ روشانے کو بیاہ کر حویلی لے آئے تو مجتبیٰ آفریدی نے شکرانے کے نوافل ادا کیے تھے کہ ان کے بیٹے نے کوئی گڑبڑ نہیں کی تھی جب مولوی نے اس سے پوچھا تھا کہ اس کو روشانے آفریدی ولد ہاشم آفریدی قبول ہے اور جواب میں جب تک اس

نے ہاں نہیں بولی تھی مجتبیٰ آفریدی کو اپنی جان سولی پہ لٹکی محسوس ہوئی تھی اس کے ہاں بولتے ہی ان کے کشیدہ اعصاب بہت حد تک ڈھیلے پڑ گئے تھے اور جب اس نے انتہائی سپاٹ تاثرات سمیت نکاح نامے پر دستخط کیے تھے تو ان کے لئے تو یہی بہت تھا کہ کر تو دیئے تھے، اس کے جامد تاثرات کو دیکھ کر انہیں لگا تھا کہ انہیں اس کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہتے تھا، لیکن وہ بھی مجبور تھے اگر وہ اس کے ساتھ نرمی برتتے تو وہ کبھی نہ مانتا پھر وہ یہ سوچ کر مطمئن ہو گئے تھے اب رفتہ رفتہ سب ٹھیک ہو جائے اگر اس نے شادی کر لی ہے تو سجل کو بھی بھول جائے گا لیکن آنے والے وقت نے ان کی سوچ کو غلط ثابت کر دیا تھا اگرچہ اس نے روشانے کو اپنی زندگی میں وہ جگہ تو دے دی تھی جو اس کا حق تھی کیونکہ اس کے خیال میں اگر سجل اس کو نہ ملی تھی تو اس میں روشانے کا کوئی قصور نہ تھا تو وہ پھر وہ اسے سزا کیوں دیتا، اس نے روشانے آفریدی کے سارے حقوق ادا کیے تھے اس کے باوجود کہ اس کے دل میں روشانے آفریدی کی جگہ نہ تھی جو سجل کی تھی اور پھر ایک بیٹا ہو جانے کے باوجود بھی سجل آفریدی اس کے دل سے نہ نکلی تھی وہ جو پہلے ہر وقت ہنستا بولتا رہتا تھا اب اس کو ایک چپ لگ گئی تھی، بیٹے کی پیدائش پہ بھی اس نے کسی قسم کی گرمجوشی کا اظہار نہیں کیا تھا اس کے بیٹے کی پیدائش پہ مجتبیٰ آفریدی اور منال بہت خوش تھے سارے گاؤں میں مٹھائی بانٹی گئی تھی اور جب اس کے بیٹے شاہ فیصل کے پیدا ہونے کی خوشخبری سنانے کے لئے منال نے آفریدی ہاؤس فون کیا تو دوسری طرف فون سجل نے ہی اٹینڈ کیا تھا اور کس قدر طنز سے مما کو یہ خبر دی تھی۔

''مبارک ہو مما آپ دادو بن گئی ہیں، یعنی مسٹر زیان آفریدی والد محترم کے عہدے پر فائز ہو چکے ہیں، خوش ہو جائیں اور ساتھ ہی مجھے بھی داد دیں میری پیشن گوئی کے درست ہونے پہ، میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ مسٹر زیان آفریدی جیسے لوگ محبت میں جوگی نہیں بنا کرتے اور دیکھ لیں ایسا ہی ہوا ہے۔'' ہمیشہ کی طرح وہ نان اسٹاپ شروع ہو چکی تھی، شہر بانو اس پہ ایک قہر بھری نگاہ ڈال کر وہاں سے اٹھ گئیں تو اس نے پاس صوفے پر پڑا ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کر لیا۔

''ہونہہ، محبت، زیان آفریدی جیسے لوگوں کو کسی سے محبت نہیں ہوتی ہے مما، ان کو تو ہر خوبصورت لڑکی کے وجود سے محبت ہوتی ہے، اب وہ لڑکی چاہے سجل آفریدی ہو یا روشانے آفریدی یا پھر ......'' بولتے بولتے اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں تھیں، دو سبز کانچ سی آنکھوں سے مزین وہ معصوم سا چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم گیا تھا وہیں بیٹھے بیٹھے اس کا دھیان پانچ سال پیچھے چلا گیا تھا۔

☆☆☆

وہ فرسٹ ایئر میں تھی جب کالج میں گرمیوں کی تعطیلات ہوئیں تو منال آپی اس کو اپنے ساتھ حویلی لے آئیں وہ تین سال بعد حویلی آئی تھی، اگرچہ مما نے انہیں روکنے کی بہت کوشش کی تھی ان کے خیال میں وہ حویلی میں دو دن بھی نہیں ٹکے گی کیونکہ پہلے بھی کئی بار وہ حویلی جا چکی تھی، لیکن ہر بار بور ہو کر دوسرے ہی دن واپسی کی رٹ لگا دیتی، لیکن اس بار مما کا اندازہ غلط ثابت ہو گیا تھا کیونکہ ایک مہینہ گزر جانے کے باوجود اس کا دل حویلی میں لگا ہوا تھا تو اس کی ایک وجہ تو حویلی میں موجود وہ دو لڑکیاں پری گل اور لالہ گل تھیں وہ دونوں حویلی کے پرانے ملازم

گل خان کی پوتیاں تھیں، ان دونوں کے والدین ان کے بچپن میں ہی وفات پا گئے تھے پری گل کو تو اس کے بوڑھے دادا دادی نے حویلی کے سرونٹ کوارٹر میں ہی پروان چڑھایا تھا جبکہ اس سے تین سال چھوٹی لالہ گل جو پہلے اپنے ماموں کے پاس کراچی میں رہتی تھی ماموں کی وفات کے بعد دو سال پہلے ہی حویلی آئی تھی، وہ تقریباً بجل کی ہم عمر ہی تھی، چند دنوں میں ہی بجل کے ساتھ اس کی دوستی ہو چکی تھی اور حویلی میں بجل آفریدی کا دل لگنے کی دوسری وجہ زیان آفریدی تھا جو ایک سال پہلے انگلینڈ سے اپنی تعلیم مکمل کر کے لوٹا تھا، بجل کی اس کے ساتھ اچھی خاصی دوستی ہو چکی تھی مگر یہ دوستی صرف بجل کی طرف سے تھی زیان آفریدی کا دل تو ان چند دنوں میں ہی دوستی سے محبت تک کا سفر طے کر چکا تھا اس کا دل خود سے سات آٹھ سال چھوٹی اپنی اس کزن کا کب اسیر ہوا تھا اسے بالکل خبر نہ ہوئی تھی اور کہتے ہیں نا کہ عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے تو پری گل بھی بہت جلد زیان آفریدی کے دل کا حال جان گئی تھی، کیونکہ بجل کو دیکھتے ہی زیان کی آنکھیں لو دینے لگتی تھیں تو ایسے میں پری گل کے دل پہ سانپ لوٹ جاتے حسد کی آگ اس کے آس پاس جلنے لگتی جس میں اسے اپنا وجود خاک ہوتا معلوم ہوتا تھا، وہ دل ہی دل میں سوچتی کہ آخر ایسا کیا خاص تھا بجل آفریدی میں جو اس میں نہ تھا، اگر بجل خوبصورت تھی تو کم صورت تو وہ بھی نہ تھی پھر وہ اس نے کئی بار زیان آفریدی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی کوئی کام ابھی زیان کے منہ سے نکلتا نہ تھا کہ وہ کرنے کو حاظر ہو جاتی لیکن زیان نے کبھی نظر بھر کر اس کو دیکھا تک نہ تھا اور جب سے اس کو پری گل کے جذبات کی خبر ہوئی تھی اس کا رویہ پری گل کے ساتھ انتہائی سخت ہو گیا تھا اس کو وہ شوخی اور چھچھوری حرکتیں کرنے والی لڑکی کبھی ایک آنکھ نہ بھائی تھی اور اب تو اسے اس سے اور بھی چڑ ہو گئی تھی، پری گل اس کے انتہائی سخت رویے کے باوجود پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھی، وہ حویلی میں ہوتا تو بہانے بہانے سے اس کے کمرے کے چکر لگاتی جس پہ ایک دن زیان نے اس کو اچھا خاصا جھاڑ کے رکھ دیا تھا۔

''کتنی دفعہ کہا ہے تمہیں کہ یوں منہ اٹھا کے میرے کمرے میں مت آیا کرو، اثر کیوں نہیں ہوتا ہے تمہیں۔'' وہ غصے سے دھاڑا تھا تو پری گل معصوم صورت بنائے ہوئے منمنائی تھی۔

''خان وہ بی بی نے کہا تھا آپ کے کمرے کی صفائی کر دوں اس لئے ام......'' مگر وہ اس یک بات مکمل ہونے سے پہلے ہی دانت پیستے ہوئے غرایا تھا۔

''دفعہ ہو جاؤ ابھی اور اسی وقت میرے کمرے سے اور آج کے بعد تم مجھے میری موجودگی میں اس کمرے میں نظر آئیں تو اٹھا کر حویلی سے باہر پھنکوا دوں گا تجھی تم۔'' اس کو غصہ ہوتے دیکھ کر پری گل منہ بناتی باہر نکل آئی، وہ جتنا اس کے قریب جانے کی کوشش کرتی وہ اتنا ہی اس سے دور بھاگتا تھا، اس کو اپنی زلفوں کے جال میں پھنسا کر حویلی پہ راج کرنے کا خواب پری گل کو پورا ہوتا نظر نہ آ رہا تھا، کیونکہ زیان آفریدی تو پروں پہ پانی نہ پڑنے دے رہا تھا۔

''ہونہہ نخرہ، ام دیکھتا ہے خان کہ تم کب تک امارے حسن سے نگاہ چراتا ہے، تم پری گل کو ابھی جانتا نہیں ہے، تم کو اپنی زلفوں کا اسیر نہ بنایا تو امارہ نام بھی پری گل نہیں۔'' وہ غصے میں بل کھاتی سوچ رہی تھی اسے سمجھ نہ آ رہی تھی کہ حویلی کے اس نخریلے اتھرے گھوڑے کو کس طرح قابو

میں کرے۔

اسے پورا یقین تھا کہ اگر ایک بار زیان آفریدی اس کے حسن کے جال میں پھنس گیا تو پھر حویلی کی بہو بننے کا اس کا خواب کبھی بھی ادھورا نہیں رہے گا، وہ یہ بھی جانتی تھی کہ حویلی میں کوئی بھی زیان آفریدی کی بات کو نہ ٹالتا تھا نہ اس کے لالہ نہ اس کے ابی، ہر بات جو اس کے منہ سے نکلتی پوری کی جاتی تھی اور پری گل کو اس بات کا یقین تھا کہ اگر زیان پہ اس کے حسن کا جادو چل گیا تو پھر کوئی بھی مائی کا لال اسے حویلی کے اس لاڈلے سپوت کی دلہن بننے سے نہیں روک سکتا تھا، لالہ گل اپنی بڑی بہن کو کئی بار اس کے ارادوں سے باز رکھنے کی کوشش کر چکی تھی۔

''خدا کے لئے پری باز آ جا ان حرکتوں سے، کیونکہ اگر بابا یا جبل میں سے کسی کو اس بات کا خبر ہو گیا تو وہ تمہارا حشر کر دیں گے، اس لئے امارہ تم کو یہی مشورہ ہے کہ چھوٹے خان کا خیال اپنے دل سے نکال دو، کیونکہ جو تم سوچ رہا ہے وہ کبھی نہیں ہو سکتا، کبھی مخمل میں بھی ٹاٹ کا پیوند لگتے دیکھا ہے۔'' لالہ گل نے اس کو سمجھانے کی کوشش کی تھی، وہ تو یہ سوچ کر ہی ڈر رہی تھی کہ اگر اس بات کی خبر پری کے منگیتر جبل خان کو ہو گئی تو وہ اسے جان سے مار دے گا اور پھر مجتبیٰ آفریدی کیا ایسا ہونے دیں گے کبھی نہیں، لالہ گل کے خیال میں اگر پری زیان کو اپنی طرف راغب کرنے میں کامیاب بھی ہو گئی تب بھی بڑے خان ایسا کبھی نہیں ہونے دیں گے جیسا پری گل چاہتی تھی لالہ گل جانتی تھی کہ اگر بڑے خان کو اس بات کی خبر ہو گئی کہ ان کی معمولی ملازمہ ان کے بیٹے کو پانے کے خواب دیکھ رہی ہے تو اس کی اس جرأت پہ وہ بابا اور ان دونوں بہنوں کو حویلی سے باہر پھینکوانے میں لمحے کی تاخیر بھی نہیں کریں گے اور لالہ گل اس وقت سے ڈرتی تھی تبھی تو اس نے اپنی بہن کو بھی اس وقت سے آگاہ کرنا چاہا تھا لیکن اس کی بات سن کر پری گل کو تو گویا آگ لگ گئی تھی۔

''تم اپنا منہ بند ہی رکھو تو بہتر ہے اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ زیان میرا نہیں ہو سکتا تو یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ وہ کس کا ہے۔'' لالہ گل کے سمجھانے کا بھی اس پہ کوئی اثر نہ ہوا تھا الٹا وہ لالہ گل کو انتہائی سخت لہجے میں دو چار سنا کر چلتی بنی اس کو تو اپنے حسن اپنی اداؤں پہ پورا یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن وہ زیان کو اپنا بنا لے گی، مگر سجل آفریدی کی حویلی آمد نے اس کے اس یقین کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا، سجل کو دیکھتے ہی زیان کے چہرے کی بڑھتی روشنیاں اس کی طرف اٹھتی زیان کی بے ساختہ والہانہ نگاہیں جہاں سجل آفریدی کا دل دھڑکا جاتے تھے وہیں پری گل کے دل کو گویا راکھ کر دیتے تھے، اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ کیسے سجل آفریدی کو زیان کی زندگی سے دور کر دے اور اس سے پہلے کہ سجل آفریدی کا دل محبت کے اس سفر میں زیان آفریدی کے دل کا ہم سفر بنتا پری گل کو قدرت نے وہ موقع عطا کر دیا تھا، سجل ابھی حویلی میں ہی تھی جب ایک رات اچانک لالہ گل کا انتقال ہو گیا اس کو ہیضہ ہوا تھا شہر لے کر جاتے ہوئے وہ راستے میں ہی دم توڑ گئی تھی، حویلی سے ملحقہ سرونٹ کواٹر میں تو جیسے قیامت برپا ہو گئی۔

پری گل اور اس کی بوڑھی دادی اونچی آواز میں بین کر کے رو رہی تھیں کہ وہاں موجود ہر آنکھ نم ہو گئی تھی سجل نے لالہ گل کی موت کا اتنا اثر لیا تھا کہ وہ پورا ایک ہفتہ بخار میں جلتی رہی تھی، اس دن اس کا بخار کچھ کم ہوا تھا لیکن کمزوری اور نقاہت بہت ہو گئی تھی، وہ کمرے میں ہی ناشتہ

کر کے ابھی لیٹی ہی تھی جب پری گل اس کی طبیعت کا پوچھنے چلی آئی، باتوں ہی باتوں میں لالہ گل کا ذکر آیا تو پری گل زاروقطار رونے لگی تھی۔

''ام کو تو یقین نہیں آتا بی بی کہ امارہ لالہ گل ام کو چھوڑ گیا ہے، اگر ام کو پتہ ہوتا کہ امارہ لالہ گل کے ساتھ یہ سب ہو جائے گا تو ام اس کو اس حویلی سے دور بہت دور لے جاتا۔'' پری گل کو روتے دیکھ کر سجل کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں تھیں۔

''صبر کرو پری، اس کی عمر ہی اتنی تھی تو تم چاہے اس کو دنیا کے کسی بھی کونے میں لے جاتیں اس کو موت سے نہیں بچا سکتی تھیں۔'' اس نے پری گل کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں کہا تھا، لیکن جواب میں جو کچھ پری گل نے کہا تھا اس نے کچھ پل کے لئے سجل آفریدی کو گویا ساکت کر دیا تھا۔

''بچا سکتا تھا بی بی بچا سکتا تھا، اس حویلی سے دور جا کر کم از کم ام اپنی بہن کی عزت تو بچا سکتا تھا نا، نہ اس کی عزت جاتا نہ وہ اپنا جان دیتا۔''

''بہن کی عزت، کیا مطلب پری کھل کر بتاؤ مجھے سب، لالہ گل کی ڈیتھ تو ہیضے سے ہوئی ہے نا؟'' کافی دیر بعد وہ کچھ بولنے کے قابل ہوئی تھی اس کی اڑی اڑی رنگت کو دیکھ کر پری گل سمجھ گئی تھی کہ اس کا تیر بالکل نشانے پہ لگا ہے، تبھی تو آنسو بہاتی مزید بولی تھی۔

''جب چھوٹا خان لندن سے آیا تھا تو سب سے پہلے اس نے ام کو اپنے محبت کے جال میں پھنسانے کا کوشش کیا تھا، مگر ام جانتا تھا کہ محبت کے اس کھیل میں امارے ہاتھ کچھ نہ آئے گا سوائے ذلت اور بدنامی کے، ایک دو بار تنہائی میں خان نے امارے ساتھ اپنا وقت رنگین کرنا چاہا تھا، جس سے ام اس کی فطرت کو اور اچھی طرح سمجھ گیا تھا، پھر ام تو اس کی محبت کے جھانسے میں نہ آیا مگر امارہ معصوم بہن اس کی ہوس کا نشانہ بن گیا، وہ بے وقوف سمجھنے لگا تھا کہ خان اس سے محبت کرتا ہے، ام نے اس کو بہت سمجھایا مگر وہ خان کی محبت میں بہت آگے نکل گیا تھا اور خان نے کیا کیا اس کے ساتھ، اب وہ مرتا نہیں تو اور کیا کرتا اب تو خان بھی اس کی بات نہ سنتا تھا ام اس کو ڈاکٹر کے پاس بھی لے کر گیا تھا لیکن ڈاکٹر نے منع کر دیا کہ اب بہت دیر ہو گیا ہے اب کچھ نہیں ہو سکتا، گھر آ کر امارہ بہن بہت رویا اور پھر بدنامی سے بچنے کے لئے اس نے اپنا جان دے دیا اور ام نے اس کو ذلت سے بچانے کے لئے کہہ دیا.......

''کہ اس کو ہیضہ ہوا ہے یہی نا۔'' سجل نے بہت دکھ سے پری گل کا فقرہ مکمل کیا تھا پھر بہت غصے سے پری گل سے مخاطب ہوئی تھی۔

''کتنا غلط کیا ہے پری تم نے تمہیں اندازہ نہیں ہے، ایک غلطی تمہاری بہن نے کی، یوں چپ چاپ اپنی جان دے کر حالانکہ اگر وہ تھوڑی سی ہمت کرتی تو، تو بدنامی اور ذلت اس شخص کے حصے میں بھی آ سکتی تھی جس نے اسے اس حال تک پہنچایا تھا، تم نے صحیح کہا کہ وہ بے وقوف تھی لیکن تم اس سے بھی بڑی بے وقوف ہو کیونکہ تم اس سے بھی بڑی غلطی کر رہی ہو کیونکہ اپنی بہن کی موت کی اصل وجہ چھپا کر تم اس کو نہیں بلکہ زیان آفریدی کو ذلت اور بدنامی سے بچایا ہے، تمہاری بہن تو مر گئی اس کو تو اب بدنامی یا ذلت سے کوئی اتنا خاص فرق نہیں پڑنے والا تھا جتنا کہ اس کی موت کی اصل وجہ سامنے آنے پہ زیان آفریدی کو پڑتا؟'' زیان آفریدی کے نام پہ اس کے لہجے میں تلخی اور نفرت گھل گئی تھی پھر اس نے پری گل

سے کہا تھا کہ وہ اس سلسلے میں ابی سے بات کرے گی اور انہیں ان کے لاڈلے سپوت کے کارنامے بتائے گی تو پری گل نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

''نا بی بی نا خدا کے لئے ایسا مت کرنا، بڑا خان سب جان کر بھی اپنے بیٹے کو تو کچھ نہیں کہے گا ام اچھی طرح جانتا ہے کہ ایسا کرنے سے ام سے رہنے کا یہ ٹھکانہ بھی چھین جائے گا اور پھر ام نے اپنا مرتی ہوئی بہن سے وعدہ کیا تھا کہ ام یہ بات کسی کو نہیں بتائے گا، اس لئے تمہیں بھی خدا کا واسطہ ہے بی بی تم بھی اس بات کو یہیں ختم کرو، دیکھو ام تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہے۔'' پری گل کے جڑے ہاتھ اور بہتے آنسو اور اس کا دیا خدا کا واسطہ سجل آفریدی کو چپ کرا گیا تھا، اس نے یہ بات اپنے دل کے نہاخانوں میں چھپا لی تھی، مگر اس کے بعد اس کو زیان آفریدی کی شکل تو کیا نام سے بھی نفرت ہو چکی تھی۔

پری گل نے جو جھوٹی کہانی اس کو بتائی تھی، وہ سجل کو زیان سے بہت دور لے گئی تھی، اس کے بعد وہ صرف دو دن حویلی میں رہی تھی منال آپی یوں ایکدم اس کی واپسی کی رٹ پہ پریشان ہو گئیں تھیں ان کے بار روکنے پہ بھی اس کا یہی اصرار تھا کہ اسے آج اور ابھی واپس جانا ہے۔

''ٹھیک ہے چلی جانا، لیکن آج نہیں دو دن بعد رومان اسلام آباد جا رہے ہیں کسی کام سے وہ تمہیں بھی لے جائیں گے۔'' آپی نے اس کو ساتھ لگا کر اس کی پیشانی چومی تھی، انہیں یہی لگا تھا کہ لالہ گل کی موت کی وجہ سے وہ بہت ڈسٹرب ہو گئی ہے اس لئے اس کو روکنے کی مزید کوشش نہیں کی تھی۔

رات کو جب اس بات کا پتہ زیان آفریدی کو چلا کہ سجل واپس جا رہی ہے تو وہ اس کے کمرے میں چلا آیا تھا، وہ بیڈ پر لیٹی چھت کو گھورتے لالہ گل کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی جب زیان اپنے ہی دھیان میں دستک دیئے بغیر اندر داخل ہوا تھا، دروازہ کھلنے کی آواز پہ سجل نے گردن گھما کر دیکھا تھا اور اگلے ہی پل وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھی تھی۔

''ایکسیوزمی آپ میں اتنے ایٹی کیٹس نہیں ہیں کہ کسی کے کمرے میں آنے سے پہلے دروازہ ناک کرتے ہیں۔'' پاس پڑا دوپٹہ اٹھا کر شانوں پہ پھیلاتے اس نے زہر خند لہجے میں کہا تھا لیکن زیان اس کے الفاظ و لہجے اور شکنوں سے بھری پیشانی کی طرف دھیان دیئے بغیر بولا تھا۔

''سجل یہ میں کیا سن رہا ہوں کہ تم واپس جا رہی ہو۔'' زیان کی بات پہ اس نے ایک نظر اس کی سمت دیکھا تھا اور انتہائی چبا چبا کر بولی تھی۔

''جی بالکل ٹھیک سنا ہے آپ نے کہ میں واپس جا رہی ہوں، کیوں آپ کو کوئی اعتراض ہے کیا؟'' زیان نے اس بار بھی اس لہجے پہ غور نہیں کیا تھا وہ ایک ایک قدم اٹھاتا اس کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔

''ہاں ہے نا اعتراض لیکن مجھے نہیں میرے دل کو۔'' اس کو کندھوں سے تھام کر وہ گمبھیر لہجے میں بولا تھا لیکن جونہی اس نے سجل کے کندھوں کو چھوا تھا وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹی تھی۔

''دیکھو اپنی حد میں رہو، میں رہوں یا جاؤں تم کو کوئی حق نہیں پہنچتا مجھے روکنے کا۔'' اس نے لہجے میں ناگواری سموئے غصے سے زیان کے ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا تھا، لیکن زیان نے اس بار بھی اس کی ناگواری کا کوئی خاص نوٹس نہ لیا تھا اور نہ ہی یہ دھیان دیا تھا کہ وہ بھی ہمیشہ اس کو آپ کہہ کر مخاطب کرتی تھی، اب تم پہ آ گئی تھی، وہ تو اپنی ہی سرشاری میں تھوڑا سا اس کی طرف جھکتے

ہوئے شرارتی لہجے میں بولا تھا۔

''اچھا جی اور اگر میں آپ کو یہاں روکنے کا حق حاصل کرلوں تو پھر۔'' اس کی بات پہ بجل گویا انگاروں پہ لوٹ گئی تھی۔

''مسٹر آفریدی دن میں خواب دیکھنا اچھی عادت ہے مگراتنی بھی نہیں یہ یاد رکھیں کہ دن کے خوابوں کی کوئی حقیقت کوئی تعبیر نہیں ہوتی ہے اور جو خواب آپ دیکھ رہے ہیں اسے تو میں ہرگز بھی پورا نہیں ہونے دوں گی۔'' اپنی بات کہہ کر وہ کمرے سے نکل گئی جبکہ زیان وہاں کھڑا سوچ رہا تھا کہ وہ تو اس سے اس طرح بات نہیں کرتی تھی پھر آج ایسا کیا ہوا تھا۔

پھر اس کی واپسی کے دو دن بعد وہ جب ابی پاپا سے زیان آفریدی کے لئے اس کا ہاتھ مانگنے آئے تھے اور جب پاپا نے اس سے اس کی مرضی پوچھی تھی تو اس نے صاف انکار کر دیا تھا، ابی اور منال آپی کے بار بار رشتہ لانے اور مما کے بے انتہا غصے کا سامنا کرنے کے باوجود اس کی ناں ہاں میں نہ بدلی تھی جبکہ دوسری طرف زیان اس کے علاوہ کسی اور کو اپنا ہم سفر بنانے کو تیار نہ تھا، لیکن وہ جب بھی آفریدی ہاؤس جاتا اس کو دیکھتے ہی بجل کے نقوش تن جاتے تھے، اس کو دیکھتے ہی زیان کے چہرے پہ بکھر جانے والی مسکراہٹیں اور روشنیاں بجل کو ہمیشہ زہر لگا کرتیں تھیں، اس کے بار بار کے انکار سے تنگ آ کر ابی نے زیان کی شادی روشانے سے کر دی تھی تو پری گل بہت خوش ہوئی تھی، پری گل اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکی تھی، اگر زیان آفریدی اس کا نہ ہوا تھا تو بجل آفریدی کی محبت بھی اس کے حصے میں نہ آئی تھی، اب جب وہ زیان کو گم صم کھویا کھویا سا دیکھتی تو اس کے دل میں خوشی کی ایک انوکھی لہر سر اٹھاتی تھی اس کو کمینی سی خوشی محسوس ہوتی۔

☆☆☆

منال کافی دنوں سے نوٹ کر رہی تھیں کہ روشانے کچھ چپ چپ اور پریشان سی دکھائی دے رہی ہے، اگرچہ بہت زیادہ تو وہ پہلے بھی نہ بولتی تھی لیکن اب کچھ زیادہ ہی خاموش رہنے لگی تھی، انہیں وہم ہونے لگا تھا کہ ضرور اس کا زیان سے کوئی جھگڑا ہوا ہے اور جب انہوں نے اس سلسلے میں روشانے سے پوچھا تو وہ ہلکے سے مسکرا دی تھی۔

''نہیں بھابھی بھلا ہمارا جھگڑا کیوں ہونے لگا۔'' منال نے اس کی بات پہ بہت دھیان سے اس کے چہرے کو دیکھا تھا اس کی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں کا ساتھ نہ دے رہی تھی اور اس کے چہرے نے منال کو اور تشویش میں مبتلا کر دیا تھا، تبھی روشانے کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولیں تھیں۔

''روشنی اگر تم واقعی مجھے اپنی بڑی بہن سمجھتی ہو تو پلیز مجھے بتاؤ کہ ایسی کون سی بات ہے جس نے تمہیں اتنا پریشان کر رکھا ہے۔'' ان کی بات پہ روشانے نے ایک پل کو ان کی طرف دیکھا تھا پھر بہت دکھ سے گویا ہوئی تھی۔

''میں تو آپ کو اپنی بڑی بہن ہی سمجھتی ہوں بھابھی مگر لگتا ہے کہ آپ مجھے اپنی بہن نہیں سمجھتیں تبھی تو اتنی بڑی بات مجھ سے چھپائی۔'' روشانے کی بات پہ منال نے چونک کر اس کی سمت دیکھا تھا۔

''کیا مطلب روشانے، ایسا کیا چھپایا ہے میں نے تم سے۔''

''یہی کہ زیان شادی سے پہلے کسی اور کو پسند کرتے تھے اتنا زیادہ کہ وہ اس لڑکی کی تصویر آج بھی ان کے والٹ میں لگی ہے۔'' روشانے کی بات پہ منال آفریدی گویا زلزلوں کی زد میں

تھیں وہ اچھی طرح جان گئیں تھیں کہ وہ تصویر کس لڑکی کی تھی، بظاہر یوں لگتا تھا کہ زیان تجل کو بھول چکا ہے، تو کیا وہ ابھی تک...... اس سے زیادہ منال سے سوچا ہی نہ گیا تھا، انہیں خاموش دیکھ کر روشانے آنسو بھرے لہجے میں مزید کہا تھا۔

''مجھے بہت افسوس ہے بھابھی کہ آپ نے بھی مجھ سے سچ چھپایا، مجھے آپ سے یہ امید نہ تھی۔'' پھر روشانے تو اٹھ گئی لیکن منال کتنی دیر تک ساکت وصامت وہاں بیٹھی رہیں، اس سوچ نے انہیں مضطرب کر دیا تھا کہ اگر روشانے کو پتہ چل گیا کہ وہ تصویر کسی اور لڑکی کی نہیں بلکہ ان کی بہن کی ہے تو روشانے کی نظروں میں ان کی کیا عزت رہ جائے گی، اگرچہ اس معاملے میں ان کی بہن کا کوئی قصور بھی نہ تھا اسے تو خبر بھی نہ ہو گی کہ وہ شخص آج بھی اپنے والٹ میں اس کی تصویر لئے پھرتا ہے۔

اگلے دن بچوں کو سکول بھیجنے سے پہلے وہ ان کو پاکٹ منی دے رہی تھیں جب انہوں نے صوفے پہ بیٹھے زیان کو پکارا تھا جو ٹی وی آن کیے کوئی مارننگ شو دیکھ رہا تھا، روشانے اپنے کمرے میں تھی اس وقت لاؤنج میں وہ دونوں اکیلے تھے۔

''زیان تمہارے پاس کچھ کھلے پیسے ہوں گے آئی مین دو تین سو۔''

''جی۔'' زیان نے انہیں پیسے دینے کے لئے والٹ نکالا تھا وہ والٹ سے پیسے چیک کر رہا تھا جب منال نے آگے بڑھ کر والٹ اس کے ہاتھ سے چھین لیا تھا، اس سے پہلے کہ زیان سنبھلتا اور ان سے والٹ واپس لیتا انہوں نے اس کے اندر موجود تجل کی تصویر نکال کر اس کے سامنے لہرائی تھی۔

''واٹ از دس۔'' وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کی سمت دیکھ رہا تھا بولنے کے لئے تو گویا اس کے پاس کچھ تھا ہی نہیں اور اسے یوں خاموش دیکھ کر منال مزید گویا ہوئیں تھیں۔

''شرم آنی چاہیے تمہیں شادی شدہ ہو کر ایسی حرکتیں کرتے ہوئے اور کچھ نہیں تو میرا ہی خیال کر لیتے، سوچو اگر تمہاری بیوی کو یہ پتا چل جاتا کہ تمہارے والٹ میں موجود تصویر کسی اور لڑکی کی نہیں میری بہن کی ہے تو کیا عزت رہ جاتی اس کی نظروں میں میری اور اگر وہ مجھ سے یہ پوچھ لیتی کہ میری بہن کی تصویر اس کے شوہر کے والٹ میں کیا کر رہی ہے تو میں اس کو کیا جواب دیتی۔'' غصے سے اسے دیکھتے منال نے کہا تھا لیکن وہ لب بھینچے خاموش بیٹھا رہا، جیسے کہنے کو کچھ نہ بچا ہو اور بچا بھی تو کچھ نہ تھا تجل آفریدی تو پہلے ہی اس کی نہ ہو سکی تھی اس دشمن جان کی ایک تصویر تھی وہ بھی آج سے گئی، ٹی وی سکرین پر نگاہیں جمائے لب بھینچے خود پہ ہزار ضبط کرتے بھی اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے تھے تو اس اونچے لمبے مرد کو یوں روتے دیکھ کر منال کا دل کٹ کے رہ گیا تھا، ان کا سارا غصہ بھک سے اڑ گیا تھا۔

''کیوں روتے ہو اس کے لئے جس کو تمہاری محبت تمہارے جذبوں کی قدر ہی نہ تھی بھول جاؤ اسے نہیں ہے وہ اس قابل کہ اسے یاد رکھا جائے۔'' زیان کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے انہوں نے کہا تو ان کا اپنا لہجہ بھی بھیگ گیا تھا، زیان اب بھی خاموش ہی رہا تھا، اس کی بھیگی پلکوں کو دیکھ کر منال مزید بولیں تھیں۔

''روشانے بہت اچھی لڑکی ہے زیان بہت محبت کرتی ہے وہ تم سے، لیکن تم اس کو وہ توجہ وہ محبت نہیں دے پا رہے ہو جو اس کا حق ہے اور تو اور اپنے بیٹے تک کو اگنور کر جاتے ہو اور اس چیز کو

اب روشانے نے بھی نوٹ کرنا شروع کر دیا ہے، تبھی تو اتنی پریشان رہنے لگی ہے، میری جان ایک ایسی لڑکی کے لئے جس نے تمہاری محبت کو ٹھکرا دیا اپنی فیملی کو ڈسٹرب مت کرو، تم سمجھ رہے ہو نا میری بات کو۔'' منال کی بات پہ اس نے سر کو اثبات میں ہلا دیا تھا، بولا اب بھی کچھ نہ تھا، منال کچھ دیر اس کے سپاٹ تاثرات سے سجے چہرے کو دیکھا تھا جو بظاہر ٹی وی سکرین پہ نظریں جمائے ہوئے تھا لیکن اس کے اندر کیا چل رہا ہے وہ نہ جانتی تھیں لیکن اس کے بعد یہ ضرور ہوا تھا کہ اب وہ پہلے کی نسبت اپنے بیوی بچوں کو ٹائم دینے لگا تھا، شاہ نیل کو اس نے کبھی نظر بھر کر دیکھا نہ تھا، نہ ہی کبھی اٹھایا تھا مگر اب وہ اکثر زیان کی گود میں پایا جاتا تھا، وہ سجل آفریدی کو بھولا تھا یا نہیں یہ تو کوئی نہ جانتا تھا مگر اب وہ ہنسنے بولنے لگا تھا ایک بار پھر اس کے قہقہے حویلی کے در و دیوار میں گونجنے لگے تھے، لیکن یہ قہقہے اندر سے کتنے کھوکھلے ہوتے تھے یہ صرف زیان آفریدی کا دل جانتا تھا، باقی سب تو اس کی ذات میں آنے والی اس خوشگوار تبدیلی پہ خوش تھے خاص کر اس کے امی، ابے روشانے اور شاہ نیل کے ساتھ خوش دیکھ کر وہ مطمئن ہو گئے تھے کہ ان کا بیٹا اپنی لائف میں سیٹ ہو رہا ہے، وقت کا کام آگے بڑھنا ہے سو اپنی مخصوص رفتار سے بڑھتا رہا اور دو سال گزر گئے، شاہ نیل دو سال کا ہوا تو روشانے ایک بار پھر امید سے ہو گئی۔

☆☆☆

منال اور روشانے کو بچوں کے اور اپنے لئے شاپنگ کرنا تھی روشانے نے اپنا منتھلی چیک اپ بھی کروانا تھا منال نے زیان کو ساتھ چلنے کو کہا لیکن اس نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا۔

''نا بابا نا، آپ لوگوں کو شاپنگ کروانے سے بہتر ہے بندہ گھر میں بیٹھ کر دس جوتے کھا لے۔'' پھر منال کے اصرار پہ بھی وہ نہ مانا تو وہ دونوں رومان کے ساتھ چلی گئیں، رومان کو پشاور کوئی کام تھا روشانے کو ڈاکٹر کو دکھانے کے بعد رومان انہیں بازار اتار کر یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ وہ فارغ ہو کر انہیں کال کر لیں، شاپنگ سے فارغ ہو کر جب انہوں نے رومان کو فون کیا تھا تو وہ اچھا خاصا تپ گئے تھے۔

''ابھی بھی کیا ضرورت ہے واپس جانے کی، میں تو کہتا ہوں ادھر بازار میں ہی رہ لو رات بھی، صحیح کہا تھا زیان نے تم لوگوں کو شاپنگ کروانے سے بہتر ہے بندہ دس جوتے کھا لے۔'' انہوں نے منال کو اچھا خاصا جھاڑ کے رکھ دیا تھا جس پہ وہ محض ہنس دی تھیں، کیونکہ غلطی ان سے بھی ہوئی تھی شاپنگ کے دوران انہیں وقت کا بالکل احساس نہ رہا تھا پہلے ڈاکٹر کے پاس کافی ٹائم لگا دیتی، کر انہوں نے شاپنگ کرتے پوری کر دی فون پہ تو جو ڈانٹ پڑی وہ پڑی روبرو آ کر بھی اچھی خاصی جھاڑ سننے کو ملی تھی۔

''روشانے تمہیں تو میں اچھا خاصا سمجھدار سمجھتا تھا، تم ہی وقت کا احساس دلا دیتی ان محترمہ کو، کیونکہ انہیں تو شاپنگ کرتے کچھ ہوش نہیں رہتا۔'' رومان نے چڑ کر کہا تو منال اس بار چپ نہ رہ سکی۔

''خیر اب ایسی بھی بات نہیں ہے، آپ کو بس موقع چاہیے ہوتا ہے میری بے عزتی کرنے کا۔'' منال کو روشانے کے سامنے اپنی عزت افزائی پہ واقعی غصہ آ گیا تھا تو اس کا پھولا منہ دیکھ کر رومان کو بھی احساس ہو گیا تھا کہ انہیں روشانے کے سامنے اس طرح نہیں کہنا چاہیے تھا، تبھی شرارت سے بولے تھے۔

''ارے بیگم ہماری ایسی کہاں جرأت کہ آپ کی بے عزتی کر سکیں۔'' ان دونوں میاں بیوی کی نوک جھونک پہ روشانے مسکرا رہی تھی، شہر کی حدود سے نکلتے نکلتے اچھا خاصا اندھیرا پھیل چکا تھا، مجتبیٰ آفریدی انہیں دیر ہونے کی وجہ سے گھر میں غصہ ہو رہے تھے۔

''زیان فون کر کے پتہ کرو بیٹا کہ کہاں رہ گئے ہیں وہ، اب تو اندھیرا بھی پھیل چکا ہے اب تک تو آ جانا چاہیے تھا۔'' پتہ نہیں کیا وجہ تھی کہ انہیں صبح سے ہی عجیب سی بے چینی نے گھیر رکھا تھا جو ہر گزرتے منٹ کے ساتھ بڑھتی ہی جا رہی تھی، وہ بار بار سامنے وال کلاک کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''ابی جان آپ تو یونہی پریشان ہو جاتے ہیں، ابھی تھوڑی دیر پہلے تو لالہ سے بات ہوئی ہے میری وہ شہر سے نکل آئے ہیں۔'' اس کی بات سن کر مجتبیٰ آفریدی کمرے میں چلے گئے تو وہ بھی ملازمہ سے بچوں کو کھانا کھلا کر سلانے کا کہہ کر ٹی وی آن کر کے بیٹھ گیا، ابھی اسے ٹی وی دیکھتے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اس کا موبائل بجنے لگا سکرین پہ رومان لالہ کا نمبر دیکھ کر اس کے لب مسکرا اٹھے تھے۔

''یار لالے کہاں رہ گئے ہیں آپ لوگ، یہاں ابی اتنا پریشان ہو رہے ہیں۔'' اس نے فون کان سے لگاتے ہوئے کہا تھا۔

''کیا آپ زیان آفریدی ہیں؟'' اس نے خاموش ہوتے ہی دوسری طرف کسی اجنبی آواز میں سوال کیا گیا تھا، اس سوال پہ اس نے کافی حیران ہو کر دوبارہ موبائل سکرین چیک کی تھی نمبر تو رومان لالہ کا ہی تھا تو یہ آدمی کون تھا۔

''جی میں زیان آفریدی ہی ہوں مگر آپ کون ہیں اور میرے لالہ کا فون آپ کے پاس کیسے؟'' اسے تشویش نے گھیر لیا تھا، تبھی پریشان کن لہجے میں استفسار کیا تو جواب میں جو خبر اس آدمی نے دی تھی اس نے زیان آفریدی کے قدموں تلے سے گویا زمین کھینچ لی تھی۔

''ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور ان کے ساتھ جو دو خواتین تھیں ان میں سے ایک کی ڈیتھ تو موقع پہ ہی ہو گئی تھی جبکہ دوسری والی کی حالت بھی بہت خراب ہے اور آپ کے لالہ کی حالت بھی کافی خراب ہے، ہم لوگوں نے ان کو ہاسپٹل پہنچا دیا ہے۔'' پھر اس آدمی نے ہی پشاور کے اس اسے ہاسپٹل کا نام بتایا تھا جس میں وہ رومان لوگوں کو لے کر گئے تھے، پھر وہ اور ابی جس طرح ہاسپٹل پہنچے تھے یہ صرف وہ دونوں ہی جانتے تھے، اس سے تو گاڑی ڈرائیو ہی نہ ہو رہی تھی، جب وہ ہاسپٹل پہنچے تو منال آفریدی کے ساتھ روشانے آفریدی بھی اس دنیا سے جا چکی تھی، رومان آفریدی آئی سی یو میں زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے تھے، جوان بہوؤں کی نعشیں اور بیٹے کو زندگی اور موت کی کشمکش میں دیکھ کر مجتبیٰ آفریدی وہیں زمین پہ ڈھے گئے تھے۔

زیان آفریدی بہتے آنسوؤں اور کانپتے ہاتھوں سے کبھی ابی کو سنبھال رہا تھا تو کبھی شاذم، حذیفہ اور بلال کے نمبر ٹرائی کر رہا تھا، لیکن کوئی بھی فون اٹینڈ نہ کر رہا تھا، کافی دیر بعد بلال نے کال ریسیو کی تھی اور یہ سن کر کہ منال آفریدی اب اس دنیا میں نہیں رہی وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا تھا، رومان کو پورے دو دن بعد ہوش آیا تھا تب تک منال اور روشانے کے قل بھی ہو چکے تھے، یہ جان کر ان کی محبوب بیوی اور بھابھی اس حادثے میں اپنی زندگیاں ہار گئیں ہیں وہ کچھ اس طرح روئے تھے کہ وہاں موجود ڈاکٹر اور نرس بھی رو دیئے تھے۔

☆☆☆

اس حادثے کو چھ ماہ گزر گئے تھے اور مجتبیٰ آفریدی ان چھ مہینوں میں ہی بہت بوڑھے دکھائی دینے لگے تھے، ان کے جوان بیٹوں کے گھر کیسے لمحوں میں برباد ہوئے تھے ایک قیامت تھی جو حویلی پہ ٹوٹ گئی تھی، اپنے پوتے پوتیوں کو روتے دیکھ کر وہ ہزار ضبط کے باوجود بھی رو دیتے، شہان اور زرش تو پھر بھی تھوڑے سمجھدار تھے، مگر ارسل اور شاہ نیل تو اکثر اپنی ماؤں کے لئے ضد کرتے تھے، شاہ نیل تو ابھی صرف دو سال کا تھا، وہ ضد پہ آ جاتا تو ملازمہ سے بھی سنبھالنا مشکل ہو جاتا، شروع میں تین ماہ شہر بانو آفریدی حویلی میں ہی رہی تھیں بچوں کو روتے دیکھ کر وہ بھی اکثر رونے لگتیں جس سے ان کی طبیعت خراب رہنے لگی تو حذیفہ جو ایک دن ان سے ملنے آیا تھا ان کو شدید بخار میں مبتلا دیکھ کر اپنے ساتھ آفریدی ہاؤس لے گیا، مگر وہ اب بھی ہر پندرہ دن یا مہینے بعد حویلی چکر ضرور لگاتی تھیں، اس دن بھی مرتضیٰ آفریدی اور وہ بچوں سے ملنے آئے ہوئے تھے کہ مجتبیٰ آفریدی ایک بار پھر سجل اور زیان کے رشتے کے لئے ان کے سامنے سوالی بن گئے، اس بار ان کے بہتے آنسو اور کانپتا نحیف وجود مرتضیٰ آفریدی کے ہونٹوں پہ قفل لگا گیا یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان کی بیٹی اس رشتے کے لئے کبھی نہیں مانے گی وہ مجتبیٰ آفریدی کو انکار نہ کر سکے تھے، ان کا سر خود بخود اقرار میں ہل گیا تھا۔

''ٹھیک ہے لالہ جی، جیسے آپ کی مرضی، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' ان کے اقرار پہ جہاں مجتبیٰ آفریدی کے تفکر زدہ چہرے پہ خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی وہیں شہر بانو آفریدی نے کافی حیران و پریشان ہو کر اپنے شوہر کی سمت دیکھا تھا۔

یہ کیسا فیصلہ کر رہے تھے یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان کی لاڈلی بیٹی نے تو آج تک اٹھ کر پانی کا گلاس تک بھر کے نہ پیا تھا تو کہاں اتنے بچوں کی ذمہ داری، شہر بانو اچھی طرح جانتی تھیں کہ سجل اتنی بڑی ذمہ داری اٹھانے کے اہل نہ تھی، لیکن واپس آتے ہوئے گاڑی میں جب انہوں نے اپنے ان خدشات کا اظہار مرتضیٰ آفریدی سے کیا تھا تو وہ لاپرواہی سے بولے تھے۔

''اوہو بیگم آپ بھی نا، بھئی جب سر پہ پڑتی ہے تو سب آ جاتا ہے اور ویسے آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ وہی زیان آفریدی ہے جس کے ساتھ سجل کی شادی کرنے کی خواہش سب سے زیادہ آپ کو ہی تھی۔''

''جی تھی بالکل تھی مگر تب حالات اور تھے۔'' ان کی بات پہ مرتضیٰ آفریدی نے لمحہ بھر کو گردن موڑ کر اپنی شریک حیات کو دیکھا تھا پھر انتہائی طنز سے گویا ہوئے تھے۔

''تو گویا اب آپ کو اعتراض زیان کی پہلی شادی اور ایک بیٹے کا باپ ہونے کی وجہ سے ہے۔'' مرتضیٰ آفریدی کے الفاظ پہ شہر بانو نے انتہائی تاسف اور غصے کا ملا جلا تاثر لئے دیکھا تھا پھر بہت دکھ سے بولیں تھیں۔

''مجھے ہرگز یہ اندازہ نہ تھا مرتضیٰ کہ آپ میری اس بات کا اتنا غلط مطلب لیں گے، ورنہ کبھی اعتراض نہ کرتی اور ایک بات آپ پہ واضح کر دوں کہ زیان مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے اپنے بچوں سے بھی زیادہ، وہ دو تو کیا دس بچوں کا باپ بھی ہوتا تو اس وجہ سے ہرگز انکار نہ کرتی اور اب بھی اگر اعتراض ہے تو صرف اور صرف اپنی بیٹی کے لاابالی پن کی وجہ سے، زیان کی پہلی شادی یا بیٹے کی وجہ سے ہرگز نہیں۔'' شہر بانو

آفریدی کی آخری بات سن کر مرتضیٰ آفریدی انہیں تسلی دیتے ہوئے بولے تھے۔

''بیگم جب ذمہ داری ڈلتی ہے تو نبھانی بھی آجاتی ہے آپ فکر نہ کریں۔'' اس کے بعد شہر بانو آفریدی چپ کر گئیں وہ مزید کچھ بھی کہہ کر مرتضیٰ کی اس سوچ پر مہر ثابت نہیں کرنا چاہتی تھیں کہ انہیں اعتراض زیان کے بیٹے کی وجہ سے ہے۔

گھر آکر جب رات کو کھانے کی میز پہ مرتضیٰ آفریدی نے یہ بتایا کہ وہ سجل کا رشتہ زیان سے طے کر آئے ہیں تو ڈائننگ ہال میں ایکدم خاموشی چھا گئی تھی۔

سب کی نظریں سجل کے چہرے پہ جا ٹھہریں تھیں، اس کا منہ کو نوالہ لے کر جاتا ہاتھ وہیں جم گیا تھا وہ پھٹی پھٹی بے یقین نگاہوں سے پاپا کو دیکھے جا رہی تھی اور اسے اس طرح دیکھتے پاکر ہی مرتضیٰ آفریدی مزید بولے تھے۔

''لالہ جان مجھ سے پہلے بھی کئی بار سجل کا رشتہ زیان کے لئے مانگ چکے تھے اور میں ہر بار انہیں انکار کر دیتا تھا مگر اس دفعہ میں ان کو انکار نہیں کر سکا تو اس کی ایک وجہ یہ اور وہ ہے منال کے بچے، فرض کریں اگر کل کو رومان دوسری شادی کر لیتا ہے تو بچے تو سوتیلی ماں کے رحم و کرم پر آجائیں گے، ایسے میں سجل کی اس حویلی میں موجودگی ان کے لئے بہت ضروری ہے اور اسی لئے میں نے لالہ کو ہاں کہا ہے، اس یقین کے ساتھ کہ میری بیٹی میری بات کی لاج رکھے گی۔'' آخر میں انہوں نے سجل پہ ایک نظر ڈال کر کہا تھا، تو وہ جو ساکت بیٹھی ان کی بات سن رہی تھی چمچ واپس پلیٹ میں رکھ کر ان سے مخاطب ہوئی تھی۔

''پاپا آپ آپی کے بچوں کی وجہ سے میری شادی حویلی میں کر رہے ہیں نا، تو اگر مجھے اپنی بہن کے بچوں کی وجہ سے ہی اس حویلی میں بیاہ کر جانا ہے تو تو ان کے چاچو سے شادی کر کے کیوں، ان کے باپ سے کیوں نہیں۔'' اس کے الفاظ پہ وہاں موجود سبھی نفوس کے بے یقینی سے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے تھے کہ وہ کیا کہہ رہی تھیں کیونکہ رومان کو تو اس نے ہمیشہ شازم، حذیفہ اور بلال لالہ جتنی عزت دی تھی، اس نے ان چاروں میں بھی کوئی فرق نہ کیا تھا تو پھر اب ایسی بات وہ کیسے کر سکتی تھی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے سجل، تم کو اندازہ ہے کہ تم کیا کہہ رہی ہو۔'' شہر بانو آفریدی نے غصے سے اس کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

''جی مما مجھے اچھی طرح اندازہ ہے کہ میں کیا کہہ رہی ہوں، اپنی بہن کے بچوں کے لئے میں رومان لالہ سے شادی کرنے کو تیار ہوں مگر زیان آفریدی سے شادی میں ہرگز نہیں کروں گی۔'' اپنا فیصلہ سنا کر وہ تو کرسی دھکیلتے اٹھ گئی، شہر بانو آفریدی نے انتہائی پریشانی میں اپنے شوہر کی طرف دیکھا تھا، پریشانی ان کے چہرے پہ بھی ڈیرے ڈالے ہوئے تھی اپنی بیٹی کی ضد سے وہ دونوں اچھی طرح واقف تھے اگر ایک بار کسی بات پہ اڑ جاتی تھی تو اس سے ہٹانا مشکل ہو جاتا تھا۔

ایک ہفتے بعد جب مجتبیٰ آفریدی نے نکاح کی ڈیٹ لینے کے لئے کال کی تو مرتضیٰ کو مجبوراً وہ بات انہیں بتانا پڑی تھی جس نے پچھلے ایک ہفتے سے انہیں ڈسٹرب کر رکھا تھا اور ڈسٹرب تو مجتبیٰ بھی ہو گئے، وہ جانتے تھے کہ رومان کبھی بھی نہیں مانے گا سجل کے لئے زیان کے جذبات اس سے پوشیدہ تو نہ تھے پھر پہلے ہی وہ صاف الفاظ میں دوسری شادی سے انکار کر چکا تھا جب انہوں نے اس سے دوسری شادی کی بات کی تھی تو اس نے دوٹوک الفاظ میں انکار کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ

اپنے بچوں کے سر پہ سوتیلی ماں مسلط نہیں کر سکتا، اس کے خیال میں کوئی بھی عورت اپنے شوہر کی ایک آدھ پہلی اولاد کی ذمہ داری تو شاید خوشی خوشی نبھا لے مگر تین تین کی ذمہ داری کوئی مشکل سے ہی لیتا ہے اور وہ کسی کو اس مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے تبھی تو انہوں نے ابی کو مرتضٰی انکل سے زیان اور سجل کے رشتے کی بات کرنے کو کہا تھا ان کے خیال میں سجل ہی اپنی بہن کے بچوں کی ذمہ داری صحیح طریقے سے نبھا سکتی تھی، مگر سجل سے اپنی شادی کا انہوں نے کبھی سوچا بھی نہ ہوگا اور مجتبیٰ آفریدی جانتے تھے کہ یہ بات سن کر ان کا ردعمل کیا ہوگا اور پھر وہی ہوا تھا جب شام کو انہوں نے رومان کو سجل کے فیصلے سے آگاہ کیا تھا تو مارے غصے کے رومان کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا بھی اور شاید چاچو کا بھی۔'' وہ دانت پیستے ہوئے بولے تھے انہیں اتنا غصہ تھا کہ اگر اس وقت سجل ان کے سامنے ہوتی تو وہ اس کا گلا دبانے سے بھی دریغ نہ کرتے اتنی گھٹیا بات سوچنے پہ۔

''اس میں مرتضٰی کا کیا قصور ہے یہ تو سجل کا فیصلہ ہے اس نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ تو شادی کر سکتی ہے مگر زیان سے نہیں تو......'' بات کرتے کرتے ابی کی نظر سامنے اٹھی تھی تو وہ ایکدم چپ کر گئے ان کا یوں سامنے دیکھنا اور پھر چپ ہو جانا رومان نے بھی نوٹ کیا تھا، ایک خدشے نے ان کے اندر سر اٹھایا تھا انہیں کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تھا، انہوں نے تیزی سے گردن موڑ کر ابی کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تھا صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر بظاہر ٹی وی دیکھنے میں مگن زیان ان کی ساری باتیں سن چکا تھا اس چیز کا اندازہ انہیں اس کے بھینچے اور دھواں دھواں ہوتے چہرے سے ہو گیا تھا۔

''یہ کب آیا؟'' دونوں ہی اپنی اپنی جگہ سوچ رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ خود کو اس بات پہ کوس بھی رہے تھے کہ وہ اس کی آمد سے بے خبر کیسے ہو گئے۔

تین عدد نفوس کی موجودگی کے باوجود لاؤنج میں خاموشی کا راج تا پھر ابی تو اٹھ کر چلے گئے رومان بھی کچھ دیر بیٹھ کر اٹھ گئے، مگر زیان آفریدی وہاں بیٹھا سجل آفریدی کی اپنے لئے نفرت کی انتہاؤں کو سوچتا رہا، وہ ساری رات اس نے سگریٹ پھونکتے گزاری تھی ایک بار پھر ٹھکرائے جانے کا دکھ اسے اندر تک سلگا گیا تھا، ساری رات اس نے جاگ کر گزاری تھی۔

تو نیند رومان آفریدی کو بھی نہ آرہی تھی وہ بے تابی سے صبح ہونے کا انتظار کر رہے تھے، صبح ہوتے ہی وہ بغیر ناشتہ کیے اسلام آباد کے لئے نکل گئے تھے، مرتضٰی آفریدی کے آفس میں ان دونوں کی اس ٹاپک پہ کوئی دو گھنٹے بحث ہوئی تھی، رومان آفریدی سجل اور زیان کے نکاح کی ڈیٹ مانگ رہے تھے تو مرتضٰی آفریدی انہیں یہ سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے کہ وہ اپنی پڑھی لکھی باشعور بیٹی کے ساتھ زبردستی کیسے کر سکتے ہیں جب وہ اس رشتے پہ راضی نہیں ہے تو، تقریباً دو گھنٹے کی بحث کے بعد جب رومان آفریدی، مرتضٰی آفریدی کو منانے میں کامیاب ہو ہی گئے تھے، وہ مرتضٰی آفریدی کے آفس سے نکاح کی ڈیٹ لے کر ہی اٹھے تھے، سجل کی ہاؤس جاب کمپلیٹ ہونے میں صرف ڈیڑھ ماہ باقی تھا اور نکاح کی ڈیٹ ڈیڑھ ماہ بعد کی ہی رکھی گئی تھی رومان آفریدی نے شازم، حذیفہ اور بلال کا بھی شکریہ ادا کیا تھا جنہوں نے مرتضٰی آفریدی سے یہ بات منوانے میں ان کا خوب ساتھ دیا تھا۔

☆☆☆

ہاؤس جاب کمپلیٹ ہونے کے ایک ہفتے بعد اس کا زیان سے نکاح کر دیا گیا، نکاح نہایت سادگی سے کیا گیا کیونکہ یہ دونوں فیملو کا مشترکہ فیصلہ تھا، حویلی سے بارات کے نام پہ دو گاڑیوں میں صرف چند افراد آئے تھے، ایک گاڑی میں زیان اور رومان لالہ تھے تو دوسری گاڑی کو جس میں ابی کے ساتھ بچے بھی تھے، عارف خان ڈرائیو کر کے لیا تھا، واپسی میں حویلی پہنچتے پہنچتے کافی رات ہوگئی تھی، حویلی میں اس کا استقبال نہایت سادگی سے کیا گیا، جس پہ سجل آفریدی کا دل راکھ راکھ ہو گیا تھا، اپنی شادی کے حوالے سے ہر لڑکی کے کچھ خواب کچھ ارمان ہوتے ہیں بالکل ویسے ہی اس کے بھی اس دن کے حوالے سے ڈھیروں خواب تھے اور اس کے وہ سارے خواب اس بری طرح ٹوٹ کر چکنا چور ہوئے تھے کہ اس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا، اس کے سارے بہن بھائیوں کی شادیاں بہت دھوم دھام سے کی گئیں تھیں، منال آپی کی شادی پہ اگرچہ وہ اتنی بڑی تو نہ تھی مگر پھر بھی اس کو اچھی طرح یاد تھا کہ کس طرح اس کی شادی کا ہر فنکشن دھوم دھام سے منایا گیا تھا، مایوں، مہندی، بارات، ولیمہ سب بہت شاندار تھا، شادی کی ہر رسم کی گئی تھی آفریدی ہاؤس میں بھی اور حویلی میں بھی، اس دن وہ دلہن بنی آپی کے ساتھ ہی حویلی آ گئی تھی، اسے آج بھی یاد تھا کہ ساری حویلی کیسے دلہن کی طرح سجائی گئی تھی مگر آج تو لگ ہی نہیں رہا تھا کہ یہاں یہ کیسی کی شادی ہے، نئی دلہن کے استقبال کا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا تھا، کچھ دیر بڑے کمرے میں بٹھانے کے بعد ملازمہ اسے زیان آفریدی کے کمرے میں چھوڑ گئی تھی، بیڈ پہ بیٹھے وہ کمرے کی ایک ایک چیز کا جائزہ لے رہی تھی، وہ کمرہ کہیں سے بھی کسی نئی دلہن کا کمرہ نہیں لگ رہا تھا، وہ بیڈ پہ بیٹھی یہ سوچ سوچ کر جل رہی تھی کہ وہ جو گھر میں سب سے لاڈلی تھی سب سے چھوٹی تھی شادی کے نام پہ اس کے حصے میں کیا آیا تھا سوائے ایک بدکردار لائف پارٹنر اور ایک عدد سوتیلی اولاد کے، اپنے اس قدر خسارے پہ اس کا دل ہی نہیں سارا جسم بھی تپتے کوئلے کی مانند جلنے لگا تھا اسے اپنے اندر ایکدم عجیب سی گھٹن کا احساس ہوا تھا، اپنے بے دم ہوتے وجود کے ساتھ اس نے سر کو بیڈ کراؤن سے ٹکا دیا تو اس کے پاس بیٹھی دس سالہ زرش اپنی خالہ جانی کو یوں ہاتھ پاؤں چھوڑتے دیکھ کر گھبرا کر رومان اور زیان کو آوازیں دینے لگی تھی۔

''پاپا، چاچو جلدی آئیں، دیکھیں خالہ جانی کو کیا ہو گیا ہے؟'' زرش کی آواز سن کر وہ دونوں دوڑے چلے آئے تھے، رومان لالہ تیزی سے بیڈ کی طرف بڑھے تھے جبکہ زیان کچھ فاصلے پہ ہی رک گیا تھا۔

''سجل...... سجل گڑیا کیا ہوا ہے؟'' رومان لالہ نے بیڈ پہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اس کو پکارا تھا اور ساتھ ہی اس کی پیشانی کو چھوا تو فوراً بولے۔

''ارے اسے تو بہت تیز بخار ہے اور اس وقت تو کوئی ڈاکٹر بھی نہیں ملے گا۔'' رومان واقعی پریشان ہو گئے تھے، ان کے گاؤں میں ایک چھوٹا سا سرکاری ہسپتال تو تھا مگر اس میں بھی کوئی ڈاکٹر نہ دیکھا تھا کسی نے اس لئے ہسپتال ہمیشہ بند ہی رہتا، اگر کبھی کوئی ڈاکٹر آ بھی جاتا تو ایک دو ماہ بعد واپس ٹرانسفر کروا لیتا، صرف ایک ڈاکٹر زاہد خان کا کلینک تھا وہ بھی صبح گیارہ تا شام چار بجے تک کھلتا تھا اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کلینک بند کر کے پشاور اپنے گھر چلے جاتے، رات کو اگر

کوئی ایمرجنسی ہوتی تو مریض کو پشاور لے کر جانا پڑتا تھا اور اب تو اتنی رات ہو گئی پھر ان کے تو گاؤں کا شہر جانے والا رستہ بھی بہت خطرناک تھا، رومان کا پریشان ہونا یقینی تھا۔

''زیان میرے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کے دراز میں بخار کی ٹیبلٹس ہیں وہ لے آؤ، آتے ہوئے ٹھنڈا پانی بھی لے آنا۔'' انہوں نے زیان کی طرف مڑتے کہا تھا تو وہ جو تشویش بھری نظروں سے بیڈ پہ بے ہوش پڑے وجود کو دیکھ رہا تھا ان کی بات پہ کمرے سے نکل گیا، جب وہ ٹیبلٹس اور پانی لے کر آیا رومان لالہ اس کا زیور اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ چکے تھے۔

بخار کی دوا اور کچھ ماتھے پہ ٹھنڈی پٹیاں رکھنے سے بخار کا زور کچھ ٹوٹا تو اس نے نیم غنودگی میں ہی تھوڑی سی آنکھیں کھولیں تھیں مگر جب نظر رومان لالہ سے ہوتی ان کے پیچھے کھڑی شخصیت کے چہرے پہ پڑی تو ایک گہرا سانس خارج کرتے وہ رومان لالہ کا ہاتھ پیچھے ہٹاتے ہوئے دوسری طرف کروٹ بدل گئی، رومان لالہ بھی اس پہ کمبل پھیلاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے، رات کا جانے کون سا پہر تھا جب پیاس کے شدید احساس سے وہ جاگ گئی تھی۔

''مما پانی۔'' اس نے اپنے خشک ہونٹوں پہ زبان پھیرتے ہوئے پانی مانگا تھا اس کی آنکھیں ابھی بھی بند تھیں، ایک دو تو کیا تین بار پکارنے پہ بھی جب پانی نہ ملا تو اس نے آنکھیں کھول کر اپنے اردگرد دیکھا تھا، نیند سے اٹھنے کی وجہ سے تو اسے سمجھ نہ آئی تھی کہ وہ کہاں پہ ہے مگر جب اس کی نظر خود سے کچھ فاصلے پہ سوئے زیان آفریدی کی پشت پہ پڑی تو وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں جان گئی تھی کہ وہ کہاں پہ ہے، اٹھ کر سیدھا بیٹھتے ہوئے اس کی نظر اپنے حلیے پر گئی تھی

وہ ابھی تک لہنگا پہنے ہوئے تھی، بھاری لہنگے کو سنبھالتے وہ بیڈ سے اتر کر ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئی، چینج کر کے وہ باہر آئی تو ایک نظر بیڈ کی طرف دیکھا تھا زیان اسی طرح کروٹ کے بل سو رہا تھا، ایک نفرت بھری نگاہ اس کی پشت پہ ڈال کر وہ آہستہ قدموں سے چلتی دروازہ کھول کر باہر نکل گئی، اب اس کا رخ بچوں کے کمرے کی جانب تھا، اس نے آہستہ سے دروازہ کھول کے دیکھا وہ چاروں اپنے اپنے بیڈ پہ گہری نیند کے مزے لوٹ رہے تھے اندر داخل ہو کر اس نے دروازہ بند کیا اور ارسل کا کمبل ہٹا کر اس کے پاس لیٹ گئی گہری نیند میں سویا ارسل تھوڑی دیر کو کسمسایا تھا پھر اس سے لپٹ کے سو گیا بالکل اسی طرح جس طرح وہ منال سے لپٹ کے سوتا تھا، اس نے ارسل کا ماتھا چوم کر اس کے گرد اپنا بازو پھیلا دیا، جبکہ اس کے آنسو موتیوں کی صورت گر گر کر تکیے میں جذب ہو رہے تھے، زندگی کس مقام پہ لے آئی تھی اسے، باقی کی ساری رات اس نے جاگتے اور روتے ہوئے گزاری تھی۔

☆☆☆

وہ بچوں کو ناشتہ کرا رہی تھی جب زیان نے آ کر اس کے بالکل سامنے والی کرسی سنبھالی تھی ارسل کے لئے دودھ گلاس میں ڈالتے سجل نے بس ایک نظر سامنے دیکھا تھا اور فوراً نظروں کا زاویہ بدل کر شہان اور زرش کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''زرش، شہان جلدی کرو بیٹا، عارف خان کب سے آوازیں دے رہا ہے۔'' ارسل کے لبوں سے دودھ کا گلاس لگاتے اس نے زرش اور شہان کو ٹوکا تھا جو اس بات کی پرواہ کیے بغیر کہ انہیں سکول سے دیر ہو رہی ہے آپس میں باتوں میں مصروف تھے اس کے ٹوکنے پہ وہ دونوں فوراً

ناشتے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

''بس اور نہیں۔'' ارسل نے دو تین گھونٹ لینے کے بعد گلاس پرے ہٹاتے ہوئے کہا تو وہ اس کو پچکارتے ہوئے بولی تھی۔

''ارے میرا شہزادہ دودھ نہیں پیئے گا تو بڑا کیسے ہو گا، اس لئے میری جان یہ پورا گلاس ختم کرنا ہے۔'' اس نے جھک کر ارسل کے گلابی گلابی گلال چوم ڈالے تو خالہ بھانجے کے درمیان پیار محبت کے اس مظاہرے پہ ارسل کے ساتھ والی کرسی پہ بیٹھے ساڑھے تین سالہ شاہ نیل آفریدی نے بہت حسرت بھری نظروں سے ان دونوں کی جانب دیکھا تھا، آٹھ ماہ ہو گئے تھے سجل کو اس حویلی میں آئے ہوئے اور ان آٹھ ماہ میں کبھی ایک بار بھی اس نے شاہ نیل سے اس طرح پیار نہیں کیا تھا جس طرح وہ شہان، زرش یا پھر ارسل سے کرتی تھی، اگرچہ اس عرصے میں وہ اپنے آپ کو حویلی کے ماحول میں اچھی طرح ایڈجسٹ کر چکی تھی گھر کے سارے کام وہ اپنی نگرانی میں کرواتی، بچوں کے سارے کام وہ اپنے ہاتھوں سے انجام دیتی تھی ان کا ناشتہ کھانا، ان کو تیار کر کے سکول بھیجنا، ان کا ہوم ورک کمپلیٹ کروانا، یہ سارے کام وہ خود کرتی تھی البتہ شاہ نیل کے سارے کام اب بھی ریشم ہی کرتی تھی، اس کے کپڑے تبدیل کرنا، اس کو کھانا کھلانا اس کا ہوم ورک بھی ریشم ہی کرواتی تھی وہ میٹرک پاس تھی، سجل کے اس رویے پہ رومان لالہ کئی بار اسے ٹوک چکے تھے، مگر وہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتی، شاہ نیل اس کے رویے کے سرد پن کو محسوس کر کے کئی بار بہانے بہانے سے رونے لگتا تھا اور اب بھی ایسا ہی ہوا تھا اسے ارسل سے اس طرح پیار کرتے دیکھ کر شاہ نیل کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں تھیں، اپنے بیٹے کا حسرت بھری نگاہوں سے سجل اور ارسل کی جانب دیکھنا اور پھر اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کا جمع ہونا زیان آفریدی سے چھپا نہ رہا تھا۔

''ریشم تم میرے لئے پراٹھا اور آملیٹ بنا کر لے آؤ، اسے ناشتہ میں کرواتا ہوں۔'' اس نے شاہ نیل کو ناشتہ کراتی ریشم سے کہا تھا جس پہ وہ اٹھ کر کچن میں چلی گئی، تو وہ اپنی چیئر سے اٹھ کر شاہ نیل کے برابر والی چیئر پہ آ گیا، اپنے اندر امڈتے غصے کو دباتے وہ شاہ نیل کو ناشتہ کرانے لگا پچھلے آٹھ ماہ سے وہ بچوں کے کمرے میں سو رہی تھی اس کو سامنے پا کر سجل آفریدی کے چہرے پہ چھانے والی بیزاری و ناگواری کے سائے اس سے پوشیدہ نہ تھے، بہت عرصے سے وہ اپنی ذات کا رد کیا جانا برداشت کر رہا تھا مگر اپنے بیٹے کا نظر انداز ہونا اس سے برداشت نہ ہوا تھا، تبھی تو جب وہ بچوں کے سکول جانے کے بعد ان کے کمرے میں آ کر بکھری چیزیں سمیٹ رہی تھی تو وہ اس کے پیچھے ہی چلا آیا تھا۔

''تمہاری جو بھی دشمنی ہے نا وہ میرے ساتھ ہے اپنی اس نفرت اور دشمنی کا دائرہ میرے تک ہی محدود رکھو تو بہتر ہے اس کی لپیٹ میں میرے بیٹے کو مت گھسیٹو، ورنہ بہت پچھتاؤ گی۔'' انگلی اٹھا کر وارن کرنے والے انداز میں دانت پیستے اس نے اپنی بات مکمل کی تھی اور جانے کو واپس مڑا مگر ابھی وہ دروازے کے پاس ہی پہنچا تھا جب اسے سجل آفریدی کی غصے بھری آواز سنائی دی تھی۔

''ورنہ...... ورنہ کیا کر لو گے تم۔'' زیان کا دھمکی دینے والا انداز اس کو گویا آگ لگا گیا تھا، وہ بھلا ان لہجوں کی کہاں عادی تھی جو برداشت کرتی، تبھی بہت بدتمیزی سے اس سے مخاطب

ہوئی تھی مگر اس کا یہ چیلنجنگ اور گستاخانہ لہجہ زیان آفریدی پہ اس طرح اثر کرے گا اس چیز کا اسے ہرگز اندازہ نہ تھا، وہ دروازے پہ کھڑا اگردن موڑے کچھ پل اس کو دیکھتا رہا جو آنکھوں میں نفرت کے سارے رنگ لئے اس کو دیکھ رہی تھی، پھر ایکدم نجانے اس کے دل میں کیا آئی تھی کہ اس کے لب مسکرا اٹھے تھے اور اسی طرح مسکراتے ہوئے اس نے کمرے کا دروازہ کھلا نہ صرف بند کیا تھا بلکہ اندر سے لاک بھی کر دیا اسے دروازہ لاک کرتے اور پھر اپنی جانب بڑھتے دیکھ کر سجل آفریدی کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔

''دیکھو میرے قریب مت آنا، ہاتھ میں مت لگانا مجھے نہیں تو......'' وہ ایک ایک قدم اٹھاتا اس کی جانب بڑھ رہا تھا جب اس نے اپنے اڑی رنگت اور ساتھ چھوڑتے حواسوں کو سمیٹ کر بالکل زیان والے انداز میں انگلی اٹھا کر اسے وارن کرتے ہوئے کہا تھا اور ساتھ ہی ادھر ادھر دیکھتے اپنے بچاؤ کی کوئی صورت تلاش کرنے کی کوشش کی تھی، اسی اثناء میں اس کی نظر شہان کے بیڈ کے ساتھ پڑے اس کے بیٹ پہ گئی تھی اور اگلے لمحے اس نے وہ بیٹ پکڑ کر پورے زور سے زیان کی طرف اچھالا تھا اور پھر یہ دیکھے بغیر کہ وہ بیٹ زیان آفریدی کے کہاں لگا تھا وہ شہان کے بیڈ کو پھلانگتے واش روم میں بند ہو چکی تھی، باہر کھڑا زیان اپنے کندھے کو سہلاتے ہوئے غصے اور بے بسی سے واش روم کے بند دروازے کو ٹھوکر رسید کر کے رہ گیا پھر سارا دن اس کا موڈ آف ہی رہا مگر رات کو وہ جونہی ڈائننگ ہال میں داخل ہوا تھا سامنے کا منظر دیکھ کر اس کا سارا غصہ جاتا رہا، کیونکہ سامنے ہی وہ دشمن جان ارسل اور شاہ نیل کو کھانا کھلا رہی تھی ارسل اس کے دائیں طرف اور شاہ نیل بائیں طرف بیٹھا تھا وہ باری باری دونوں کے منہ میں نوالے ڈال رہی تھی، شاہ نیل کے منہ میں نوالہ ڈالتے اس کے چہرے کے بننے والے زاویے دیکھ کر وہ جان گیا تھا کہ وہ صرف اس کی دھمکی کے ڈر سے یہ کام کرنے پہ مجبور ہوئی ہے، اندر سے وہ اتنی ڈرپوک ہو گی یہ بات زیان آفریدی کے چہرے پہ تبسم پھیلا گئی، وہ دروازے کے فریم میں کھڑا ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہا تھا اور یہ شاید اس کی نظروں کا ارتکاز ہی تھا کہ سجل نے سر اٹھا کر سامنے دیکھا تھا اسے اس طرح مسکراتے دیکھ کر وہ مارے غصے کے پہلو بدل کے رہ گئی اور اسی غصے میں جلتے بھنتے بے دھیانی میں اس نے ایک بڑا سا نوالہ توڑ کر شاہ نیل کے ننھے سے منہ میں ٹھونس دیا تھا کہ اس بیچارے سے منہ بند کرنا مشکل ہو گیا تھا۔

''بیوی نوالہ ذرا چھوٹا رکھو کیونکہ تم شاہ نیل کے باپ کو نہیں شاہ نیل کو کھانا کھلا رہی ہو انڈر سٹینڈ۔'' وہ اس کے برابر کرسی سنبھالتے آہستہ مگر شرارتی لہجے میں بولا تھا، اس کی اس بات پر سجل کا دل کیا تھا کہ ہاتھ میں پکڑا پانی کا گلاس اس پہ انڈیل دے مگر ابی اور رومان لالہ کی موجودگی کی وجہ سے وہ چپ ہی رہی تھی۔

☆☆☆

زرش، شہان اور وہ تینوں کارپٹ پہ بیٹھے لڈو کھیل رہے تھے رومان لالہ صوفے سے ٹیک لگائے اپنا فیورٹ ٹاک شو ملاخطہ فرما رہے تھے زیان صوفے پہ دراز ہیڈ فون لگاتے اپنا فیورٹ سونگ۔

تیرے مست مست دو نین
میرے دل کا لے گئے چین

سے لطف اٹھا رہا تھا وہ مکمل طور پہ راحت فتح علی خان کی آواز کے سحر میں ڈوبا ہا تھا جب شاہ نیل نے اس کا کندھا ہلا کر اس کو اپنی جانب متوجہ

کرنے کی کوشش کی تھی۔

''کیا ہے؟'' اس نے ہیڈ فون اتار کر دریافت کیا۔

''پاپا وہ لوگ مجھے نہیں کھیلا رہے۔'' شاہ نیل انگلی سے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا جہاں وہ لوگ کھیل رہے تھے اس کی شکایت پہ اس نے لیٹے لیٹے گردن موڑ کر وہاں دیکھا تھا جہاں وہ تینوں نیچے کارپٹ پر براجمان لڈو کھیل رہے تھے۔

''شہان، زرش، شاہ نیل کو بھی اپنے ساتھ کھیل میں شامل کرو بیٹا۔'' اس نے وہیں سے آواز دے کر کہا تھا اپنی بات پہ سجل کے ماتھے پہ پڑنے والے بل وہ بخوبی دیکھ چکا تھا وہ اس کے بالکل سامنے ہی تو بیٹھی ہوئی تھی اس نے آہستہ سے شہان کے کان کے قریب کچھ کہا تھا۔

''چاچو اس کو بالکل بھی کھیلنا نہیں آتا اور ویسے بھی ہم چار لوگ پورے ہیں۔'' شہان نے زیان کی طرف رخ کرتے ہوئے کہا تھا زیان جانتا تھا کہ وہ یہ بات کس کے کہنے پہ کہہ رہا ہے سجل کے ملتے ہونٹ وہ دیکھ چکا تھا، کچھ دیر وہ یونہی اس کو دیکھے گیا پھر ایکدم اس کے دل میں نہ جانے کیا آئی تھی کہ موبائل اور ہیڈ فون ٹیبل پہ رکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا ان لوگوں کے قریب جا کر ارسل کو اس کی جگہ سے ہٹا کر سجل کے بالکل سامنے بیٹھتے ہوئے وہ بڑے اطمینان سے شہان سے مخاطب ہوا تھا۔

''چلو یار کوئی بات نہیں شاہ نیل کو کھیلنا نہیں آتا تو کیا ہوا اس کے پاپا کو تو آتا ہے نا۔'' اس کے لبوں پہ شریر سی مسکراہٹ نے ڈیرا ڈالا ہوا تھا اس کی بات پہ زرش اور شہان بہت خوش ہوئے تھے کیونکہ آج ایک عرصے بعد ان کے چاچو ان کے ساتھ کھیلنے لگے تھے ایک وقت تھا جب وہ ہر وقت ان کے ساتھ بچہ بنا رہتا تھا مگر پچھلے کچھ سالوں سے تو وہ چاچو کے ساتھ کھیلنے کو ترس گئے تھے، تبھی تو اب خوشی خوشی اس کو کھیل میں شامل کرنے کے لئے زرش نے ہاتھ مار کر جاری کھیل کو الٹ پلٹ کر کے پھر سے ترتیب دینا شروع کر دیا تھا، زرش کی اس حرکت پہ سجل کو غصہ تو بہت آیا تھا مگر خود پہ ضبط کرتے وہ یہ کہتے ہوئے وہاں سے اٹھنے لگی تھی۔

''او کے بچو آپ لوگ کھیلو میں ذرا کچن میں دیکھ لوں کہ ریشم کیا کر رہی ہے۔'' زیان آفریدی کے ساتھ کھیلنا اس کو ہر گز گوارا نہ تھا تبھی تو بہانہ بنا کر اٹھنا چاہا تھا اس کی اس حرکت پہ زیان آفریدی کی آنکھیں توہین کے احساس سے ایکدم سرخ ہونے لگیں تھیں اشتعال کی ایک لہر نے اس کے اندر سر اٹھایا تھا، اس نے تیزی سے اٹھتی ہوئی سجل کی کلائی تھامی تھی اور وہ جو ابھی پوری طرح کھڑی بھی نہ ہوئی تھی دھڑام سے دوبارہ نیچے آ رہی تھی، اس کا پاؤں اس بری طرح دہرا ہوا تھا کہ درد سے اس کی چیخ نکل گئی تھی، جبکہ آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں تھیں زیان آفریدی اس کی آنسوؤں بھری آنکھوں کی پرواہ کیے بغیر غصے میں غرایا تھا۔

''سمجھتی کیا ہو تم خود کو اور مجھے کیا سمجھ رکھا ہے تم نے کہ جو مرضی رویہ رکھو گی تم میرے ساتھ اور میں چپ چاپ تمہاری ہر بدتمیزی برداشت کر جاؤں گا ہرگز نہیں۔'' اس کی آنکھوں میں تیرتے آنسوؤں کو نظر انداز کرتے وہ اس کی کلائی مروڑتے غصے میں غرایا تھا اس لمحے اس پہ اپنی توہین کا احساس پوری طرح غالب تھا سجل نے اپنے پاؤں میں اٹھتے درد پہ قابو پاتے ہوئے اس کے ہاتھ سے اپنی کلائی چھڑانی چاہی تھی مگر مقابل کی گرفت فولادی تھی، ابی سے بات کرتے ہوئے

رومان لالہ کی نظر یونہی ان لوگوں کی طرف اٹھی زیان کا غصے کی شدت سے سرخ چہرہ اور اس کے ہاتھ سے اپنی کلائی چھڑاتی سجل کے بہتے آنسو زرش اور شہان کو سہمے سہمے چہرے ایک لمحہ لگا تھا رومان کو صورتحال کی سنگینی کو بھانپنے میں۔

''زیان کیا بدتمیزی ہے یہ چھوڑو اس کا ہاتھ۔'' ابی کی موجودگی کی وجہ سے رومان نے قدرے آہستہ مگر خفگی بھری آواز میں کہا تھا جبکہ ان کی نظریں سجل کے چہرے پہ جمی تھیں جس کے آنسو اس کے گالوں کو بھگو رہے تھے، رومان لالہ کے کہنے پہ اس نے ایک جھٹکے سے سجل کی کلائی چھوڑ دی تھی اور ایک قہر بار نگاہ اس پہ ڈال کے وہاں سے اٹھ گیا، رومان لالہ روتی ہوئی سجل کو دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے۔

''جب تمہیں اس کے غصے کا پتہ ہے تو مت الجھا کرو اس سے۔'' انہوں نے اس کو کارپٹ سے اٹھا کر صوفے پہ بیٹھاتے ہوئے کہا تھا ان کی بات پہ وہ غصے سے بھڑک اٹھی تھی۔

''جی غصہ تو صرف آپ کے بھائی میں ہی ہے، باقی سب تو انسان نہیں ہیں نا، دوسروں کے تو کوئی جذبات کوئی احساسات نہیں ہیں اور آپ تو مجھ سے بات مت کریں آپ کی وجہ سے ہی پہنچی ہوں میں اس حال کو۔'' اس نے رومان لالہ کی طرف دیکھتے ہوئے انتہائی تلخ لہجے میں کہا تھا، رومان آفریدی کچھ دیر خاموش نظروں سے اس کا خفا خفا سا چہرہ دیکھتے رہے، پھر قدرے دھیمے مگر شرارتی لہجے میں بولے تھے۔

''یار اس میں میرا کیا قصور ہے خود ہی تو اپنے حال کو بے حال کیے رکھتی ہو اور ساتھ میں میرے بیچارے معصوم بھائی کو بھی، اچھا خاصا ہنستا مسکراتا بندہ تھا، اب ہر وقت غم کی تصویر بنا پھرتا ہے تو کچھ قصور تو تمہارا بھی نکلتا ہے نا لڑکی۔''

رومان لالہ کی بات پہ اس کے چہرے پہ طنزیہ مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

''ہوں معصوم اس کا بھائی کتنا معصوم ہے لالہ کبھی پتہ چلے آپ کو تو اس بات پہ شرمندگی محسوس کریں آپ، کہ آپ اس شخص کے بھائی ہیں۔'' یہ اس نے دل میں سوچا تھا کہا کچھ نہیں تھا۔

صبح تک اس کا پاؤں نہ صرف سوج گیا تھا بلکہ اس سے ایک قدم بھی نہ چلا جا رہا تھا پاؤں پہ تھوڑا سا دباؤ پڑنے سے اس کے سارے جسم کی جان پاؤں میں آن سمٹتی تھی۔

''لگتا ہے موچ آ گئی۔'' رومان لالہ نے اس کے سوجے ہوئے پاؤں کو دیکھنے کے بعد کہا تا، پورا ایک ہفتہ اس سے صحیح طرح چلا نہ گیا تھا اور اس عرصے میں اس نے دل ہی دل میں زیان آفریدی کو ڈھیروں گالیوں سے نوازا تھا، وہ زیان کو دیکھتے ہی نفرت سے منہ موڑ جاتی، جب پاؤں ٹھیک ہوا تو ایک اور پریشانی اس کی منتظر تھی کیونکہ شہر بانو آفریدی ڈرائیور کے ساتھ حویلی چلی آئیں، ڈرائیور تو ان کو چھوڑ کر چلا گیا جب کہ شہر بانو آفریدی حویلی میں رک گئیں وہ کچھ دن حویلی میں رہنے کے ارادے سے آئیں تھیں، سجل کو جب یہ پتہ چلا کہ وہ کچھ دن حویلی میں قیام کریں گی تو وہ یہ سوچ کر کہ ان کی موجودگی میں اس کو زیان آفریدی کے بیڈروم میں سونا پڑے گا پریشان ہو اٹھی تھی، مگر وہ کر بھی کچھ نہیں سکتی تھی اب مما سے یہ تو نہیں کہہ سکتی تھی کہ آپ کیوں آئیں ہیں، واپس چلی جائیں سورات کو مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق زیان کے کمرے میں چلی آئی، رات زیان جس وقت کمرے میں آیا وہ صوفے پہ سو چکی تھی، اس پہ نگاہ پڑتے ہی اس کے چہرے کے زاویے تن گئے تھے، وہ بخوبی جانتا تھا کہ آج

محترمہ اس کے بیڈ روم میں کیوں تشریف فرما تھیں۔

ورنہ عام حالات میں تو یہ بیڈ روم اس کے لئے ممنوعہ علاقہ ہی ہوتا تھا خاص کر جب زیان کمرے میں موجود ہوتا تو وہ ادھر جھانکنا بھی گوارا نہ کرتی تھی، اپنے کپڑے وغیرہ بھی وہ تب نکال لیتی تھی جب وہ حویلی میں نہیں ہوتا تھا۔

☆☆☆

شہر بانو آفریدی کو حویلی آئے ابھی تھوڑے دن ہی ہوئے تھے کہ حذیفہ کے سسر کی ڈیتھ ہو گئی جس وجہ سے انہیں واپس جانا پڑا وہ فجر کی نماز سے فارغ ہی ہوئیں تھیں کہ حذیفہ کا فون آ گیا رومان آفریدی ان کو چھوڑنے جا رہے تھے، جانے سے پہلے انہوں نے ریشم کو جو ابھی اٹھ کر اپنے کوارٹر سے آئی تھی سجل کو بلانے بھیجا ریشم کے دو تین بار دستک دینے کے باوجود اندر سے کوئی جواب نہ ملا تو اب کی بار اس نے قدرے زور سے دروازہ بجایا تھا، زیان نے واش روم سے نکل کر دروازے کی سمت بڑھتے ہوئے ایک تیکھی سی نگاہ صوفے پہ سوتے وجود پہ ڈالی تھی اس نے واش روم میں دستک کی آواز سن لی تھی جبکہ وہ محترمہ گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہی تھیں۔

''کون؟'' دروازہ کھولنے سے پہلے اس نے خیال سے پوچھا تھا کہ باہر کہیں شہر بانو آفریدی نہ ہوں کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ سجل کو صوفے پہ سوتے ہوئے دیکھ لیں۔

''خان جی میں ہوں ریشم۔''

''ہاں بولو کیا بات ہے؟'' ریشم کی آواز سن کر اس نے سکون کا سانس لیتے ہوئے تھوڑا سا دروازہ وا کر کے دریافت کیا تھا۔

''خان جی وہ بڑی بی بی واپس جا رہی ہیں انہوں نے آپ دونوں کو بلایا ہے۔'' ریشم کے جانے کے بعد اس نے صوفے کی سمت دیکھا تھا وہ ابھی تک کمبل میں منہ دیئے سو رہی تھی، ہاتھ میں پکڑے تولیے کو سنگل صوفے پہ اچھالتے ہوئے وہ تھری سیٹیڈ صوفے کے قریب چلا آیا جس پہ وہ سو رہی تھی۔

''اے محترمہ اٹھ جاؤ، آنٹی واپس جا رہی ہیں ان سے مل لو۔'' اس نے تھوڑا سا جھک کر سجل کے چہرے سے کمبل ہٹاتے ہوئے کہا سجل نے نیند میں ڈوبے ذہن کے ساتھ ایک لمحے کو آنکھیں کھول کر دیکھا تھا اور دوسرے لمحے پھر سے آنکھیں موند لیں جس پہ زیان کڑھ کر رہ گیا۔

''سنا نہیں تم نے آنٹی واپس جا رہی ہیں وہ ہم سے ملنے کے لئے نیچے ہمارا انتظار کر رہی ہیں۔'' اس کی بار اس نے غصے سے اس کا بازو تھام کر لیٹے سے بٹھا دیا تھا، اس کی اس حرکت پہ سجل آفریدی بھڑک اٹھی تھی۔

''سن لیا ہے بہری نہیں ہوں میں اور بازو چھوڑ میرا۔'' زیان کی گرفت سے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے اس نے کافی بدتمیزی سے کہا تھا، اس کے چہرے پہ چھائی ناگواری و بےزاری اور لہجے کی بدتمیزی نے زیان کو بھی اس سے دوگنا زیادہ بھڑکا دیا تھا، تبھی اپنی آہنی انگلیاں اس کے بازو میں پیوست کر کے ایک جھٹکے سے اس کو اپنے سامنے کھڑا کیا تھا۔

''آئندہ مجھ سے اس لہجے میں بات نہ کرنا ورنہ بہت پچھتاؤ گی، کیونکہ میں ایسے لہجوں کا بالکل عادی نہیں ہوں انڈر سٹینڈ۔'' اس کے چہرے پہ اپنی سرخ انگارہ آنکھیں ٹکاتے ہوئے اس نے انتہائی درشتگی سے کہا تھا اور اسے صوفے پہ دھکا دیتے لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے نکلتا چلا گیا وہ کتنے ہی پل صوفے پہ بے حس و حرکت بیٹھی دروازے کی سمت دیکھتی رہی جہاں سے وہ

باہر گیا تھا۔

"آئی نو مسٹر زیان آفریدی آئی نو ویری ویل کہ تم ان لہجوں کے عادی نہیں ہو تم تو صرف ان لہجوں کے عادی ہو جو تمہیں سراہیں تمہاری محبت کا دم بھریں اور پھر ان لہجوں کی مالک ہستیوں کا جو حشر تم کرتے ہو اس سے بھی میں اچھی طرح آگاہ ہوں۔" یہ سب سوچتے لالہ گل کا معصوم چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم گیا تو وہ جلتی کڑھتی اٹھ کر واش روم میں گھس گئی۔

☆☆☆

وہ کچن میں کھڑی بریانی بنا رہی تھی کیونکہ زرش نے بریانی کی فرمائش کی تھی اور وہ زرش اور شہان لوگوں کے منہ سے نکلنے والی ہر فرمائش فوراً پوری کرنے کھڑی ہو جاتی تھی اب بھی اگرچہ اسے ہلکا سا ٹمپریچر بھی تھا مگر اس کے باوجود وہ کچن میں کھڑی بریانی بنا رہی تھی۔

"سجل بی بی آپ کو پتہ ہے پری گل حویلی واپس آ گئی ہے، اس کے شوہر نے اس کو گھر سے نکال دیا ہے۔" ریشم نے کھیرا کاٹتے کاٹتے اسے اطلاع دی تھی، تو اس کے حرکت کرتے ہاتھ ایک لمحے کو ساکت ہو گئے تھے۔

"میں صبح ملنے گئی تھی جی اس کے کوارٹر میں وہ بیچاری بتا رہی تھی کہ اس کا شوہر اسے بہت مارتا پیٹتا ہے بہت رو رہی تھی جی وہ۔" سجل کو متوجہ پا کر ریشم نے مزید اطلاع دی تو سجل آفریدی کا دل دکھ سے بھر گیا کیا قسمت پائی تھی ان دونوں بہنوں نے بھی ایک محبت کے جال میں پھنس کر زندگی ہار گئی اور دوسری شوہر کے ہاتھو مار کھا رہی تھی، رات کو وہ پری گل سے ملنے ان کے کوارٹر میں چلی آئی پری گل سے مل کر اس کا دل دکھ سے بھر گیا تھا پری گل نے روتے ہوئے اس کو وہ ساری باتیں بتائی تھیں جو دوپہر میں وہ ریشم کی زبانی سن چکی تھی، پری گل کو روتے دیکھ کر اس کی اپنی آنکھوں میں بھی نمی تیرنے لگی تھی، اسے پری گل پہ ڈھیروں ترس آ رہا تھا مگر وہ اس کے لئے کچھ بھی نہ کر سکتی تھی وہ تو اپنے لئے کچھ نہیں کر سکی تھی تو پری گل کے لئے کیا کرتی اس سوچ نے اس کے اندر بے چینی پھیلا دی تھی پھر روز شام کو وہ پری گل سے ملنے چلی آتی۔

"ام ایک بات پوچھے بی بی تم برا تو نہیں مانے گا۔" اس وقت بھی وہ پری گل کے پاس ان کے کوارٹر میں تھی جب پری گل نے سجل کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ارے بالکل بھی نہیں تم بولو کیا پوچھنا ہے۔" سجل نے اس کے ہاتھوں کو تھام کر نرمی سے کہا تھا۔

"ام کو یقین نہیں آتا بی بی کہ تم نے سب کچھ جانتے ہوئے بھی زیان خاناں جیسے بندے سے شادی کیسے کر لیا۔" پری گل کے منہ سے نکلنے والے الفاظ نے کچھ پل سجل آفریدی کے لبوں پہ قفل لگا دیئے تھے، اسے سمجھ نہ آ رہی تھی کہ وہ پری گل کو کیا جواب دے، پری گل کی خاموش نظریں سجل کے چہرے پہ ٹکی تھی وہ سجل کے رنگ بدلتے چہرے کو بہت دھیان سے دیکھ رہی تھی اور جب اس نے سجل کو خاموش پا کر پھر سے اپنا سوال دہرایا تو سجل کے ہونٹوں پہ تلخ مسکراہٹ ابھری تھی اور جب وہ بولی تو لہجہ اس سے بھی تلخ تھا۔

"مجبوری میری جان مجبوری، مجبوری بندے سے سب کچھ کروا لیتی ہے۔" اس کی بات پہ پری گل نے طنزیہ نگاہوں سے اس کی سمت دیکھا تھا۔

"ام نہیں مانتا بی بی بالکل بھی نہیں مانتا بھلا تم بڑے لوگ بھی کبھی مجبور ہوئے ہو۔"

"تم نے بالکل ٹھیک کہا ہے کہ بڑے لوگ

کبھی مجبور نہیں ہوتے مگر تم شاید یہ نہیں جانتی ہو کہ بڑے لوگوں کے بیٹے مجبور نہیں ہوتے، بیٹیاں تو بڑے لوگوں کی بھی اتنی ہی بے بس اور لاچار ہوتی ہیں جتنی کہ تم لوگ۔'' بولتے بولتے کتنے ہی آنسو گر کر اس کے گالوں کو بھگونے لگے تھے تو وہ وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

''تو کیا بی بی خوش نہیں ہے۔'' اس سوچ نے پری گل کے اندر تک ٹھنڈک ڈال دی تھی کیونکہ اگر بجل آفریدی خوش نہیں تھی تو یہ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ زیان آفریدی خوش رہ سکتا وہ بجل آفریدی کو بہت اچھی طرح جانتی تھی پری گل کی نگاہوں کے سامنے کئی منظر گھوم گئے حویلی آتے جاتے کئی بار اس کا سامنا زیان آفریدی سے ہوا تھا اس کا اداس اداس چہرہ اس بات کا غماز ہوتا تھا کہ اپنی محبت کو پا کر بھی وہ تہی داماں تھا اور اس کو اداس دیکھ کر ہر بار ایک کمینی سی خوشی پری گل کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی تھی جیسے کہ اب وہ بجل کے منہ سے یہ جان کر خوش ہو رہی تھی کہ وہ زیان آفریدی کے ساتھ خوش نہیں ہے۔

☆☆☆

پری گل کے شوہر جبل خان نے اس کو طلاق بھجوا دی پری گل کی بوڑھی دادی تو اس صدمے پہ چارپائی سے جا لگی، پہلے ایک پوتی کی موت اور اب دوسری کی شادی شدہ زندگی کی بربادی پہ دادی نے رو رو کر حشر کر لیا تھا دادی یہ بھی جانتی تھی کہ اس کی پوتی نے یہ بربادی اپنے ہاتھوں سے خریدی تھی۔

''خدا کے لئے دادی اب بس کر دے، تم تو ایسے رو رہا ہے جیسے طلاق ام کو نہیں تم کو ہوا ہے، اتنا غم تو ام کو بھی نہیں ہوا جتنا سوگ تم منا رہا ہے۔'' اس وقت بھی اس کی دادی چارپائی پہ لیٹی رو رہی تھی جب پری گل نے چڑھ کر کہا تھا، دادی نے دکھ سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''تم نہیں جانتا پری گل تم نے اپنے ساتھ کیا کیا ہے، ام جانتا ہے کہ تو نے یہ سب زیان خانان کے لئے کیا ہے، مگر ام تم کو بتائے دیتا ہے کہ جس کے لئے تم نے اپنا شادی شدہ زندگی خراب کر لیا ہے وہ تم کو کبھی نہیں ملے گا۔'' دادی نے روتے ہوئے پوتی کو اس خسارے سے آگاہ کیا تھا جو اس نے خود اپنے نصیب میں لکھ لیا تھا، دادی کی بات پر پری گل کے چہرے پہ کمینی سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

''ام کو پتا ہے دادی کہ چھوٹا خان ام کو کبھی نہ ملے گا مگر ام پھر بھی خوش ہے پتا ہے کیوں، کیونکہ ام جان گیا ہے کہ اس کو بھی وہ نہیں ملا جو وہ چاہتا تھا، ام کو تو صرف یہ دکھ ہے کہ وہ امارا نہیں ہوا مگر پتا ہے دادی چھوٹا خان تو ام سے بھی کہیں زیادہ گھاٹے میں ہے وہ تو اپنی محبت کو پا کر بھی گھاٹے میں ہے وہ تو اپنی محبت کو پا کر بھی نہیں پا سکا اور نہ ہی کبھی پا سکے گا، کیونکہ ام نے بجل بی بی کے دل میں اتنا نفرت بھر دیا ہے خان کے لئے کہ وہ ساری زندگی اس نفرت کی آگ میں خان کو جلاتا رہے گا۔'' دادی کے اوپر لحاف درست کرتے پری گل نے نفرت سے بھرپور لہجے میں کہا تھا اور پھر خود بھی دوسری چارپائی پہ لیٹ کر سر تک لحاف تان لیا تھا، اس بات سے بے خبر کہ باہر کھڑی بجل آفریدی نے سب کچھ سن لیا تھا، اتنی ٹھنڈ میں وہ باہر پتھر بنی کھڑی تھی بچوں کو سلانے کے بعد وہ پری گل کی دادی کی طبیعت کا پوچھنے کے لئے آئی تھی اور اب ساکت بت بنی دروازے میں ایستادہ تھی اس میں اتنی بھی ہمت نہ رہی تھی کہ واپس پلٹ جائے پھر اپنی ساری ہمتیں جمع کر کے اس انے اپنے قدم حویلی کی رہائشی حصے کی طرف موڑے تھے۔

☆☆☆

شدید سردی میں سوئیٹر یا جرسی کے بغیر لان میں بنے سنگی بینچ پہ بیٹھی وہ گہری سوچ کے حصار میں تھی ایک ہفتہ ہو گیا تھا اس پہ انکشافات کے در وا ہوئے اور اس ایک ہفتے میں وہ پچھتاؤں کی گہری دلدل میں دھنستی جا رہی تھی یہ سوچ کر ایک گھٹیا لڑکی کی باتوں میں آ کر وہ زیان آفریدی کی محبت کو کتنے غلط معنی دیتی آئی تھی اس کو چین نے لینے دیتی تھی، وہ ساری باتیں وہ سرد رویے جو اب تک اس نے اس شخص کے لئے روا رکھے تھے اب اس کے اندر آگ لگائے ہوئے تھے، اب بھی اس سوچ کے ساتھ ہی اس کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھی، رومان لالہ جو کسی کام سے پشاور گئے ہوئے تھے اور اب کافی دیر سے لوٹے تھے اسے اتنی رات کو لان میں بیٹھے دیکھ کر گاڑی سے اتر کر سیدھے اس کے پاس ہی چلے آئے تھے، قدموں کی آواز پہ اس نے سر اٹھا کر دیکھا اور سامنے لالہ کو پا کر اپنے بہتے آنسو تیزی سے صاف کیے تھے مگر لالہ اس کا رونا دیکھ چکے تھے۔

''تجل کیا بات ہے بیٹا آپ اتنی سردی میں یہاں بیٹھ کر رو کیوں رہی ہو۔'' لالہ نے کافی پریشانی سے استفسار کیا تھا۔

''نن...... نہیں تو لالہ...... میں تو بس۔''

بولتے بولتے پھر اس کا لہجہ بھیگ گیا تھا وہ چپ کر گئی تھی، لالہ نے کافی پریشانی سے اس کی طرف دیکھا تھا پھر آگے بڑھ کر اس کے گرد بازو پھیلائے اسے ساتھ لگائے اندر لے آئے تھے۔

''اب بولو کیا بات ہے، دیکھو مجھ سے کچھ چھپانا نہیں اگر زیان سے کوئی جھگڑا ہے اس نے کچھ کہا ہے تو بھی بتا دو کیونکہ آپ بھی اتنی ہی عزیز ہو جتنا کہ وہ۔'' لالہ اسے صوفے پہ بٹھا کر خود بھی اس کے برابر بیٹھے نرمی سے بولے تو وہ جو اتنی دیر سے لالہ کے سامنے اپنے آنسو روکنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی زیان کا نام سنتے ہی اپنے آنسوؤں پہ اختیار کھو بیٹھی، اسے اس طرح روتے دیکھ کر لالہ اور پریشان ہو گئے تھے نوٹ تو وہ کافی دنوں سے کر رہے تھے کہ وہ یونہی چھوٹی چھوٹی بات کو لے کر آنسو بہانے لگتی تھی اب بھی ایسا ہی ہوا تھا دونوں ہاتھ چہرے پر ٹکائے وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی، اسی لمحے زیان نے لاؤنج میں قدم رکھے تھے مگر سامنے کا منظر دیکھ کر وہ دروازے کے فریم میں کھڑا رہ گیا تھا کیونکہ سامنے ہی وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے ہچکیوں سے رو رہی تھی کچھ پل وہ کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر آگے بڑھ کر صوفے پہ بیٹھتے ہوئے اس نے آنکھوں کے اشارے سے رومان لالہ سے اس کے رونے کی وجہ دریافت کی تھی۔

''آئی ڈونٹ نو یار تم خود ہی پوچھ لو۔''

رومان لالہ نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا تو لالہ کی بات پہ وہ جو ہچکیوں سے رو رہی تھی نے ایکدم چہرے سے ہاتھ ہٹا کر دیکھا تو نگاہیں سامنے صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھے زیان آفریدی کی نگاہوں سے ٹکرائیں تھیں اس نے سرعت سے اپنی ہتھیلیوں سے آنسو صاف کیے تھے۔

''میں آپ کے لئے کھانا لاتی ہوں لالہ۔''

لالہ سے کہتی وہ ایک جھٹکے سے اٹھ گئی تھی اس کے جاتے ہی لالہ نے زیان سے پوچھا تھا۔

''تم دونوں میں کوئی جھگڑا چل رہا ہے۔''

ان کی بات پہ زیان نے سر کو نفی میں ہلا دیا تھا بولا کچھ نہیں تھا، لالہ اس کے چہرے کے تنے تنے نقوش کو دیکھتے ایک بار پھر گویا ہوئے۔

''پچھلے کچھ دنوں سے وہ مجھے کافی ڈسٹرب لگ رہی ہے یار، کوئی نہ کوئی بات تو ہے کوئی پرابلم تو ہے اس کے ساتھ۔'' لالہ کی بات وہ جو

ٹیک لگائے بیٹھا تھا ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا تھا اور اپنی نیند سے بوجھل آنکھیں لالہ کے چہرے پہ ٹکاتے دانت پیستے ہوئے بولا۔

"وہ جب سے اس گھر میں آئی ہے تب سے ہی ڈسٹرب ہے اور اس کی ڈسٹربنس کی وجہ، اس کا سب سے بڑا پرابلم میں ہوں میں یعنی زیان آفریدی، میری ذات میرا وجود اس کو اس گھر میں نظر نہ آئے تو کوئی پرابلم نہیں ہے اس کو یہاں۔"

"آہستہ بولو بابا جان سو رہے ہیں، وہ اٹھ جائیں گے۔" بولتے بولتے غصے میں اس کی آواز کافی بلند ہو گئی تھی جب لالہ نے ٹوکتے ہوئے کہا تھا، تو وہ مزید کچھ بولے اپنے غصے پہ قابو پاتا صوفے سے اٹھ گیا اور دروازے سے اندر آتی سجل کو تقریباً دھکا دینے والے انداز میں ایک طرف دھکیل کر آگے بڑھ گیا کھانے کی ٹرے سجل کے ہاتھوں سے گرتے گرتے بچی تھی اور رومان آفریدی جو ان دونوں کی طرف دیکھ رہے تھے پورا یقین ہو چلا تھا کہ ان دونوں کے بیچ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے، کوئی گڑبڑ یقینی ہے۔

"لالہ آپ نے اسلام آباد کب جانا ہے؟" کھانے کے بعد وہ لالہ کے لئے چائے بنا لائی کیونکہ وہ رات سونے سے پہلے چائے ضرور پیتے تھے، لالہ کو کپ تھماتے اس نے پوچھا تھا۔

"کیوں خیریت۔" لالہ نے کپ تھامتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"کافی ماہ ہو گئے ہیں مجھے وہاں گئے ہوئے میں نے اس لئے پوچھا ہے کہ اگر ایک دو دن تک آپ نے جانا ہو تو مجھے بھی ساتھ لے جائیے گا۔" اس کی بات سن کر لالہ نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا اور پھر اگلے ہی دن وہ لالہ کے ساتھ اسلام آباد چلی آئی۔

زرش، شہان اور شاہ نیل کو بھی وہ اپنے ساتھ لے آئی تھی کیونکہ ان کے سکول سے بھی چھٹیاں تھیں۔

یہاں آ کر وہ اپنا زیادہ وقت کچن میں گزارتی یا پھر پاپا کے ساتھ ان کی لائبریری میں، وہ خود کو سارا وقت مصروف رکھتی تاکہ اس کا دھیان زیان آفریدی کی طرف نہ جائے مگر رات کو بستر میں لیٹتے دھیان کا منہ زور گھوڑا سرپٹ بھاگتا زیان آفریدی کے خیال پہ ٹھہر جاتا اور وہ ساری رات جاگ کر گزارتی اپنے سارے وہ رویے جو وہ اس کے ساتھ روا رکھتی تھی اور جن کی وجہ سے آج وہ شخص اس سے اس قدر متنفر اس قدر دور ہو گیا تھا، زرش اور شہان لوگ تو اپنے کزنز کے ساتھ بہت انجوائے کر رہے تھے مگر شاہ نیل کچھ چپ چپ سا رہتا تھا، اس وقت بھی سارے بچے لان میں کرکٹ کھیل رہے تھے جبکہ وہ چپ اداس سا بیٹھا دور سے ان کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا بات ہے میرا شہزادہ اتنا چپ چپ کیوں بیٹھا ہے۔" وہ باہر آئی تو اس کو برآمدے کے پلر سے ٹیک لگائے اداس بیٹھے دیکھ کر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے دریافت کیا تھا، شاہ نیل کے کام تو وہ کافی عرصے پہلے ہی کرنے لگی تھی اس کے باپ کی دھمکی سے ڈر کے مگر جب سے سارے انکشافات ہوئے تھے تب سے وہ اسے بہت پیارا لگنے لگا تھا اتنا عرصہ فضول میں اتنے چھوٹے بچے سے نفرت کی اب وہ اپنے پچھلے سارے رویوں کا ازالہ کر رہی تھی، اب بھی اس نے شاہ نیل کے گال چومتے دریافت کیا تھا۔

"ام نے اپنے در تب جانا ہے۔" شاہ نے اس کی بات سن کر اپنی توتلی زبان میں پوچھا تھا۔

"کیوں کیا یہاں مزا نہیں آ رہا ہے میرے پرنس کو، یہاں تو اتنے سارے کزنز بھی ہیں آپ

بھی ان کے ساتھ کھیلا کرو، دیکھنا بہت مزا آئے گا۔" اس نے ایک بار پھر اس کے سرخ و سفید گال چوم ڈالے۔

"نہیں مجھے پاپا تے پاس جانا ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ رو پڑا تو اس نے اسے اپنے ساتھ لگاتے اس کے آنسو صاف کیے تھے۔

"او کے آپ روؤ نہیں ہم کل ہی پاپا کے پاس چلے جائیں گے۔" رات کو ہی اس نے اپنی اور بچوں کی ساری پیکنگ کر لی تھی کیونکہ صرف شاہ نیل ہی نہیں اپنے باپ کو مس کر رہا تھا اسے بھی اپنا وہ روٹھا روٹھا سا ہم سفر بہت یاد آتا تھا۔

☆☆☆

حویلی پہنچتے ہی جو خبر اس کی منتظر تھی اس نے سجل آفریدی کے قدموں تلے سے زمین کھینچ لی تھی، وہ خالی خالی نگاہوں سے ریشم کا چہرہ دیکھے جا رہی تھی یہ سوچتے ہوئے کہ کوئی عورت اس حد تک بھی گر سکتی ہے جتنا پری گل گر گئی تھی، اسے خاموش پا کر ریشم مزید بولی تھی۔

"ویسے بی بی چھوٹے خاناں کو ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا پری گل کی دادی نے برسوں اس حویلی کے مکینوں کی خدمت کیا ہے اور یہ صلہ دیا ہے خان نے ان کی خدمتوں کا کہ ان کی پوتی کی عزت پہ ہی ہاتھ ڈال دیا۔"

"ریشم خدا کے لئے چپ کر جاؤ چپ ہو جاؤ پلیز۔" اس نے دونوں ہاتھوں س اپنا سر تھامتے ہوئے کہا تھا۔

"ام تو چپ کر جائے گا بی بی ام غریب لوگ کیا بول سکتا ہے، ام تو خود ڈر گیا ہے بی بی ام کو تو اپنا عزت بھی اس حویلی میں محفوظ نہیں لگ رہا ہے، جو کچھ آج پری گل کے ساتھ ہوا وہ کل کو ہمارے ساتھ بھی......"

"شٹ اپ، شٹ اپ ریشم، پلیز چلی جاؤ یہاں سے تنہا چھوڑ دو مجھے۔" اس نے تقریباً چیختے ہوئے ریشم کو چپ کرایا تھا۔

☆☆☆

مجتبیٰ آفریدی کا فیصلہ سن کر سب اپنی جگہ ساکت ہو گئے تھے، انہوں نے پری گل سے زیان کے نکاح کا فیصلہ کیا تھا۔

"میں تو آپ سے یہی کہوں گا بابا جان ایک بار پھر سوچ لیجئے کیونکہ میرا نہیں خیال کہ زیان ایسا کچھ بھی کر سکتا ہے۔" رومان لالہ نے مجتبیٰ آفریدی کو ان کے ارادوں سے باز رکھنے کی ایک بار پھر کوشش کی تھی تو بابا جان غصے سے گویا پھٹ پڑے تھے۔

"بس کر دو رومان، چپ ہو جاؤ پلیز تم ایسا اس لئے کہہ رہے ہو کہ وہ تمہارا بھائی ہے مگر اس لڑکی کا بھی تو سوچو وہ بھی تو اسی حویلی میں پل بڑھ کر جوان ہوئی ہے، اس کا کردار بھی تو ہم سے ڈھکا چھپا نہیں ہے وہ کیوں جھوٹ بولنے لگی اور پھر سب کچھ تم نے بھی تو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے زیان کی اتنی رات گئے اس کوارٹر میں موجودگی اس لڑکی کا حلیہ میں کیسے یقین کر لوں کہ میرا بیٹا بے گناہ ہے اور وہ لڑکی جھوٹ بول رہی ہے مجھے تو یہ سوچ سوچ کر شرمندگی ہو رہی ہے کہ میرا خون اتنا گندہ کیسے ہو گیا، اتنے سالوں نے سجل سجل کی رٹ لگائے رکھی اور اب جب سجل مل گئی ہے تو اتنی جلدی اکتا گیا ہے یہ اس سے اور مجھے تو اب سمجھ میں آیا ہے کہ سجل کیوں اس سے شادی سے انکار کرتی تھی اس لئے شاید کہ وہ اس کی فطرت کو ہم سے زیادہ جانتی تھی۔" غصے میں بولتے بولتے مجتبیٰ آفریدی صوفے پہ ڈھے سے گئے، رومان لالہ بے بسی سے ان کو دیکھ کر رہ گئے تھے، پتا نہیں کیوں ان کا دل کہتا تھا کہ ان کا بھائی ایسا نہیں کر سکتا اور بابا جان کی بات کو بھی وہ رد

نہیں کر سکتے تھے کہ پری گل بھی ان کی آنکھوں کے سامنے اتنے سال اس حویلی میں رہی تھی اس کے کردار کی گواہی بھی وہ دے سکتے تھے، ایسے میں ان کو سمجھ نہ آ رہا تھا کہ کیا کریں مگر جب انہوں نے رات کو زیان کو بابا جان کے ارادوں سے آگاہ کیا تو اسے لگا جیسے اسے جلتے انگاروں پہ ڈال دیا گیا ہو۔

''اس گھٹیا عورت سے نکاح کرنے سے بہتر ہے بابا جان مجھے اپنے ہاتھوں سے شوٹ کر دیں اور بھائی فار گاڈ سیک آپ تو میرا یقین کیجئے اس گھٹیا عورت نے مجھے پھنسایا ہے۔'' بے بسی سے لالہ کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بولا تھا۔

''مجھے تو تم پہ پورا یقین ہے یار مگر بابا جان کو کون سمجھائے وہ تمہارا یقین کرنے کو تیار نہیں انہوں نے جو کچھ اس رات سرونٹ کوارٹر میں دیکھا ہے میرا نہیں خیال کہ وہ تمہیں بے گناہ مانیں گے۔'' لالہ نے بے بسی کا اظہار کیا۔

''کتنی بار بتا چکا ہوں کہ اس ذلیل عورت نے خود بلایا تھا مجھے وہاں یہ کہہ کر اس کی دادی کی حالت بہت خراب ہو گئی اور اسے ہاسپٹل لے کر جانا ہے اب مجھے کیا خبر تھی کہ اس کی دادی حویلی میں نہیں ہے وہ تو جب اس نے میرے اندر آنے کے بعد کپڑے پھاڑ کر شور مچانا شروع کر دیا میں تو تب سمجھا تھا اس کی پلاننگ اور ویسے بھی بھائی آپ تو مجھے اچھی طرح جانتے ہیں نا کیا آپ کو لگتا ہے کہ میں ایسا کر سکتا ہوں۔'' آخر میں اس نے رومان لالہ کے ہاتھ تھام کر بھیگے لہجے میں کہا تھا تو رومان آفریدی نے ایکدم اس کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

''مجھے تمہارے کردار پہ کوئی شک نہیں یار مگر بابا جان کی بات بھی تو رد نہیں کی جا سکتی کہ پری گل بھی تو یہیں اسی حویلی میں جوان ہوئی ہے وہ

کیسے جھوٹ بول سکتی ہے اور اگر واقعی وہ جھوٹ بول رہی ہے تو بھی اس نے ایسی سچوئیشن بنا دی تھی اس دن کہ بابا جان کی جگہ کوئی بھی ہوتا وہ تمہیں ہی بے گناہ مانتا ایسے میں مجھے بتاؤ میں کیسے بابا جان کے سامنے تمہیں بے گناہ ثابت کروں، میں کئی بار کوشش کر چکا ہوں اس یقین کے ساتھ کہ تم ایسا نہیں کر سکتے۔'' رومان لالہ نے انتہائی بے بسی سے کہا تھا اوران کی بات سن کر وہ غصے سے ان کو خود سے پرے دھکیلتے کمرے سے نکل گیا پیچھے وہ آوازیں دیتے رہ گئے لالہ کے کمرے سے نکلنے کے بعد وہ گاڑی لے کر حویلی سے ہی نکل آیا، پورا ہفتہ وہ حویلی نہیں گیا تھا اس دوران لالہ کی کئی کالز آ چکی تھیں مگر وہ ہر بار بات کیے بغیر کال کاٹ دیتا۔

☆☆☆

رومان آفریدی کتنی دیر سے اسے فون کر رہے تھے مگر وہ ہر بار ان کی کال کاٹ رہا تھا تنگ آ کر اس نے فون سائیڈ ٹیبل پہ پٹخ دیا۔

''کس کا فون ہے اور تم بات کیوں نہیں کر رہے۔'' اس کے دوست حسن نے پوچھا تھا جس کے فارم ہاؤس پہ وہ آج کل ڈیرے ڈالے ہوئے تھا۔

''کوئی رونگ کال ہے اور تم سناؤ بھابھی کی طبیعت اب کیسی ہے؟'' اس نے بات بدل دی تھی۔

''اب تو کافی بہتر ہے ایک دو دن تک چھٹی مل جائے گی۔'' حسن کچھ دیر اس کے پاس بیٹھ کر سونے چلا گیا تو اس نے لیٹے لیٹے سائیڈ ٹیبل پہ پڑے موبائل کی طرف دیکھا تھا لالہ کی کال آنا بند ہو چکی تھی اس نے ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھا لیا اس وقت میسج ٹون بجی تھی، اس نے میسج پڑھا تھا۔

''Plz attend my call' there is a great news for you''۔

''پلیز میری کال اٹینڈ کرو تمہارے لئے ایک بڑی نیوز ہے۔'' میسج پڑھنے کے بعد کچھ دیر موبائل ہاتھ میں پکڑے وہ سوچتا رہا کہ کیا کرے لالہ کی کال ایک بار پھر آ رہی تھی پھر کچھ سوچ کر اس نے ریسیونگ بٹن پش کر کے فون کان سے لگا لیا۔

''جی فرمایئے اب کیا یہ بتانے کے لئے فون کیا ہے کہ بابا جان نے اس کمینی عورت کے ساتھ میرا نکاح کی ڈیٹ فکس کر دی ہے۔'' اس نے چھوٹتے ہی طنز کیا تھا۔

''جی نہیں جناب بلکہ یہ بتانے کے لئے فون کیا ہے کہ اس گھٹیا عورت کو حویلی سے رخصت کر دیا گیا ہے وہ بھی ہمیشہ کے لئے، آج کے لئے اتنا ہی کافی ہے مزید اپ ڈیٹ کے لئے آپ کو حویلی تشریف لانا ہو نا شب بخیر۔'' لالہ نے نیوز کاسٹر کے سے انداز میں اپنی بات پوری کرتے ہی کال ڈسکنیکٹ کر دی۔

تو وہ بے یقینی سے کتنی ہی دیر تک موبائل کو گھورتا رہا اس سوچ کے ساتھ کہ ایسا کس طرح ہو گیا اس کے بعد اس نے کئی بار لالہ کے نمبر پہ ٹرائی کیا مگر وہ اس کی کال اٹینڈ نہیں کر رہے تھے وہ رات اس نے بہت مشکل سے کروٹیں بدلتے گزاری تھی اور اگلی صبح وہ حویلی میں موجود تھا۔

''ویسے لالہ مجھے ابھی تک ایک بات کی سمجھ نہیں آئی کہ جب پری گل کی دادی کو پتہ تھا کہ اس کی پوتی جھوٹ بول رہی ہے تو اتنے دن خاموش کیوں رہی اس نے اس وقت بابا جان کو سچ کیوں نہ بتایا جب بابا جان میرے اور اس کی

پوتی کے نکاح کی بات کر رہے تھے اب اچانک کیسے اس نے اپنی لاڈلی پوتی کے کرتوت بابا جان کے سامنے کھول کر رکھ دیئے۔'' وہ واقعی حیران تھا کہ پری گل کی دادی کو پہلے بابا جان کو سچ بتانے کا خیال کیوں نہ آیا، اب اچانک یہ سب کیسے ہو گیا یہ بات اس سے ہضم نہ ہو پا رہی تھی ایک ہفتہ سے زیادہ ہو گیا تھا پری گل کو دفعان ہوئے اور اسے عرصے میں وہ یہ سوال کتنی ہی بار لالہ سے کر چکا تھا۔

''یار یہ بات تم مجھ سے نہیں بلکہ اپنی بیگم سے پوچھنا۔'' لالہ اس کے برابر بیٹھتے ہوئے بولے تو اس نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

''یقین نہیں آ رہا نا بالکل ایسے ہی میں بھی کافی شاکڈ ہوا تھا کہ جب وہ تمہیں اتنا ناپسند کرتی ہے تو پھر تمہیں بے گناہ ثابت کرنے کے لئے اتنی تگ و دو کیوں کر رہی ہے اور اس وقت تو میں اور بھی حیران ہوا جب اس نے تمہیں بے گناہ ثابت کرنے کے لئے بابا جان کے سامنے یہ تک کہہ دیا کہ جس شخص نے اپنی قانونی اور شرعی بیوی کو اس کی مرضی کے بغیر آج تک ہاتھ نہیں لگایا وہ کسی دوسری لڑکی کے ساتھ زبردستی کیسے کر سکتا ہے۔'' رومان لالہ نے مسکراتے ہوئے بتایا تھا لالہ کی بات پہ اچھل کر صوفے سے اٹھا تھا۔

''کیا، کیا کہا اس نے بابا جان سے میرا مطلب ہے کہ اس نے یہ سب فضول بکواس بابا جان کے سامنے کر دی۔'' غصے اور خفت کے ملے جلے تاثرات سمیت اس نے لالہ سے پوچھا تھا تو لالہ اس کا لال لال چہرہ دیکھ کر شرارت سے مزید بولے تھے۔

''اوہو میرے بھائی اس میں اتنا غصہ کرنے کی کیا ضرورت ہے، اس بیچاری نے تو تمہیں سزا سے بچانے کے لئے یہ سچ بابا جان کے سامنے بولا تمہیں تو اس کا احسان مند ہونا چاہیے۔''

''بیچاری شکریہ، او کے او کے شکریہ تو میں اس بیچاری کا ایسے ادا کروں گا کہ آپ کی وہ بیچاری ساری عمر یاد رکھے گی۔'' لالہ کی مسکراتی نگاہیں اس کو مزید غصہ دلا رہی تھیں۔

''آپ کو میں بعد میں پوچھتا ہوں پہلے ذرا آپ کی اس بیچاری سے نمٹ لوں۔'' صوفے پہ پڑا کشن غصے سے لالہ کی طرف اچھال کر وہ اٹھ گیا، پیچھے رومان لالہ یہ سوچ کر مطمئن بیٹھے تھے کہ اب ان دونوں کے بیچ نفرتوں کے سائے دھندلا گئے تھے، ان کا بھائی تو پہلے بھی اس لڑکی کا دیوانہ تھا اور اب تو سجل بھی پورے دل سے اس کی محبت پہ ایمان لا چکی تھی۔

☆☆☆

وہ بچوں کے کمرے میں زرش کے بیڈ پہ لیٹی ان کو کوئی سٹوری سنا رہی تھی اس کے ایک طرف شہان اور ارسل اور دوسری طرف زرش اور شاہ نیل بیٹھے پورے انہماک سے سٹوری سن رہے تھے جب ایکدم دھڑ کی آواز سے دروازہ کھلا تھا سجل نے سر اٹھا کر دیکھا تو سامنے زیان کو کڑے تیوروں کے ساتھ پا کر اس کی جان لرز گئی تھی، وہ لب بھینچے کھڑا کچھ دیر اسے گھورتا رہا پھر آگے بڑھ کر اس کی کلائی تھام کر ایک جھٹکے سے اس کو بیڈ سے اٹھایا تھا اور دروازے کی سمت بڑھا۔

''مجھے تم سے کوئی بات کرنی ہے۔'' دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے کہا تھا سجل آفریدی کے بکھرتے حواس ایک دم چوکنا ہوئے تھے، اس نے زیان کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا تھا۔

''آپ کو جو بھی بات کرنا ہے یہیں بول دیں میں سن رہی ہوں۔'' زیان نے اس کی بات جیسے سنی ہی نہ تھی اس طرح اس کا بازو تھامے تقریباً گھسیٹتے ہوئے اپنے کمرے میں لایا تھا۔

''اب بولو بابا جان کے سامنے تم نے کیا بکواس کی تھی۔'' اسے بیڈ پہ دھکا دے کر دروازہ بند کر کے پلٹتے ہوئے اس نے غصے سے پوچھا تھا تو ڈر کے مارے سجل آفریدی کی زبان گویا تالو سے جا چپکی تھی، تو اسے خاموش دیکھ کر اسے مزید غصہ آیا تھا۔

''تمہاری جرأت کیسے ہوئی کہ تم بابا جان کے سامنے اپنے اور میرے رشتے کو اس طرح ڈسکس کرو۔'' اس کے سر پہ کھڑا وہ غصے سے دھاڑ رہا تھا، سجل آفریدی نے ایک لمحے کو غصے سے پاگل ہوتے اس شخص کو دیکھا تھا اور اگلے پل چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر رونا شروع کر دیا تو وہ جو غصے کی فل فارم میں آیا ہوا تھا اسے اس طرح روتے دیکھ کر قدرے نرم پڑا تھا۔

''اب رو کیوں رہی ہو، میں نے صرف پوچھا ہی ہے کہ بابا جان کے سامنے اپنی بیہودہ بکواس کرتے تمہیں ذرا شرم نہیں آئی تھی۔'' زیان آفریدی کی بات پہ اس نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا اور غصے سے بولی تھی۔

''آئی تھی، بہت شرم آئی تھی، مگر کیا کرتی اگر ان کے سامنے اپنے اور آپ کے رشتے کا سچ نہ لاتی تو وہ سچ مچ پری گل کے ساتھ آپ کا نکاح کروا دیتے۔'' اس نے ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے بھیگے لہجے میں کہا زیان کچھ دیر اس کی سمت دیکھتا رہا اس کے سارے انداز بتا رہے تھے کہ دل کا موسم بدل چکا ہے، بدگمانیوں کے سارے بادل چھٹ چکے تھے اور یہ احساس کہ اب سجل آفریدی کے دل میں بھی زیان آفریدی کی محبت کی شمع جلنے لگی ہے نے زیان آفریدی کے دل کو انوکھی مسرت سے ہمکنار کیا تھا مگر وہ دل کی خوشی کو دباتے مصنوعی خفگی سے شرارتی لہجے میں بولا تھا۔

''او تو تم نے مجھے بے گناہ ثابت کرنے کے لئے یہ سب بابا جان کو نہیں بتایا بلکہ اس ڈر سے بتایا کہ کہیں پری گل تمہاری سوتن بن کر حویلی میں نہ آ جائے اور یہ بات تو محترمہ سجل آفریدی کی شان کے خلاف تھی کہ ایک معمولی ملازمہ اس کی سوتن کے روپ میں اس کے برابر رتبہ پا کر حویلی میں آ بسے کیوں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا میں۔'' اپنی انگلی پہ اس کے ریشمی بالوں کی لٹ لپیٹتے ہوئے طنز کیا تھا اور اس کا یہ طنزیہ لہجہ سجل آفریدی کو پرانی جون میں لے آیا تھا اس کا ہاتھ جھٹک کر وہ بیڈ سے کھڑے ہوتے جل کر بولی تھی۔

''جی نہیں مجھے تو اس گھٹیا لڑکی سے کوئی خطرہ نہیں تھا کیونکہ میرے یہ سب بتانے سے پہلے ہی اس کی دادی نے بھی بابا جان کو اپنی پوتی کی اصلیت بتا دی تھی، حالانکہ میں نے تو اس کی دادی کو صرف یہ کہا تھا کہ اس کے پاؤں قبر میں ہیں جھوٹ کا ساتھ دے کر وہ اللہ کے پاس کیا منہ لے کر جائے گی اس کا ضمیر جاگ گیا اور اس نے بابا جان کو سب سچ بتا دیا اور مم...... میں نے یہ سب بابا جان کو اس لئے بتایا کہ ان کو آپ کی بے گناہی کا پکا یقین آ جائے وہ یہ نہ سمجھیں کہ پری گل کی دادی میرے کہنے پہ ایسا کہہ رہی ہے، ورنہ مجھے اس لڑکی سے کیا خطرہ کیا تھا، مگر مجھے لگتا ہے کہ آپ کو بہت افسوس ہو رہا ہے کہ اتنی خوبصورت لڑکی آپ کے نکاح میں آتے آتے رہ گئی اور چونکہ یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے تو اب آپ کو مجھ پہ اصل غصہ بھی اس وجہ سے آ رہا ہے۔'' زیان جو مصنوعی غصے سے اس کی طرف

دیکھ رہا تھا اس کی آخری بات پہ جل کر گویا کوئلہ ہو گیا تھا۔

"خوبصورت وہ چڑیل خوبصورت ہے مجھے تو وہ کبھی بھی خوبصورت نہیں لگی۔"

"جی نہیں خوبصورت تو وہ واقعی بہت ہے یہ الگ بات ہے کہ نفرت میں انسان کو خوبصورت چہرے بھی بدصورت ہی دکھائی دیتی ہے۔" اس کی بات پہ زیان کے چہرے پہ تبسم بکھر گیا تھا، پھر اسی طرح مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

"اب ایسی بات بھی نہیں ہے نفرت تو تم بھی بہت کرتی ہو مجھ سے مگر کبھی ایک لمحے کو بھی مجھے بدصورت تو نہیں لگی آج تک۔"

"ہاں تو وہ اس لئے نا کہ وہ ساری نفرت میری طرف سے تھی آپ تو ہمیشہ مجھ سے محبت ہی......" بولتے بولتے اسے ایکدم احساس ہوا تھا کہ وہ کیا بولے جا رہی تھی تبھی وہ ایکدم چپ ہو گئی تھی اور پھر کافی دیر تک وہ خاموش بیٹھی بیڈ پہ لائنیں لگاتی رہی بولنے کے الفاظ ہی نہ مل رہے تھے۔

"تھینکس گاڈ تمہیں اس بات کا یقین تو ہوا کہ میں ہمیشہ سے تم سے محبت کرتا تھا ورنہ مجھے تو لگتا تھا کہ وہ دن میری زندگی میں کبھی نہیں آ سکتا جب تم میری محبت کی شدتوں کو سمجھو گی، تمہاری نفرتوں کو سہتے کئی بار دل میں خیال آتا تھا کہ خود کو ختم کر لوں خاص کر تب جب تم نے میرے مقابلے میں لالہ سے شادی والی بکواس کی تھی۔" اس کی بات پہ سجل نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"اچھا اب بس بھی کر دیں جو گزر گیا وہ گزر گیا اور گزرے وقت کو ہم چاہ کر بھی واپس نہیں لا سکتے اگر وقت واپس لایا جا سکتا ہوتا تو میں ان لمحوں کو ضرور واپس لے آتی جن میں، میں نے اس گھٹیا لڑکی کی باتوں پہ یقین کیا تھا کہ اس کی بہن لالہ گل نے آپ کی وجہ سے خودکشی کی ہے۔" اس کی آخری بات زیان آفریدی ایک دم اس کے سامنے بیڈ پہ بیٹھا تھا۔

"کیا خودکشی لالہ گل نے پری گل نے تمہیں بتایا اور تم نے اس وجہ سے مجھ سے اتنے سال نفرت کی اور مائی گاڈ۔" زیان نے تاسف سے سر ہلاتے اس کی سمت دیکھا تھا، تب اس نے ساری بات اسے بتا دی اسے حیرت سے بیٹھا دیکھ کر پھر بولی۔

"اچھا اب چھوڑیں اس بات کو میں نے کہا نا جو وقت گزر گیا ہے وہ واپس نہیں لایا جا سکتا مگر آنے والے وقت میں آپ مجھے ہر لمحہ ہر پل اپنے ساتھ پائیں گے چاہے کوئی پری گل کچھ بھی کر لے مجھے آپ سے دور نہیں کر سکتی۔" اس نے آنکھوں میں نمی لئے زیان کے ہاتھ تھامتے ہوئے اس آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا جہاں اس کے لئے محبت ہی محبت تھی اور وہ کتنی پاگل تھی آج تک کسی کے بہکاوے میں آ کر اس محبت کو سمجھ ہی نہ سکی، مگر اب اس شخص کے ہاتھوں میں ہاتھ دیئے وہاں بیٹھے اس نے دل میں عہد کیا تھا آئندہ کبھی وہ اس کی محبت سے بدگمان نہ ہو گی، محبتیں اپنا آپ منوا لیتی ہیں اور زیان آفریدی کی محبت نے بھی سجل آفریدی کی نفرتوں کو آج مات دے دی تھی۔

☆☆☆

بعنِ وفا

ہما عامر

بلا آخر وہ شام بھی آ گئی، ایزد آفریدی آج ایجاب وقبول کے بعد اس کے جسم وجان کا مالک بن بیٹھا تھا، زری بہت خوش تھی اور مہمانوں سے مبارکبادیں وصول کر رہی تھی، تائی جی ٹیلیفون پر معذرت کر چکی تھیں کہ دادی کی طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے ان کے گھر سے کوئی بھی شادی میں شریک نہیں ہو سکے گا، جبکہ فری خالہ بھی بیٹے اور بہو کے پاس بیرون ملک روانہ ہو چکی تھیں، اسٹیج پر بیٹھی بجی سنوری عیشال آج حوروں کو بھی مات دے رہی تھی، آج سے پہلے اس نے کبھی اتنا سنگھار کیا ہی نہیں تھا، ایزد آفریدی اب تک اسٹیج پر نہیں آیا تھا، فرید آفریدی کے علاوہ پورا خاندان ہی ایزد کی بارات کے ساتھ آیا تھا اور سب ہی دلہن کے حسن سے متاثر دکھائی دے رہے تھے، عیشال سر جھکائے سوچوں میں گم اپنے حنائی ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی، جب ہی عمو جان اس کسی سے متعارف کروانے لگیں۔

''یہ تمہاری بھابھی۔'' عیشال نے چونک کر سر اٹھایا تو اسے زمین گھومتی ہوئی محسوس ہوئی، وہ مسکراتی ہوئی لڑکی رابیل تھی۔

''بھابھی آپ سچ مچ بہت خوبصورت ہیں۔'' رابیل تعریف کر رہی تھی اور جواب میں اس سے مسکرایا بھی نہیں گیا۔

''کشمالہ یہ لڑکی کون ہے؟'' کسی خاتون نے عمو جان سے استفسار کیا تھا۔

''یہ رابیل ہے، ایزد نے اسے بہن بنایا ''

ناولٹ

ہے، بالکل ماہ نور کی طرح خیال رکھتا ہے اس کا۔
عمو جان نے رابیل کا چہرہ نرمی سے تھپتھپایا، جبکہ عیشال کو اپنا آپ پستیوں میں گرتا محسوس ہوا۔
"کیا تھا یہ سب اس لڑکی اور ایزد کے درمیان اگر بہن بھائی کا تعلق تھا تو اس نے بجل کو کیوں لاعلم رکھا۔" وہ سوچنے لگی۔
ایزد نے کوئی بہانہ کر کے اسٹیج پر نہیں آیا، مما کو بھی اس نے باتوں سے بہلا لیا تھا، رخصتی کے وقت زری کی آنکھیں نم تھیں، مگر عیشال کو ایسا لگ رہا تھا کہ اس کا پورا وجود پتھر کا ہوتا جا رہا ہے، آنے والے لمحوں کا خوف اس کی سانسوں کو بوجھل کر رہا تھا، میرون لینڈ کروزر کی پچھلی سیٹ پر اس کے دائیں بائیں ماہ نور اور عمو جان براجمان تھیں جبکہ ایزد فرنٹ سیٹ پر حدید کے ساتھ بیٹھا تھا، حدید ڈرائیونگ کر رہا تھا، ماہ نور سارا راستہ بھائی کے کان کھاتی رہی، جواباً وہ ہوں ہاں کر رہا تھا، عمو جان کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ ذہنی طور پر غیر حاضر ہے، ماہ نور اسے ایزد کے کمرے میں پہنچا چکی تھی۔
جبکہ عیشال کے اندر دھکڑ پکڑ ہونے لگی، وہ خوش گمان نہیں تھی، جانتی تھی کہ ایزد آفریدی نے اسے اپنی زندگی میں کیوں شامل کیا ہے۔
جب کہ دوسری طرف ایزد ٹیرس پر کھڑا کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہا تھا، اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، اس نے عیشال کو اپنی زندگی میں شامل کر لیا تھا، آج کی شب وہ اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا، اپنے کمرے میں عیشال کی دلہن کے روپ میں موجودگی کا احساس ہی اس کے اندر اضطراب پیدا کر رہا تھا، تب ہی وہ ٹیرس سے بار روم کی جانب بڑھ گیا، یہ بار روم اس کے مہمانوں کے لئے بنایا گیا تھا، وہ خود اس خرافات سے دور رہتا تھا، پر آج وہ سب کچھ بھول جانا چاہتا تھا، بالخصوص وہ جذبہ جو کبھی عیشال کے لئے اس کے دل میں جاگا تھا، رات کا آخری پہر تھا جب وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اپنے کمرے میں داخل ہوا تھا، پورے گھر پر ہو کا عالم طاری تھا، تمام مہمان تھکے ہارے سو چکے تھے، دروازہ اندر سے لاک کر کے اس نے کمرے میں طائرانہ نظر دوڑائی، بیڈ روم کی سجاوٹ حدید نے کسی ماہر ڈیزائنر سے کروائی تھی، اسے یقین واثق تھا کہ وہ اس کے انتظار میں بیٹھی ہو گی، خالی بیڈ دیکھ کر اسے حیرت ہوئی، پھر حیرت شدید ہوئی کیونکہ وہ پورے کمرے میں کہیں نظر نہیں آ رہی تھی، البتہ اس کا تمام زیور ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا تھا، لہنگا بھی ایزد کی نظروں میں آ چکا تھا جو کہ صوفے پر رکھا تھا۔
"کہاں گئی؟" ایزد کی سرخ آنکھوں میں الجھن ابھری، وہ کمرے کے درمیان میں آ کر نظروں سے اسے کھوجنے لگا، حالانکہ اس کے خیال کو بھاڑ میں جھونک کر سو بھی سکتا تھا۔
تب ہی ٹوسٹر صوفے کے پیچھے آہٹ ہوئی تو وہ چونک کر مڑا اور صوفے کی پشت پر پہنچ کر رک گیا، صوفے کے پیچھے وہ گھٹنوں میں سر چھپائے بیٹھی تھی، اس کے سیاہ چمکیلے بال شانوں پر پھیلے ہوئے تھے، چونک کر اس نے سر اٹھایا، ایزد کو اتنے نزدیک دیکھ کر بوکھلا کر اٹھ کھڑی ہوئی، ایزد کی نظریں اس کے دھلے دھلائے چہرے پر تھیں، جہاں آنسوؤں کی لکیریں چمک رہی تھیں۔
"تم یہاں چھپ کر کس لئے بیٹھی ہو، کہیں تمہیں یہ غلط فہمی تو نہیں ہو گئی کہ میں تمہارے حسن کو خراج پیش کروں گا۔" اس کا لہجہ سلگ رہا تھا۔

رابیل......'' چٹاخ کی آواز کے ساتھ ایزد کا تھپڑ اس کے دائیں گال پر پڑا تھا۔

''رابیل کا نام بھی اپنی زبان سے مت نکالنا۔'' عیشال کی زبان سے رابیل کا نام سنتے ہی اس کا وجود شعلوں میں جھلسنے لگا تھا، آنکھوں سے لہو ٹپک رہا تھا، عیشال اپنے گال پر ہاتھ رکھے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تمہاری ہٹ دھرمی نے تمہیں یہ دن دکھایا ہے، تم جیسی لڑکیاں اپنے آپ کو بہت عقلمند سمجھتی ہیں، پوری دنیا انہیں اپنے آگے بیوقوف دکھائی دیتی ہے، اپنی نام نہاد عقلمندی کی وجہ سے تم نے مجھے سب کی نظروں میں گرا دیا ہے، میری اذیت میں تم برابر کی حصہ دار ہو، سو اب تم بھی بھگتو کیسے سامنا کر پاؤ گی تم اپنی دادی کا، ارمان انکل کا اور ہاں نجل بھی تو ہے، جب ان لوگوں کو معلوم ہوا ہوگا عیشال آفتاب اب عیشال ایزد بننے جا رہی ہے، تو انہوں نے کیا سوچا ہوگا تمہارے بارے میں، تم اچھی طرح سمجھ سکتی ہو۔'' اس کے الفاظ زہر میں بجھے ہوئے تھے، عیشال کی رگ رگ میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں۔

''غلطی صرف میری نہیں ہے......'' اس نے عیشال کو بات پوری نہیں دی اور دوسرا تھپڑ تھا جو اس کے بائیں گال پر پڑا تھا، تھپڑ تو وہ مار چکا تھا لیکن اب اپنی ہتھیلی میں اس کے آنسوؤں کی نمی کا احساس اسے مضطرب کرنے لگا تھا، جسے دبانے کے لئے وہ چیخ اٹھا۔

''شٹ اپ ایسا نہ ہو کہ تم آج کی رات مجھ سے ضائع ہو جاؤ۔'' وہ مڑا اور لڑکھڑاتے قدموں سے بیڈ تک پہنچا اور بیڈ کے درمیان میں ڈھیر ہو گیا۔

عیشال کو کوئی شبہ نہیں تھا، وہ جان چکی تھی کہ ایزد ڈرنک کیے ہوئے تھا، وہ اپنی سسکیاں دباتی ہوئی صوفے پر بیٹھ گئی، رات کے جانے کس پہر اس کی آنکھ لگ گئی، دوبارہ جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ کچھ دیر تک غائب دماغی سے بیٹھی رہی، جیسے ہی صورتحال کا ادراک ہوا وہ ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی، پورا جسم اکڑا ہوا محسوس ہو رہا تھا، سر میں بھی شدید درد ہو رہا تھا۔

ماہ نور جب کمرے میں آئی تو اس وقت تک عیشال شاور لے چکی تھی، ایزد شاید جا چکا تھا، اس کے چہرے پر گزری شب کی تباکاریاں دیکھ کر ماہ نور کو لگا کہ جیسے اس کا دل کسی نے مسل ڈالا ہو، تب ہی وہ بنا کچھ کہے الٹے قدموں لوٹ گئی اور عمو جان کو اس کے پاس بھیج دیا، عمو جان جب کمرے میں آئی تو اس وقت وہ بالوں میں برش پھیر رہی تھی۔

''السلام علیکم!'' اس کے سلام کا جواب دے کر عمو جان نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا، اس کے رخساروں پر ایزد کی انگلیوں کے نشان ثبت تھے۔

''اس نے تمہیں مارا ہے؟'' انہوں نے سرگوشی میں کہا۔

''مجھے معاف کر دو بیٹے، مجھ سے اس کی تربیت میں کوئی کوتاہی ہو گئی ہے۔'' ان کا لہجہ بھیگ رہا تھا۔

''نہیں پلیز۔'' عیشال نے تڑپ کر ان کے ہاتھ تھام لئے، کس قدر خوبصورت تھیں عمو جان اور ان کا دل کتنا نرم تھا۔

''غلطی تو میری بھی ہے۔'' اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

''تمہارا ناشتہ میں کمرے میں ہی بھجوا دیتی ہوں، کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو کہو۔'' وہ انتہائی شرمسار لگ رہی تھیں۔

''میرے سر میں شدید درد ہے، اگر پین کلر

مل جائے تو۔‘‘

’’ہاں میں بھجواتی ہوں، ناشتے کے بعد تم آرام کر لینا، شام میں تمہیں پارلر بھی جانا ہے۔‘‘

رات کو ولیمے کا ڈرامہ ہونا باقی تھا، جس میں پھر سے اسے اور ایزد کو اپنی اپنی اداکاری کے جوہر دکھانے تھے، ناشتے کے بعد وہ پین کلر لے کر سو گئی تھی، دوبارہ جب اس کی آنکھ کھلی تو دوپہر ڈھل چکی تھی، صوفے پر پڑے گیلے تولیے کو دیکھ اسے اندازہ ہوا کہ اس کی نیند کے دوران ایزد کمرے میں آیا تھا، شام کو وہ ماہ نور کے ساتھ پارلر آ گئی، ولیمے کی تقریب کا انتظام ہوٹل میں کیا گیا تھا، جہاں آج بھی مہمانوں کی کثیر تعداد موجود تھی، عیشال کو زری آج قدرے پژمردہ لگی تھی۔

’’مما آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔‘‘

’’ہونہہ، میری فکر مت کرو، لائف انجوائے کرو۔‘‘ زری کی توجہ ایزد پر تھی جو عیشال کے پہلو میں بیٹھا غضب ڈھا رہا تھا، کشمالہ نے اسے سرزنش کی تھی کہ وہ شادی والے روز اسٹیج پر کیوں نہیں آیا، سو وہ آج عیشال کے ساتھ موجود تھا، کچھ دیر اس سے باتیں کرنے کے بعد زری اسٹیج سے اتر کر کشمالہ کے پاس چلی گئیں، عیشال نے ایک سرسری نظر ایزد پر ڈالی جو حدید سے باتیں کرتے ہوئے ہنس رہا تھا۔

’’ہم دونوں نے ہی اپنے اپنے چہروں پر نقاب ڈال رکھے ہیں۔‘‘ اس نے سوچا، تقریب رات گئے اختتام پذیر ہوئی، ایزد کے آنے سے پہلے وہ لباس تبدیل کر کے صوفے پر سونے کے لئے لیٹ چکی تھی، اوڑھنے کے لئے اس نے چادر لے لی تھی، اسے معلوم نہیں ہوا کہ ایزد اس کے سونے کے کتنی دیر بعد کمرے میں آیا تھا، دوسرے روز دوپہر میں تمام مہمان رخصت ہو گئے، ماہ نور اور عمو جان کا ابھی مزید رکنے کا ارادہ تھا، آج رات زری کی فلائٹ تھی وہ لندن علاج کی غرض سے جا رہی تھی، عیشال ماں سے ملنے کے لئے جا رہی تھی، لیکن وہ دل سے چاہتی تھی کہ ایزد بھی اس کے ساتھ جائے تاکہ زری کے سامنے اس کا بھرم رہ جائے، لیکن اس میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ اسے مخاطب کرتی، اولین شب کے بعد ان دونوں میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی اور آج تو وہ صبح سے ہی غائب تھا، وہ زری کے سامنے اہتمام سے سنگھار کر کے جانا چاہتی تھی، اس نے رائل بلیو کلر کی ساڑھی باندھی تھی جس کے بارڈر پر میرون نازک کام بنا ہوا تھا، بالوں کو اس نے کھلا چھوڑ رکھا تھا، لائٹ میک اپ اور کندن کی جیولری میں اس کا وجود لشکارے مار رہا تھا، کشمالہ نے بھی اسے دیکھ کر ماشاء اللہ کہا تھا۔

’’میں چاہتی تھی کہ ایزد بھی تمہارے ساتھ جاتا، میں نے کال کی ہے پر اس کا سیل آف جا رہا ہے۔‘‘ کشمالہ شرمسار لگ رہی تھیں۔

’’عمو جان ڈونٹ وری میں چلی جاؤں گی۔‘‘ عمو جان کی شرمندگی محسوس کر کے اس کا دل اداس ہونے لگتا تھا، گاڑی ڈرائیو کرتی ہوئی جب وہ ائیر پورٹ پہنچی تو دیکھا کہ زری اس کی بے چینی سے منتظر تھی۔

’’ایزد دوپہر میں آیا تھا میں نے کہا کہ عیشو کو بھی لے آتے تو اس نے بتایا کہ گھر پر مہمان آئے ہوئے ہیں، تم ائیر پورٹ پر ہی پہنچ سکو گی۔‘‘ زری کی آنکھیں نم اور چہرہ زرد ہو رہا تھا، عیشال ماں کی بات سن کر چونکی۔

کیا شخص تھا ایزد آفریدی بھی، ایک طرف تو اس سے انجان بن کر بیٹھا تھا اور دوسری جانب اسے زری کے جذبات کا خیال بھی تھا کہ اس کے

دل میں کوئی ملال نہ رہے سو وہ زری سے ملاقات کر کے گیا تھا۔

''جی مما مہمان آگئے تھے، آپ اپنا بہت خیال رکھیے گا، میری فکر بالکل مت کیجئے گا۔'' اس نے زبردستی کی مسکراہٹ لبوں پر سجائی۔

''انکل آنٹی پلیز مما کا بہت خیال رکھیے گا۔'' اب وہ مسٹر اینڈ مسز رضا سے مخاطب تھی، جواباً مسز رضا اسے تسلیاں دینے لگیں تھیں لیکن اس کے دل کو قرار ہی نہیں آ رہا تھا، دل انجانے خدشات سے سہم رہا تھا، پتا نہیں وہ دوبارہ اپنی ماں کا چہرہ دیکھ بھی پائے گی یا نہیں، رخصت ہوتے سمے اس نے آخری الفاظ یہی ادا کیے تھے۔

''عیشو بیٹا مجھے معاف کر دینا۔'' گھر آ کر بھی عیشال کا دل بجھا بجھا سا تھا، ماہ نور اس کا دل بہلانے کے لئے اسے لان میں لے آئی اور باتیں کرنے لگی۔

''ایک بات پوچھوں ماہ نور؟''

''ہاں ضرور۔'' ماہ نور نے مسکرا کر اسے دیکھا، پہلی بار دیکھ کر ہی وہ اس پر فریفتہ ہو گئی تھی۔

''تمہارے ہوتے ہوئے تمہارے لالہ کو رابیل کو بہن بنانے کا خیال کیوں آیا۔''

''ہاؤ سویٹ، تمہاری زبان سے کتنا اچھا لگ رہا ہے تمہارے لالہ۔'' ماہ نور کی بات پر وہ جھینپ گئی جبکہ ماہ نور اس کے چہرے پر بکھرے رنگوں کو دیکھ کر کہنے لگی۔

''ان دنوں لالہ کراچی میں ہی تھے، جب انہوں نے پہلی بار رابیل کو دیکھا تھا یہ بہت زیادہ پرانی بات نہیں ہے۔''

''ماہ نور ذرا میرے روم میں آؤ۔'' ایزد آفریدی اپنے کمرے کی بالکونی میں کھڑا تھا، نجانے وہ کب آیا تھا انہیں پتا ہی نہیں چلا۔

''آئی لالہ۔'' اس نے عیشال سے ایکسکیوز کیا اور اندر کی جانب بڑھ گئی۔

جبکہ عیشال کتنی ہی دیر بے مقصد لان میں ٹہلتی رہی، زندگی اس کس مقام پر لے آئی تھی، بہت دیر کے بعد وہ بے دلی سے اندر آئی، کمرے کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے اس کی ہتھیلیاں بھیگ رہی تھیں ایزد آفریدی کا سامنا کرنے کے خیال سے، آفتاب منزل کی شہزادی کے پاس اس کے علاوہ کوئی جائے پناہ بھی نہیں تھی، کمرے میں ایزد نہ پا کر اس نے ایک سکون بھرا سانس لیا اور پھر تکیہ اور چادر لے کر صوفے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

''آپ نے مجھے بلایا؟'' کچھ ہی دیر بعد گلزار (ملازمہ) عمو جان کا بلاوا لے کر آ گئی، تو وہ ان کے کمرے میں آ گیا۔

''تم جانتے ہو کہ میں اور ماہ نور کل واپس جا رہے ہیں۔'' وہ نرم لہجے میں گویا ہوئیں۔

''جی آپ نے بتایا تھا کہ آغا جی کا بلاوا آیا ہے۔'' ان کے نزدیک ہی وہ بیٹھ گیا تھا، عمو جان اسے ازحد سنجیدگی نظر آ رہی تھیں۔

''جانے سے پہلے میں تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں، میں چاہتی ہوں کہ تم عیشال کو لے کر لاہور آؤ اور آفریدی ہاؤس میں کچھ دن رہو۔'' انہوں نے بیٹے کو بغور دیکھا۔

''آپ کا کیا خیال ہے، آغا جی کو یہ گوارہ ہو گا؟'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

''میں ان سے بات کر لوں گی۔''

''لیکن میں یہ نہیں بھول سکتا کہ وہ مجھ سے خفا ہیں، ایک اجنبی لڑکی کی کہی بات ان کے نزدیک زیادہ اہم تھی۔'' اس کی آواز قدرے بلند تھی۔

''عیشال بہت اچھی اور معصوم لڑکی ہے ایزد، جو ہوا اسے بھولنے کی کوشش کرو، عیشال کو دل سے اپنا لو بیٹا۔'' عمو جان کا لہجہ ملتجیانہ ہو گیا تھا۔

''جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤں، عیشال کی وجہ سے میں آغا جی کی نظروں سے گر گیا ہوں میں سب کی نظروں سے گر گیا ہوں عمو جان، میں اپنی ہی نظروں سے گر گیا ہوں، جس لڑکی کی وجہ سے یہ سب ہوا، میں اسے معاف کر دوں۔'' اس کا لہجہ بدستور بلند تھا۔

''جس لڑکی سے شادی میں نے بدلہ لینے کے لئے کی تھی اسے معاف کر دوں نہیں یہ ہیں ہو سکتا۔'' آج پہلی وہ اس بات کو عمو جان کے سامنے تسلیم کر چکا تھا کہ اس نے عیشال سے شادی اس سے بدلہ لینے کے لئے کی تھی، عمو جان رنج و تاسف میں گھری اسے دیکھ رہی تھیں، پھر انہوں نے کہنا شروع کیا۔

''جب تمہاری شادی کی پہلی صبح میں نے اسے دیکھا تو مجھے لگا کہ میرا دل کسی نے مٹھی میں لے کر مسل ڈالا ہو، مجھے اپنی ماہ نور کا خیال آیا تھا، اگر میری بیٹی کے ساتھ شادی کی پہلی رات اس کا شوہر ایسا سلوک کرتا تو میں جیتے جی مر جاتی، ایزد مجھ سے وعدہ کرو تم آئندہ اس پر ہاتھ نہیں اٹھاؤ گے۔'' عمو جان کا لہجہ بھرایا ہوا تھا، جبکہ ایزد عمو جان کی زبانی سچائی سن کر شرمندہ تو تھا ہی مگر اسے وعدہ کرنے میں بھی تامل تھا، عیشال سے وہ کوئی نرمی نہیں برتنا چاہتا تھا۔

''وعدہ کرو مجھ سے ایزد ورنہ میں تمہیں اپنی صورت نہیں دکھاؤں گی۔'' عمو جان کی آنکھیں نم تھیں۔

''میں وعدہ نہیں کر سکتا عمو جان، میں کوشش کروں گا اور آپ میری ماں آپ اس کے لئے اس قدر حساس کیوں ہو رہی ہیں۔'' وہ باز پرس کر رہا تھا۔

''اس لئے ایزد کہ وہ لڑکی بھری دنیا میں تنہا ہو گئی ہے، تم سے شادی کے جرم میں اس کے عزیزوں نے اس سے قطع تعلق کر لیا ہے، فقط ایک ماں ہے، وہ بھی نہ زندہ لوگوں میں اس کا شمار ہے نہ مردوں میں، بتاؤ کیا تمہیں یقین ہے کہ اس کی ماں صحت یاب ہو کر لوٹ سکے گی نہیں ایزد ہم یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے، ہمارے سوا اس کا ہے ہی کون بیٹا اور ہم ہی اس کے زخموں پر مرہم رکھنے کی بجائے اس کے زخموں پر نشتر زنی کریں یہ کہاں کا انصاف ہے اور ہاں مجھے امید ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تمہارے آغا جی کی ناراضگی بھی دور ہو جائے گی۔'' اب کہ وہ اس کے بال سہلا رہی تھیں جیسے وہ کوئی چھوٹا سا بچہ ہو، جو کسی بات پر خفا ہو گیا ہو، ایزد آفریدی کے لبوں پر چپ کی مہر لگ گئی تھی، کچھ بولا ہی نہیں گیا، کشمالہ نے اس کی خاموشی کو امید افزاء جانا۔

عمو جان اور ماہ نور کے جانے کے بعد یہ دوسری صبح تھی، جب وہ اپنے مخصوص صوفے کے بستر پر گہری نیند میں تھی، ایزد آفریدی کی چھت کے نیچے اسے نیند کی دوا کے بغیر گہری نیند آنے لگی تھی، کسی نے اس کی چادر کھینچ کر اتار دی تھی، وہ اس افتادہ پر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی، صوفے سے کچھ فاصلے پر ایزد آفریدی کھڑا اس کی جانب متوجہ تھا۔

''کک...... کیا ہوا؟'' اس نے حواس قابو کر کے پوچھا۔

''صبح کے آٹھ بج چکے ہیں بیوی، اٹھو اور کچن میں جا کر میرا ناشتہ بناؤ۔'' وہ تولیے سے اپنے بال خشک کر رہا تھا۔

''خانساماں......'' اس نے منمنا کر پوچھا۔

''اسے چھٹی پر بھیج دیا ہے، ہری اپ جلدی کرو۔'' وہ ڈریسنگ ٹیبل کی جانب مڑ گیا، جبکہ وہ واش روم میں گھس گئی۔

''یہ کیا ہے؟'' پلیٹ میں پڑے عجیب سے ملغوبے کو اس نے کانٹے سے چھوا۔

''آملیٹ ہے۔'' وہ روہانسی ہو رہی تھی، کہیں وہ صبح صبح تھپڑ نہ جڑ دے۔

''ایسا آملیٹ میں نہیں کھا سکتا۔'' اس نے کانٹا واپس پلیٹ میں رکھ دیا اور چائے کا کپ اٹھا لیا، جو کچھ بہتر بن گئی تھی، یہ الگ بات کہ چائے چھانتے ہوئے اس کا ہاتھ جل گیا تھا۔

''کوکنگ چینلز دیکھو یا کوئی اور طریقہ اختیار کرو مگر اب کھانا تمہیں ہی بنانا پڑے گا اور کل سے مجھے ڈھنگ کا ناشتہ ملنا چاہیے بیوی۔'' اس کا لہجہ ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔

''اوکے۔'' وہ چائے ختم کر کے اٹھ چکا تھا وہ لنچ پر گھر نہیں آتا البتہ رات کا کھانا وہ گھر پر ہی کھانے کا عادی تھا، آفتاب منزل کی شہزادی نے کبھی انڈا بھی نہیں ابالا تھا، اسے بہت مشکل لگ رہا تھا ایزد کی دی گئی ذمہ داری وہ کس طرح نبھا پائے گی، بہت محبت سے اس نے رات کا کھانا بنایا تھا، کوشش کے باوجود چاول بیٹھ گئے تھے، ایزد نے چاول چکھ کر چھوڑ دیئے۔

''مجھے کھانا بنانا نہیں آتا۔'' وہ مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑی تھی۔

''تمہیں کچھ آتا بھی ہے بیوی، ارے یاد آیا تمہارے پاس وقت ہی کہاں بچتا ہوگا، میری جاسوسی کرنے سے فرصت ملتی تو تم کچھ سیکھ بھی جاتیں۔'' وہ خشمگیں نظروں سے اسے گھور رہا تھا، اس کا دل چاہا کہ وہ چلو بھر پانی میں ڈوب مرے، کیسے لفظوں کی مار مارتا ہے یہ شخص۔

''جب سب باتوں سے واقف تھے تو شادی نہ کرتے۔'' اس کی زبان پھسل گئی۔

ایزد جو کہ ڈائننگ ٹیبل چھوڑ کر اٹھ چکا تھا، بغور اسے دیکھا، اولین شب کے بعد عیشال نے بلاضرورت بولنا چھوڑ دیا تھا۔

''تمہاری زندگی اجیرن کرنے کے لئے بیوی بنایا ہے تمہیں۔'' اس کا لہجہ یکلخت سرد ہو گیا تھا۔

''جب کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں تو پھر بیوی کہنے کا کیا مطلب ہے۔'' آج اس کی شامت نے آواز دی تھی یا پھر تنہائی اور تھکن نے مزاج میں چڑچڑاہٹ پیدا کر دی تھی، جواباً اس نے عیشال کی کلائی ایک جھٹکے سے کھینچی تو عیشال اس کے بے حد نزدیک آ گئی، وہ بہت سہمی ہوئی لگ رہی تھی۔ (کیا چاہتا ہے یہ شخص)

''بیوی کہنے سے مراد ہے کہ تمہیں ہر وقت ہر پل یہ بات یاد رہے کہ تم ایزد آفریدی کی زندگی میں شامل ہو چکی ہو، وہ شخص جو تمہیں اپنی بہن کے لائق نہیں لگتا تھا وہی اب تمہارے جسم و جاں کا مالک ہے۔'' اس کی گرم سانسیں عیشال کا چہرہ جھلسانے لگیں، پیشانی پر پسینہ بہہ نکلا، اگلے ہی پل وہ اسے چھوڑ چکا تھا، ایک قدم آگے بڑھ کر وہ پھر رکا اور اس کی جانب مڑا۔

''تمہارے کپڑوں سے لہسن کی اسمیل آ رہی ہے، جا کر چینج کرو۔'' وہ لمبے ڈگ بھرتا اسٹڈی کی جانب بڑھ گیا، جبکہ اس پر گھڑوں پانی گر گیا، دو دن سے اس نے یہی لباس پہن رکھا تھا۔

☆☆☆

اس روز ایزد کے آفس جانے کے بعد اس نے کام نمٹائے اور پھر فارغ ہو کر اس نے اپنا سامان ایزد کے روم کے برابر والے روم میں

شفقت کرنا شروع کر دیا، اس نے سوچا کہ جب گھر میں اتنی گنجائش ہے تو پھر اسے صوفے پر بے آرام ہو کر سونے کی کیا ضرورت ہے، شام تک وہ اس کام سے بھی فارغ ہو چکی تھی، نہانے کے بعد اس نے پنک کلر کا سوٹ منتخب کر کے پہنا تھا جس کا دوپٹہ بے حد خوبصورت تھا، گیلے بالوں کو اس نے کھلا چھوڑ دیا اور لاؤنج میں صوفے پر بیٹھ کر اس نے مما کا نمبر ملایا، بیل مسلسل جا رہی تھی لیکن وہ کال ریسیو نہیں کر رہی تھیں، یکا یک اس کے دل پر بے قراری کا موسم اتر آیا، کسی طور چین نہیں آ رہا تھا، اس نے کچھ سوچ کر انکل رضا کا نیا نمبر ملایا جسے تیسری بیل پر ہی اٹھا لیا گیا۔

''انکل! مما کال ریسیو نہیں کر رہی ہیں۔'' سلام کے بعد اس نے پوچھا۔

''بے بی آج میڈم کی طبیعت کافی خراب ہے۔'' انکل رضا کی اطلاع پر اس کا دم اٹکنے لگا۔

''کل کافی بہتر تھیں، ان سے ملنے گیسٹ بھی آئے تھے، اس وقت وہ انجکشن کے زیر اثر سو رہی ہیں۔''

''طبیعت زیادہ خراب ہے۔'' اس نے بدقت پوچھا۔

''جی بیٹا! آپ دعا کیجئے۔'' انکل رضا نے تسلی دینے سے احتراز برتا۔

''مما سے ملنے کون آیا تھا؟'' اس نے آنسو پیتے ہوئے پوچھا۔

''سنجل آئی تھیں، ان کے ساتھ ان کے ہزبینڈ اور میڈم کی مسز بھی آئی تھیں۔'' انکل رضا کی بات سن کر وہ ساکت رہ گئی، بالآخر سنجل کو مام کا خیال آ ہی گیا اور فری پھپھو کا دل بھی نرم ہو گیا، اس نے کچھ دیر بات کر کے فون بند کر دیا، اس کا دل مام کے لئے تڑپ رہا تھا، بے اختیار اس کی آنکھیں بہنے لگیں، نجانے کس کس زخم سے لہو رسنے لگا۔

الجھا الجھا سا وہ گھر میں داخل ہوا تھا، گھر میں پھیلے سناٹے نے اس کا استقبال کیا تھا، عموماً اس وقت کچن سے آتی کھٹ پٹ کی آوازیں لاؤنج میں پھیلی ہوئی ہوتی تھیں، گلزار بھی مقررہ وقت پر اپنے کوارٹر میں واپس جا چکی تھی، کیونکہ ایزد کو اپنی موجودگی میں گھر میں ملازمین اچھے نہیں لگتے تھے، اس نے بیگ ڈائننگ ٹیبل پر رکھا اور پلٹ کر لاؤنج میں آیا جہاں اندھیرا چھایا ہوا تھا، سوئچ بورڈ کے قریب جا کر اس نے بٹن پش کیے تو لاؤنج روشنی میں نہا گیا، ایزد کی توقع کے مطابق وہ لاؤنج کے صوفے پر اس پوزیشن میں موجود تھی، اس کا ایک پیر زمین پر تھا اور دوسرا صوفے پر جبکہ اس کا چہرہ صوفے کے ہتھے پر جھکا ہوا تھا، اس کا ہولے ہولے لرزتا وجود بتا رہا تھا کہ وہ زور وشور سے آنسو بہا رہی ہے۔

''اب اسے کیا ہوا؟'' اس نے دل میں کہہ کر ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی اور کوٹ اتار کر دوسرے صوفے پر رکھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے۔'' اس نے ذرا کڑک آواز میں پوچھا، مگر جواب ندارد۔

''بیوی میں تم سے کچھ کہہ رہا ہوں۔'' اب کہ وہ ذرا نزدیک ہو کر بولا تھا، تب ہی وہ چونک کر سیدھی ہو کر بیٹھی اور پھر ایزد کی جانب نظر اٹھائی، اس کا آنسوؤں سے بھیگا متورم چہرہ اور سرخ ناک دیکھ کر ایزد کا دل چاروں شانے چت ہو گیا، اس نے بے اختیار نظر پھیر لی، (روتے ہوئے وہ پہلے سے بڑھ کر حسین لگتی تھی)۔

''مما! کی طبیعت زیادہ خراب ہے، میری انکل رضا سے بات ہوئی ہے۔'' وہ اسے بتاتے ہوئے انگلیوں کی پوروں سے آنسو چننے لگی۔

''تمہیں ان کے پاس جانا ہے؟'' ایک پل

کوسوچ کر ایزد نے نرمی سے پوچھا البتہ اس کی نظریں اب بھی کارنس پر رکھی اپنی اور ماہ نور کی تصویر پر تھیں۔

"نہیں، میں انہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی، میرا ان کے سوا ہے ہی کون۔" وہ بے اختیاری میں بول رہی تھی، یہ خیال نہیں تھا کہ سامع ایزد آفریدی ہے، جس کے نزدیک عیشال کی تکلیف باعث سکون ہوتی ہے، شاید اس کے آنسو بھی، جبکہ ایزد کا دل مچل رہا تھا یہ کہنے کے لئے کہ "میں ہوں نہ تمہارا" لیکن اس نے اپنے دل کو بری طرح ڈپٹ دیا۔

"تمہارے آنسو ان کی تکلیف میں کمی نہیں کریں گے، البتہ تمہاری دعائیں ضرور ان کے کام آسکتی ہیں، سو نماز پڑھ کر ان کے لئے دعا کیا کرو، اٹھو اور جا کر منہ ہاتھ دھوؤ میں بھی فریش ہو کر آتا ہوں۔" ایک نظر اس پر ڈالتا وہ کوٹ اٹھا کر وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا، ایسا پہلی بار نہیں ہوا تھا کہ اس کا دل اس کے مدمقابل آیا تھا، ایسا بارہا ہوا تھا، اکثر شبوں کی تنہائیوں میں اس کا دل عیشال کی قربت کے لئے مچلنے لگتا تھا، جسے وہ بے دردی سے ڈپٹ دیتا تھا، یا پھر اس وقت جب وہ اسے کھانا سرو کر رہی ہوتی تھی۔

اور ایسے میں کھانا کھاتے ہوئے ایزد کی نگاہ اس کی ہتھیلی کے آبلے پر پڑ جاتی تھی تو اس کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو جاتا تھا، اسے لگتا تھا کہ وہ دوہرے محاذ پر نبرد آزما ہے کبھی کبھی انتقامی جذبہ اس قدر پرزور طریقے سے حملہ آور ہوتا تھا کہ وہ سوچتا تھا کہ عیشال کے لئے سانس لینا بھی دوبھر کر دے، عجیب دوہری کیفیت کا شکار تھا وہ ان دنوں، فریش ہو کر جب وہ نیچے آیا تو عیشال چائے تیار کر چکی تھی، چائے کا مگ تھماتے ہوئے ایزد کو بغور دیکھا جو بلیو جینز اور بلیک شرٹ میں کہیں جانے کے لئے تیار نظر آرہا تھا، چائے ختم کر کے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں ایک کام سے جا رہا ہوں، ڈنر باہر ہی کروں گا۔" عموماً وہ اسے اپنی آمدورفت کے بارے میں بتانا ضروری نہیں سمجھتا تھا، آج عیشال کو وہ بدلا بدلا سا لگا تھا، وہ نہیں جانتی تھی کہ ایزد آفریدی کے دل کا موسم بدلنے لگا ہے، عیشال نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا، ایزد اس کی جانب دیکھے بغیر دروازے کی جانب بڑھتا چلا گیا، مبادا اس کا چہرہ پیروں کی زنجیر بن جائے، ایزد کے جانے کے بعد اس نے چائے پی اور پھر خالی برتن لے کر کچن میں آگئی، رات کے کھانے کے نام پر وہ صرف سالن بنا پائی تھی، اب جبکہ ایزد رات کا کھانا باہر کھانے والا تھا، تو اس نے سوچا کہ وہ خود بریڈ اور سالن کا ڈنر کر لے گی، نخرے وہ بھلا چکی تھی، لیڈی ماریا کس طرح اس کے آگے پیچھے پھرتی تھیں کہ وہ کچھ کھا لے، اس کے لئے کچھ نہ کچھ اسپیشل بناتی رہتی تھیں، وہ بے دلی سے چائے کے خالی برتن دھو کر کمرے میں آگئی، سر بھاری ہو رہا تھا، اس نے سر درد کی ایک ٹیبلٹ لی اور پھر آفتاب منزل فون کیا، جہاں لیڈی ماریا اب بھی اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے موجود تھیں، لیڈی ماریا سے باتیں کر کے اس کا دل کافی ہلکا ہو گیا، رات کے کھانے کے بعد وہ نئے سیٹ کیے کمرے میں آگئی، مام کے بارے میں سوچتے نجانے کب وہ نیند کی وادیوں میں پہنچ چکی تھی۔

☆☆☆

کمرے میں داخل ہو کر ایک عجیب سے احساس نے اسے چھوا تھا، کچھ کمی سی تھی جو اسے کھٹک رہی تھی، اس نے رخ بدلا، وہ صوفہ جہاں اس وقت وہ سوئی ہوئی تھی وہ خالی تھا، اسے لگا کہ وہ صوفہ بھی اس نازک سے وجود سے محرومی

کا ماتم کر رہا ہو، سینٹر ٹیبل پر کوئی کتاب بھی نہیں تھی، اکثر وہ سونے سے پہلے کچھ دیر مطالعہ کرتی تھی۔

''کہاں گئی؟'' وہ سوچتے ہوئے ڈریسنگ روم میں کپڑے چینج کرنے چلا گیا تھا، آج کا دن اس کا بہت برا گزرا تھا اور پھر یہ لڑکی بھی تو شام سے آزمائش بنی ہوئی تھی، نائٹ سوٹ پہن کر اس نے خود پر اسپرے کیا اور بال برش کر کے وہ کمرے سے باہر آ گیا، وہ کچن میں بھی نہیں تھی، اچانک اسے کسی خیال نے چھوا تو وہ واپس اوپر اور اپنے روم کے برابر والا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا، سامنے کا منظر دیکھ کر اس کے لبوں سے ایک سرد آہ برآمد ہوئی تھی، کمرے کی لائٹ جل رہی تھی اور وہ بیڈ پر گہری نیند سوئی ہوئی تھی، اس کے سونے کا تو یہ شکن انداز ایزد کے دل میں ہلچل مچانے لگا تب وہ اسے اٹھانے کا ارادہ ترک کر کے لائٹ آف کرتے ہی کمرے سے باہر نکل آیا۔

صبح ناشتے کی میز پر ایزد کا مزاج حد درجہ برہم تھا، عیشال کو اپنی شامت سر پر نظر آنے لگی، قدرے بہتر بنے آملیٹ کی پلیٹ اس نے دور کھسکا دی تھی۔

''ایپل جوس بنا دو۔'' وہ اخبار کی سرخیاں پڑھنے لگا، ٹیبل پر معمولی سی گرد نظر آنے پر وہ کچھ دیر پہلے گلزار کی کھنچائی کر چکا تھا جو کہ اب اپنے کوارٹر میں واپس جا چکی تھی، عیشال نے ایپل جوس سے بھرا گلاس اس کے آگے رکھا جسے وہ گھونٹ گھونٹ کر کے پینے لگا۔

''رات کہاں تھیں بیوی۔'' جوس ختم ہو چکا تھا، نظریں اخبار پر تھیں، جبکہ لفظوں کی دھار کا رخ عیشال کی جانب تھا۔

''وہ...... میں نے اپنا سامان دوسرے بیڈ روم میں شفٹ کر دیا ہے۔'' وہ انگلیاں چٹخا رہی تھی۔

''کس سے پوچھا تھا تم نے؟'' اخبار سائیڈ پر کر کے اس نے عیشال کو دیکھا، سیاہ سوٹ میں جس کا چہرہ چاند کی مانند روشن تھا۔

''مجھے صوفے پر بے سکونی محسوس ہوتی تھی اس لئے۔'' اس نے بنا سوچے سمجھے اپنی تکلیف بتا دی، عیشال کی بات سن کر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا، دو قدم آگے بڑھا اور اس کے نزدیک آ کھڑا ہوا۔

''تمہارا کیا خیال ہے، میں تمہیں یہاں کیوں لایا ہوں؟''

''میں نے تمہیں اپنی زندگی میں شامل ہی اس لئے کیا ہے کہ تمہیں بے سکون کر سکوں، کیونکہ تمہارا سکون دیکھ کر میں بے سکون ہونے لگتا ہوں، صرف تمہاری وجہ سے آغا جی اب تک مجھ سے خفا ہیں۔'' اس سے جواب نہ پا کر وہ خود شروع ہو گیا تھا، عیشال جو کہ پہلے ہی زری کی وجہ سے پریشان تھی، ایزد کے لگائے گئے الزامات اس کا ضبط توڑ گئے۔

''آپ نے غلطی کی تھی، آپ کو اسی غلطی کی سزا ملی ہے۔''

''جسٹ شٹ اپ، میں نے کوئی غلطی نہیں کی تھی، ایک اچھا کام کیا تھا، یہ سوچ کر سب کو بے خبر رکھا کہ نیکی دائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو، مگر یہ محدود سوچ رکھنے والا معاشرہ، اس نے میری نیکی کو بھی میرا گناہ بنا ڈالا اور اس کام میں جو کردار تم نے ادا کیا ہے، اسے تو میں بھول ہی نہیں سکتا، عیشال آفریدی تمہیں اس کی پوری سزا ملے گی اور یہ بھی تمہاری سزا کا حصہ ہے کہ تم میرے کمرے میں رہو اور بے سکون رہو۔'' وہ کرسی کو ٹھوکر مار کر آگے بڑھ گیا، اس کے جانے کے بعد عیشال نے

بے دلی سے ناشتہ کیا، بعض اوقات وہ اسے بہت مظلوم لگتا تھا، مگر مظلوم تو وہ خود بھی تھی، اس نے کب ایزد سے دشمنی نبھانی چاہی تھی، حالات ہی کچھ ایسے ہوگئے تھے جو ایزد کے خلاف جارہے تھے، وہ تو بس اتنا چاہتی تھی کہ اس کی بہن شادی کے بعد خوش رہے، عجل کی خوشیاں بچاتے بچاتے وہ خود کس قدر تنہا ہوگئی تھی، اپنی زندگی کے حوالے سے تو اس نے کبھی بھی بڑے بڑے خواب نہیں دیکھے تھے، بس اتنا چاہتی تھی کہ اس کا ہمسفر صرف اس کا ہوکر رہے، تقدیر نے جسے اس کا ہمسفر بنایا تھا، وہ کسی اور کا تو نہیں تھا، پر وہ اس کا بھی نہیں تھا، چھوٹے چھوٹے کام سمیٹتے ہوئے وہ سوچوں میں گھل رہی تھی تب ہی رابیل آگئی۔

''آپ سے ملنے کو بہت دل چاہ رہا تھا، اس لئے میں نے لالہ کو صبح ایس ایم ایس کیا کہ مجھے بھابھی سے ملنے جانا ہے، سو انہوں نے گاڑی بھجوادی۔'' وہ اس کے گلے لگی ہوئی تھی۔

''اچھا کیا تم آگئیں میرا بھی تم سے ملنے کو جی چاہ رہا تھا۔''

''فاطمہ خالہ نے مجھ سے کہا کہ شام میں چلی جانا، لیکن میں نے منع کر دیا۔''

''فاطمہ خالہ؟'' اس نے سوالیہ انداز اختیار کیا۔

''فاطمہ خالہ میرے ساتھ رہتی ہیں۔''

عیشال اسے ساتھ لے کر کچن میں آگئی اور چولہے پر چائے کا پانی رکھنے لگی۔

''رابیل دوپہر کے کھانے میں کیا پسند کرو گی؟'' اس نے پوچھا۔

''آج میں آپ کو اپنے ہاتھ سے بنا کر دال چاول کھلاؤں گی، جو کہ لالہ کو بھی بہت پسند ہیں۔'' وہ بہت باتونی تھی، عیشال نے چائے تیار کی اتنے میں رابیل نے دال چولہے پر چڑھا دی، اس کے ہاتھ بھی اس کی زبان کی طرح برق رفتاری سے چل رہے تھے، چائے لے کر دونوں لاؤنج میں آگئیں۔

''کل مہمانوں سے ملنے کے بعد لالہ بہت ڈسٹرب ہوگئے تھے۔'' رابیل کا لہجہ ایکدم افسردہ ہوگیا تھا، اسے کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اسے کیا جواب دے اور کیا سوال کرے، حالانکہ دل میں کئی سوال مچل رہے تھے۔

''لالہ نے مجھے بتاتا تھا کہ انہوں نے میرے بارے میں آپ کو کچھ بھی نہیں بتایا، بھابھی میں آپ سے سب کچھ شیئر کرنا چاہتی ہوں۔'' اس نے توقف کیا تو عیشال نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''بھابھی بات اس وقت شروع ہوئی جب کراچی کے انڈسٹریل ایریا کی ایک گارمنٹ فیکٹری میں اس وقت آگ لگ گئی جب وہاں سینکڑوں ورکرز کام میں مصروف تھے۔'' عیشال کو اس کی آنکھوں کی نمی بے چین کرنے لگی، رابیل کا لہجہ کھویا کھویا سا تھا۔

''ہمارے محلے کے تقریباً تمام لوگ اسی فیکٹری میں کام کرتے تھے، جب آگ لگی تو سب لوگ فیکٹری میں ہی موجود تھے، اماں ابا اور حارث کے جنازے دیکھ کر میں بے ہوش ہوگئی تھی۔'' قطرہ قطرہ آنسو اس کی آنکھوں سے ٹپک رہے تھے۔

''فاطمہ خالہ پہلے ہی غم سے نڈھال تھیں، ان کی بیوگی کا سہارا تھا، ان کا سہیل جس کا جنازہ گھر سے نکلا تھا اور اس کے بعد وہ مجھے ہسپتال لے کر گئی تھیں، کیونکہ مجھے ہوش نہیں آرہا تھا، ہسپتال میں مجھے ہوش تو آگیا پر میری حالت ابتر تھی، لالہ ہسپتال میں کسی کام سے آئے تھے۔''

عیشال دم سادھے سن رہی تھی۔

''میری چیخوں نے لالہ کو متوجہ کیا تھا، میرے حالات جان کر ان کو بہت دکھ پہنچا تھا، انہوں نے میرے سر پر اپنا دست شفقت رکھ دیا، فاطمہ خالہ اور میری کفالت کی ذمہ داری بنا کہے انہوں نے اپنے کندھوں پر اٹھالی، ان دنوں وہ چھٹیاں گزارنے پاکستان آئے تھے، واپس جانے سے پہلے انہوں نے ایک اچھے علاقے میں ہماری رہائش کا انتظام بھی کر دیا، خالہ اور میرے نام پر انہوں نے جوائنٹ اکاؤنٹ کھلوا دیا تھا، انگلینڈ واپس جا کر بھی وہ ٹیلیفون پر ہماری خیر گیری کرتے رہے ہیں، اب چونکہ میرا بی اے کمپلیٹ ہو گیا ہے تو لالہ کی خواہش ہے کہ میری شادی ہو جائے، اسی لئے خالہ کی کوششوں سے کل گھر پر کچھ خاص مہمان آئے تھے۔'' رابیل نے توقف کیا، عیشال سانس روکے سن رہی تھی، یہ سب تو اس کے سان وگمان میں بھی باہر تھا۔

''پھر کیا ہوا رابیل؟'' رابیل کی خاموشی نے اسے مضطرب کر دیا۔

''بھابھی! ان خواتین کی باتوں سے لالہ بہت ہرٹ ہوئے ہیں، وہ خاتون جو لڑکے کی والدہ تھیں کہنے لگیں کہ اگر لالہ نے نیک نیتی سے میری سرپرستی کی ہے تو انہیں تنہا یہ ذمہ داری اٹھانے کے بجائے اس کار خیر میں اپنی والدہ یا بیوی کو بھی شریک کرنا چاہیے تھا، کیونکہ ہمارا معاشرہ اتنا ایڈوانس نہیں ہے، وہ تو رشتے سے انکار کر کے چلی گئیں، لیکن لالہ خاموش ہو گئے تھے، انہوں نے رات کو کھانا بھی ٹھیک سے نہیں کھایا، بھابھی میں انہیں دکھی نہیں دیکھ سکتی۔'' وہ بہت افسردہ لگ رہی تھی۔

''ڈونٹ وری رابیل، سب ٹھیک ہو جائے گا، تم کچن میں چل کر دال دیکھ لو، جل نہ جائے۔'' وہ بدقت بول رہی تھی، اسے ایزد کے مزاج کی برہمی کی وجہ اب سمجھ میں آ گئی، بلکہ سارے ہی پردے اٹھ چکے تھے، اب ایزد آفریدی کے حوالے سے اس کے ذہن میں کوئی الجھن باقی نہیں رہی تھی، ایک کام باقی رہا تھا، ایزد آفریدی سے معافی مانگنے کا، رابیل رات کو ہی واپس چلی گئی تھی۔

☆☆☆

رات کو جب وہ لوٹا تو کافی عجلت میں تھا، کمرے میں جاتے ہی اپنے ضروری کپڑے بیگ میں ڈالنے لگا، عیشال چائے لے کر آئی تو وہ اس کام سے فارغ ہو چکا تھا، عیشال اس کا بیگ دیکھ کر چونک پڑی۔

''کہیں جا رہے ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''ہونہہ لاہور جا رہا ہوں، ماہ نور کا فون آیا تھا، عمو جان ہاسپٹلائز ہیں، آغا جی بھی آؤٹ آف کنٹری ہیں، اس لئے میرا وہاں جانا ضروری ہے۔'' وہ جانے کس جذبے کے تحت تفصیل سے بتا رہا تھا۔

''میں بھی چلوں۔'' عیشال نے سادگی سے پوچھا۔

''نہیں۔'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

''گلزار کو اپنے پاس بلا لینا، تاکہ تمہیں کوئی پریشانی نہ ہو۔'' وہ چائے کا خالی مگ رکھ کر اٹھا تھا۔

اور پھر کچھ خیال آنے پر اس نے جینز کی جیب سے اپنا والٹ نکال کر اس میں سے کئی نیلے نوٹ کھینچ کر نکالے اور پھر بنا کچھ کہے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیئے اس کے بعد وہ اپنا بیگ اٹھا کر باہر نکل گیا، بنا خدا حافظ کہے، اس کے جانے کے بعد عیشال نے وہ نوٹ اٹھا کر دراز میں ڈال دیئے اسے ان روپوں کی ضرورت نہیں تھی، رات کو اس نے گلزار کو اپنے پاس بلا لیا تھا، گلزار تقریباً تیس سال کی شادی شدہ عورت تھی، اس کا شوہر

ایزد کے گھر کی چوکیداری کرتا تھا، دوسرے دن صبح سے ہی اس کا دل بہت مضطرب تھا، اس سے ناشتہ بھی نہیں کیا گیا۔

''بی بی جی ناشتہ تو کر لیں۔'' گلزار نے اسے چائے پیتے دیکھ کر کہا۔

''جی نہیں چاہ رہا گلزار۔'' وہ بے دلی سے بولی اور اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی، اسے ایزد کی کال کا انتظار تھا کہ شاید وہ اسے کال کر کے عمو جان کی طبیعت کے بارے میں بتائے گا، لیکن یہ اس کی خام خیالی تھی، خود اس کے پاس ایزد کا نمبر نہیں تھا کہ اسے کال کرتی، وہ یہ سب سوچ ہی رہی تھی کہ اس کا سیل فون گنگنانے لگا انجان نمبر سے کال آ رہی تھی، کچھ سوچ کر اس نے کال پک کر لی۔

''ہیلو عیشال۔'' دوسری جانب سے آنے والی آواز کو وہ ایک لمحے میں پہچان گئی تھی اور اتنے عرصے کے بعد اپنی ماں جائی کی آواز سن کر اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

''سجل یہ تم ہو ناں؟'' اس نے بھیگی آواز میں تصدیق چاہی۔

''عیشال میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔'' سجل کا گھبرایا ہوا انداز محسوس کر کے عیشال سہم گئی۔

''عیشال میری بات سنو مام نے سوسائیڈ کر لی ہے، وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔'' دوسری جانب شاید وہ بھی رو رہی تھی، جبکہ عیشال اسی طرح بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔

(''یہ کیا کیا مما آپ نے، دنیا سے جاتے جاتے بھی آپ نے غلطی کر لی، خودکشی حرام ہے، کیوں کیا مما آپ نے ایسا۔'') وہ دل ہی دل میں زری سے مخاطب تھی، جس کا اب اس دنیا سے رابطہ ختم ہو چکا تھا اور وہ اب عیشال کے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتی تھی، اس کے آنسو تیزی سے بہہ رہے تھے، اس شدت سے اپنی کم مائیگی کا احساس ہو رہا تھا کوئی بھی تو نہیں تھا، اس کے پاس جو اسے جذباتی سہارا دیتا، اسے اپنی شفیق بانہوں میں تھام لیتا، اس کا دکھ اپنے دل پر محسوس کرتا۔

''کس قدر تنہا ہو گئی ہوں میں۔'' اس نے کرلا کر سوچا، پھر وہ گلزار کو گھر کا خیال رکھنے کا کہہ کر آفتاب منزل آ گئی، آفتاب منزل کے ملازمین تک بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ ان کی مالکن اس جہان فانی سے رخصت ہو چکی ہے، آفتاب منزل کے در و دیوار پر سوگواری طاری تھی، زری جس قدر بھی بے راہ روی کا شکار تھی، ملازمین کے ساتھ اس کا رویہ اتنا ہی اچھا تھا، تب ہی سب کی آنکھیں پرنم تھیں، لیڈی ماریا اسے دیکھتے ہی لپک کر اس کی جانب آئی تھیں اور اسے اپنی بانہوں میں تھام لیا تھا۔

''بے بی! میم ہمیں چھوڑ کر چلی گئیں ہیں۔'' اس کا گلا بیٹھا جا رہا تھا کچھ کہا ہی نہیں گیا، لاؤنج میں بھی چاندنیوں پر علاقے کی چند خواتین موجود تھیں۔

''لیڈی ماریا! آپ انکل رضا کو کال کر کے پوچھیں کہ وہ مما کو لے کر کب آئیں گے۔'' لیڈی ماریا نے اسے رنج سے دیکھا اور بولنے لگیں۔

''رضا صاحب سے میری بات ہو چکی ہے، ڈاکٹرز کا کہنا ہے کہ میم کی تدفین ادھر کر دینا ہی مناسب ہے، یہاں لانا مناسب نہیں ہے، سجل اور ان کے ہزبینڈ ادھر ہی ہیں، سجل سے میری بات ہوئی ہے، وہ تدفین کے بعد ہمیں اطلاع دے دیں گے۔'' لیڈی ماریا کی بات سن کر وہ ہارے ہوئے قدموں سے چاندنی پر آ کر بیٹھ گئی، اسے یاد تھا کہ جب ڈیڈ کی ڈیتھ ہوئی تھی، اس

وقت مما نے دادی اور تایا جی کے آنے سے پہلے ہی ڈیڈ کی تدفین کروا دی تھی، دادی آخری بار اپنے پیارے بیٹے کا چہرہ چھو کر نہیں دیکھ پائی تھیں، نہ ہی تایا جی اپنے لاڈلے بھائی کا آخری دیدار کر پائے تھے، اب یہی سب مام کے ساتھ ہونے جا رہا تھا، ان کی لاڈلی عیشال اب انہیں کبھی دیکھ نہیں پائے گی، ان کا آخری دیدار نہیں کر سکے گی، آخری بار انہیں چھو کر ان کا لمس اپنی پوروں پر محفوظ نہیں کر پائے گی، زری کا حلقہ احباب کافی وسیع تھا، جیسے جیسے لوگوں کو علم ہو رہا تھا وہ تعزیت کے لئے پہنچ رہے تھے، خواتین آپس میں اس کی بیماری کے حوالے سے چہ مگوئیاں بھی کر رہی تھیں، دادی کے ساتھ تایا جی اور تائی امی کو دیکھ کر اس کا ضبط ٹوٹ گیا، پھر جو وہ دادی کی بانہوں میں بکھر کر روئی ہے کہ انہیں سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

''آپ سب مجھ سے خفا ہو گئے اور اب مما بھی مجھ سے روٹھ گئی ہیں، دادی میں بہت تنہا ہو گئی ہوں۔''

''نہیں میری بچی! کوئی تجھ سے خفا نہیں ہے، ہم سب تیرے ساتھ ہیں بیٹا۔'' دادی کی بوڑھی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، وہ ان کے آفتاب کی نشانی تھی، بدگمانی نے ان کی آنکھوں پر دبیز پردے ڈال دیئے تھے، حالانکہ رابیل اور ایزد کے تعلق کے بارے میں تو انہیں کچھ عرصے بعد ہی پتا چل گیا تھا، پر جب زری کے ذریعے انہیں یہ پتا لگا کہ عیشال کی شادی ایزد سے ہو رہی ہے تو پھر وہ کچھ اور سوچ ہی نہیں پائی تھیں، اس کے علاوہ کہ عیشال نے اپنی خواہش کو پانے کے لئے سجل اور ایزد کی منگنی ختم کروائی تھی، حقیقت تو انہیں دور دور پہلے سجل نے فون پر بتائی تھی کہ عیشال کی شادی زری کی ضد کا نتیجہ تھی، عیشال بے قصور تھی، ناحق انہوں نے اس سے قطع تعلق کیا، اسے اپنی دعاؤں سے دور کیا۔

''ایزد نہیں آیا۔'' تایا جی پوچھ رہے تھے اور وہ شرمسار ہو گئی۔

''عمو جان ہاسپٹلائز ہیں، ایزد ان کے پاس لاہور گئے ہیں ان کے پاس۔'' تایا جی اس کی بات سن کر لان کی جانب بڑھ گئے جہاں پر مردوں کے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا، دوسری صبح سجل کا فون آیا، اس نے بتایا کہ زری کی تدفین کر دی گئی ہے، تایا جی نے بھی مقامی مسجد میں بھی زری کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کروائی تھی، ایزد کی کوئی خبر نہیں تھی، نہ ہی عیشال نے اس سے کوئی رابطہ کیا تھا، چار روز بعد تایا جی واپسی کے سفر کے لئے تیار تھے، تایا جی نے اس سے کہا کہ وہ ابھی ان کے ساتھ لاہور چلے، دادی اور تائی جی بھی تایا جی کے ساتھ واپس جا رہی تھیں، عیشال نے مناسب الفاظ میں انکار کر دیا، کس حق سے وہ ایزد کے باپ کے گھر جاتی، جب ایزد نے اسے کوئی حق دیا ہی نہیں تھا، بلکہ اسے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ایزد واپس لوٹ چکا ہے یا اب تک لاہور میں ہے، ایزد سے شادی کے وقت اس نے سوچا تھا کہ حالات سازگار ہوتے ہی وہ ایزد سے علیحدگی اختیار کر لے گی، پر اب ایسا ممکن نہ تھا، کیونکہ انجانے میں ہی وہ کٹھور شخص اس کے دل کا مالک بن بیٹھا تھا، ان لوگوں کو جو کہ اسے بہت پیارے تھے، انہیں گیٹ تک رخصت کر کے وہ اپنے کمرے میں آ گئی اور پردے سمیٹ کر کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی، اس کی سوچیں تتلیوں کی طرح بکھرنے لگیں۔

''بس کچھ ہی دنوں کی بات ہے، پھر اس گھر میں ویرانیاں ڈیرہ ڈال دیں گی، سناٹے گنگنایا کریں گے، خاموشی محو رقص ہو گی، اداسی

درو دیوار کا دامن تھام لے گی۔" وہ کھڑکی میں کھڑی سوچ رہی تھی، عقب میں آہٹ ہوئی تو اس نے مڑ کر دیکھا، لیڈی ماریا کھڑی تھیں، وہ بھی ایک ہفتے کے بعد گھر واپس جا رہی تھیں، وہاں ان کی بہن رہائش پذیر تھیں، لیڈی ماریا کا ان کے پاس ہی رہنے کا ارادہ تھا۔

"کیا بات ہے لیڈی ماریا؟" اس نے پوچھا۔

"بے بی یہ لفافہ میم امریکہ جانے سے پہلے آپ کے لئے دے گئی تھیں۔" لیڈی ماریا نے لفافہ اسے تھمایا، لفافہ ہاتھ میں لیتے ہی عیشال بے چین سی ہو گئی تھی۔

"آپ جائیے میں دیکھ لوں گی۔" لیڈی ماریا کے جانے کے بعد وہ بیڈ پر آ بیٹھی۔

"کیا ہے اس میں۔" اس کا دل کانپنے لگا تھا، لفافہ کھول کر اس نے لفافے میں موجود کاغذ باہر نکال لیا، نیلی روشنائی سے لکھی تحریر مام کی لکھائی میں ہی تھی۔

"ڈیئر عیشال جب یہ خط تم تک پہنچے گا، یقیناً میں یہ دنیا چھوڑ چکی ہوں گی، آج میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں، کوشش کرنا کہ سچائی جاننے کے بعد تم مجھے معاف کر سکو، میں نے بہت بڑا گناہ کیا ہے، میں آفتاب کو اپنی انگلیوں کے اشاروں پر چلانا چاہتی تھی، مجھے لگا کہ میں ناکام ہو گئی ہوں، آفتاب نے میری مرضی جاننا بالکل چھوڑ دیا تھا، خاص طور پر جب اس نے مجھ سے پوچھے بنا سجل کو تمہارے تایا جی کو دے دیا تب میں بہت دلبرداشتہ ہوئی تھی، بزنس کے معاملات میں بھی وہ من مانی کرنے لگا تھا، تب ایک روز میں نے اسے دودھ میں زہر ملا کر دے دیا تھا، تاکہ میں آزادی سے بنا کسی کی روک ٹوک کے اپنی من پسند زندگی گزار سکوں، کیونکہ اسے میری سوشل ایکٹوٹیز بھی ناگوار گزرنے لگیں تھیں، اب مجھے احساس ہوتا ہے کہ میں نے کتنا بڑا گناہ کیا ہے، اپنے ہاتھوں سے اپنا سہاگ اجاڑ لیا، میں جانتی ہوں یہ سچائی جان کر تمہیں دھچکا لگے گا، لیکن اگر ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا، تمہاری گنہگار ماں۔" عیشال کو لگ رہا تھا کہ جیسے اس کے ہاتھ میں کاغذ نہیں بلکہ کوئی زہریلا ناگ ہے، جو اسے ڈس چکا ہے، اس نے کاغذ کو دور پھینک دیا، اسے پتا ہی نہیں چلا کہ وہ رو رہی تھی، وہ چیخ چیخ کر رونا چاہتی تھی، اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے، اس نے تکیے میں منہ دیا اور رونے لگی، اتنا تو وہ جانتی تھی کہ اس کی ماں اچھی عورت نہیں ہے، پر اس قدر بری عورت ہو گی یہ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اپنے ہی ہاتھوں اپنی ہی اولاد کو یتیم کرنے کا سبب بنے گی، اسے باپ سے محروم کرنے کی وجہ بنے گی، بہت دیر ہونے کے بعد اس کے حواس بحال ہوئے تو عیشال نے وہ کاغذ اٹھا کر باریک پرزوں میں تبدیل کیا اور اسے واش روم میں جا کر بہا دیا، وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے والدین کا نئے سرے سے تماشا لگے، یہ الگ بات ہے کہ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ اس کے دل پر کوئی وزنی بوجھ آ گرا ہو اور اب اس بوجھ کو اسے مرتے دم تک اٹھانا تھا، اس کا دم گھٹ رہا تھا سو وہ کمرے سے باہر نکل آئی، ٹیرس پر آ کر وہ گہرے گہرے سانس لینے لگی، رات اپنے پر پھیلا چکی تھی، اولین شب کا چاند ڈوب چکا تھا، البتہ تارے اپنی روشنی سے اندھیرا دور کرنے کی تگ و دو میں مصروف تھے، گہرے سانس لیتے ہوئے وہ مرمریں بینچ پر آ بیٹھی پیر اوپر کر کے اس نے چہرہ دونوں گھٹنوں کے درمیان میں رکھ دیا، اس طرح بیٹھنے سے اسے سکون مل رہا تھا، نجانے کتنی ہی دیر وہ اسی طرح بے حس و حرکت بیٹھی

رہی، اسے محسوس ہوا کہ کوئی اس کے برابر میں آ کر بیٹھا ہے، اس نے خیال کیا کے لیڈی ماریا ہوں گی لیکن جب کافی دیر تک خاموشی چھائی رہی تو اس نے سر اٹھایا، اس کے قریب لیڈی ماریا کے بجائے وہ دشمن جاں بیٹھا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''آپ؟'' اس نے دھیمے سے سرگوشی کی۔

''ہاں میں، تم ٹھیک ہو بیوی۔'' وہ پوچھ رہا تھا اپنے گمبھیر لہجے میں، عیشال نے جواب دینے کے بجائے سر ہلا دیا، البتہ اس کی آنکھوں میں چمکتا ہوا پانی ایزد آفریدی کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکا۔

''بہت کوشش کی میں نے لیکن پھر بھی مجھے آنے میں دیر ہو گئی۔'' اس نے کہا۔

''میری رضا صاحب سے ٹیلیفون پر بات چیت ہوتی رہی ہے، سجل سے بھی بات ہوئی تھی۔'' اس نے کہا تو سجل کے نام پر عیشال نے اس کی آنکھوں میں کچھ ڈھونڈنا چاہا تھا، پر اسے سوائے اپنے عکس کے ایزد کی آنکھوں میں کچھ بھی نظر نہیں آیا۔

''رضا صاحب سے تمہاری مما کی ڈیتھ کا معلوم ہوا تو میں نے چاہا کہ تمہارے پاس آ جاؤں پر عمو جان کی کنڈیشن ایسی نہیں تھی کہ انہیں ماہ نور کے سہارے چھوڑ کر چلا آتا، اب بھی عدید کے آنے کے وجہ سے میں آسکا ہوں۔''

''عمو جان کی طبیعت اب کیسی ہے۔'' اس نے پوچھا تو ایزد نے دیکھا کہ اس کا چہرہ مسلسل رونے کی وجہ سے سرخ ہو رہا تھا۔

''پہلے سے بہتر ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''بیوی میں تمہیں لینے آیا ہوں، گھر چلو گی۔'' اس نے پوچھا تو وہ غائب دماغی سے اسے دیکھنے لگی۔

''یوں بھی اب تم یہاں تنہا رہ کر کیا کرو گی ارمان انکل وغیرہ بھی جا چکے ہیں۔'' اس نے مزید کہا، عیشال کے دل میں آیا کہ اس کی بات رد کر دے، پھر اسے خیال آیا کہ کل کو خود سے جانے سے بہتر ہے کہ آج عزت سے اس کے ساتھ چلی جائے۔

''میں اپنا سامان لے لوں۔'' وہ بلا حیل و حجت اس کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گئی، اس نے اپنے روم سے کچھ ضروری سامان بیگ میں ڈالا جس میں مام اور ڈیڈ کی تصاویر بھی تھیں، دو روز بعد اس گھر کا تالا لگ جانا تھا، تمام ملازمین بھی واپس جانے والے تھے، لیڈی ماریا کو ضروری ہدایات دینے کے بعد وہ ایزد آفریدی کے ساتھ اس کی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر اس کے گھر چلی آئی، پورا راستہ اس کی آنکھیں بھیگتی رہیں، ایزد خاموشی سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس کا جائزہ لیتا رہا، گلزار کھانا تیار کر کے جا چکی تھی، کھانے کے بعد وہ کمرے میں آ گئی جبکہ ایزد لاؤنج میں بیٹھ کر آفس کا کام پورا کرنے لگا، ایزد نے صوفے پر سوئے ہوئے وجود پر ڈالی اور سگریٹ سلگا کر بالکنی میں آ گیا۔

وہ ہاسپٹل پہنچا تو عمو جان آئی سی یو میں تھیں انہیں ہارٹ اٹیک ہوا تھا، بہر حال ان کی حالت خطرے سے باہر تھی، طبیعت سنبھلتے ہی عمو جان نے عیشال کا پوچھا تھا، درحقیقت اپنی بہو سے بہت محبت تھی، پانچ روز ہسپتال میں رہنے کے بعد ڈاکٹرز نے انہیں ڈسچارج کر دیا تھا، البتہ ڈاکٹرز نے احتیاط کی تاکید کی تھی، ایزد پہلے ہی پریشان تھا، رابیل کے رشتے کی وجہ سے اس کا دل و دماغ الجھا رہتا تھا، رشتے کے لئے آنے والوں کو ایزد کی نیکی میں کھوٹ نظر آتا تھا، کیونکہ

رابیل لڑکی تھی اور ایزد ایک مرد تھا، معاشرہ ان کے مابین رشتے کی پاکیزگی کو تسلیم نہیں کر رہا تھا، وہ جو پہلے صرف عیشال کو قصور وار سمجھتا تھا، رفتہ رفتہ اسے احساس ہو گیا تھا کہ غلطی اس سے ہی ہوئی ہے کاش وہ عمو جان یا آغا جی کو اعتماد میں لے لیتا تو آج صورت حال مختلف ہوتی، رابیل کے رشتے کے لئے اسے اس قدر خوار نہ ہونا پڑتا، نہ ہی گھر آئے لوگوں کے ہاتھوں رابیل کے سامنے ذلت اٹھانی پڑتی، وہ آغا جی سے بھی معافی مانگنا چاہتا تھا، آغا جی کی یہی منشاء تھی تو یونہی سہی، عیشال کے لئے بھی وہ بہت پریشان تھا، رضا صاحب سے اس زری کی خودکشی کا علم ہو گیا تھا، لیکن عمو جان اور ماہ نور کی بنا کسی مرد کے سہارے کے چھوڑ کر واپس آنا مناسب خیال نہیں کر رہا تھا، تب ہی اس روز عدید واپس آ گیا، وہ بھی عمو جان کی طبیعت کا سن کر آیا تھا، اسے دیکھ کر کھل اٹھا۔

''اچھا ہوا لالہ آپ ادھر ہی ہیں، کافی عرصے سے آپ سے تفصیلی ملاقات نہیں ہوئی ہے، آپ نے بھی تو شادی کے بعد ادھر آنا کم کر دیا ہے۔'' وہ عمو جان کے بیڈ پر ان کے پاس بیٹھ گیا، عمو جان دونوں کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی، ایزد اگر شاندار سحر انگیز شخصیت کا مالک تھا تو کم عدید بھی نہ تھا، انہیں اس کی شادی کا خیال آیا، دو ماہ بعد حدید اور ماہ نور کی شادی طے تھی اگر عدید بھی راضی ہو جائے تو تمام فرائض ادا ہو جائیں، انہوں نے عدید سے جلد ہی اس بارے میں بات کرنے کا سوچا اور پھر رات کے کھانے کے بعد انہیں موقع مل گیا، ماہ نور کافی کے بعد ڈرائی فروٹس بھی لے آئی تھی، عمو جان کے کمرے میں ہی وہ تینوں موجود تھے۔

''میں سوچ رہی تھی عدید کے تمہاری ذمہ داری سے بھی فارغ ہو جاؤں، ماہ نور اور حدید کی شادی کے ساتھ تمہیں بھی نمٹا دوں۔'' عمو جان نے باری باری تینوں کو دیکھا، ان کی بات سن کر ماہ نور کے لبوں پر شرارتی سی مسکان پھیل گئی، ایزد بھی مسکرانے لگا، اس کی مسکراہٹ دیکھ کر عمو جان کو لگا کہ ان کا بیٹا زندگی کی جانب لوٹنے لگا ہے، البتہ عدید ان کی بات سن کر سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''اس بارے میں تمہارا کیا خیال ہے عدید تمہیں اگر کوئی لڑکی پسند ہے تو مجھے بتا دو۔'' عمو جان نے مزید کہا، عدید کا جواب سن کر ایزد بری طرح چونکا تھا۔

''عمو جان! اس سلسلے میں تو آپ کو لالہ سے رجوع کرنا پڑے گا۔''

''کیا مطلب؟'' ایزد نے کہا۔

''وہ لالہ میں رابیل سے شادی کرنا چاہتا ہوں، میں نے اسے آپ کی شادی پر دیکھا تھا۔ اس وقت میرے ذہن میں ایسی کوئی بات نہیں تھی، اب بھی میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے اس سے طوفانی قسم کی محبت ہو گئی ہے، میں تو آپ کے ساتھ نیک کام میں شریک ہونا چاہتا ہوں میں اسے بہت خوش رکھوں گا، لالہ آپ سن رہے ہیں۔'' ایزد کی غائب دماغی محسوس کر کے اس نے پکارا، عمو جان اور ماہ نور مسکرا رہی تھیں۔

''آغا جی کو اعتراض نہ ہو اور پھر مجھے رابیل کی رضا مندی بھی تو معلوم کرنی ہے۔'' وہ دل ہی دل میں اپنے رب کا شکر گزار تھا، عدید سے بہتر جیون ساتھی رابیل کو کہاں ملتا، البتہ اسے اپنا بھرم بھی تو رکھنا تھا۔

''تمہارے آغا جی سے میں بات کر لوں گی، تم رابیل کی رضا مندی جان لینا۔'' عمو جان نے نرمی سے کہا۔

''کتنا اچھا لگے گا عمو جان جب رابیل

ہماری فیملی میں شامل ہو جائے گی، ہمارے ساتھ ہی رہنے لگی گی۔'' ماہ نور کی خوشی دیدنی تھی، بلکہ سب ہی خوش تھے اور دل سے چاہتے تھے کہ رشتہ بن جائے، عمو جان کی امید تھی کہ آغا جی کی طرف سے اعتراض نہیں اٹھے گا، ایزد کے علم میں بھی تھا کہ رابیل اس کی پسند کے خلاف نہیں جائے گی۔

دوسرے روز وہ لوٹ آیا تھا، عمو جان کے پاس عدید موجود تھا سو اسے اطمینان تھا، سگریٹ اس کی انگلیوں کی پوروں کو جلانے لگا تھا، اس نے چونک کر سگریٹ کو مسل کر لان کی جانب اچھال دیا اور اندر کمرے میں چلا آیا، صوفے پر عیشال اب کروٹ بدلے لیٹی ہوئی تھی، ایزد بھی گہری سانس لے کر بیڈ پر لیٹ گیا۔

☆☆☆

''لڑکی اچھی ہے اور جب عدید کی مرضی ہے تو پھر مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔'' آغا جی صوفے پر نیم دراز کہہ رہے تھے۔

''عدید اور ماہ نور کی شادی کے ساتھ ہی عدید کی شادی بھی ہو جائے تو مجھے بھی سکون آ جائے۔'' عمو جان نے دھیرے سے کہا۔

''آ جائے گا آپ کو سکون، آپ کا بیٹا ایک معصوم لڑکی کی زندگی برباد کر رہا ہے جانتی ہیں آپ اس نے آفتاب کی بیٹی سے شادی بدلہ لینے کے لئے کی ہے۔'' آغا جی کا لہجہ تلخ تھا، نجانے انہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا تھا۔

''وہ شرمندہ ہے، اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے، وہ آپ سے معافی مانگنا چاہتا ہے۔''

''بڑی مہربانی اس کی، لیکن مجھ سے معافی مانگنے سے بات نہیں بنے گی، اپنی بیوی کے حقوق کا خیال کرے ناحق کسی مظلوم کی آہ نہ لے۔'' آغا جی اس کو کوئی رعایت دینے کو تیار نہ تھے۔

''میں نے اسے سمجھایا تو تھا، پر جانے اس کی سمجھ میں میری بات آئی یا نہیں۔'' انہیں ایزد کے ساتھ ہوئی اپنی بات چیت یاد آئی۔

''کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ کیا یہ میرا وہی بیٹا ہے جس پر میں فخر کیا کرتا تھا۔'' آغا جی نے رنجیدگی سے کہا۔

''ایسا کیا برا کیا اس نے کہ سب نے ہی اس کے خلاف محاذ کھڑا کر لیا ہے، ایک بے سہارا لڑکی کو سہارا ہی تو دیا ہے، اس کے سر پر آنچل ڈالا ہے، ہم سب نے تو اسے اس کی ہی نظروں سے گرا دیا ہے، جیسے اس نے کوئی عظیم گناہ کر لیا ہو۔'' پہلی بار کشمالہ نے فرید آفریدی کے سامنے ایزد آفریدی کی طرف داری کی تھی۔

''کس نے کہا تھا اسے کہ اپنے والدین سے اپنی نیکی کو چھپا کر رکھے، آج انجام دیکھ لیا، آپ نے، کوئی اس لڑکی کا رشتہ لینے کے لئے تیار نہیں ہے، یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ عدید کی خواہش ہے اس لڑکی سے شادی کی۔'' آغا جی نے ایک طویل سانس لیا، تب ہی ماہ نور کارڈلیس لے کر آئی، آغا جی کے لئے فون کال تھی، وہ فون پر بات کرنے لگے، جبکہ عمو جان کچھ سوچنے لگیں۔

☆☆☆

دن پر دن گزرتے جا رہے تھے، ایزد آفریدی کی مصروفیت ان دنوں بہت بڑھ گئی تھی، بعض اوقات عیشال کو جھنجلاہٹ ہونے لگتی تھی، آخر یہ انسان سکون سے کیوں نہیں بیٹھتا، مصروف تو وہ پہلے بھی رہتا تھا، پر تب عشیال کے دل میں اس کی محبت نے گھر نہیں کیا تھا، پر اب ایسا نہیں تھا سو اسے ایزد کی مصروفیات گراں گزرنے لگیں تھیں، اس وقت بھی وہ سیل فون کان سے لگائے کسی سے باتوں میں مصروف تھا، اس کا مزاج بہت خوشگوار تھا، بہت دنوں کے بعد وہ ہنس بھی رہا تھا، ہنستے ہوئے اس کی نظر کمرہ

سمٹتی ہوئی عیشال پر پڑی تو اس کی آنکھوں میں ایک عرصے کے بعد چمک کوندی تھی، سیل فون آف کر کے اس نے اپنا لیپ ٹاپ نزدیک کر لیا۔

''کس کی کال تھی؟'' وہ بے ارادہ پوچھ بیٹھی، ایزد نے چونک کر نظر اٹھائی اور اسے بغور دیکھا، وہ کچھ بدلی بدلی سی لگی تھی۔

''سجل سے بات ہو رہی تھی۔'' اس نے مسکراہٹ لبوں میں دبائی۔

''سجل سے۔'' اس نے حیرت سے ایزد کے الفاظ دہرائے۔

''بیوی میں اس سے کہہ رہا تھا کہ وہ اور شایان جب پاکستان لوٹیں اور کراچی آئیں تو ہماری طرف قیام کریں۔'' ایزد نے بتایا تو وہ سوچنے لگی کہ کیا ایزد آفریدی کو سجل سے محبت ہو گئی تھی، اگر ایسا ہے تو اس نے سجل کو حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔

''کیا سوچنے لگیں۔'' اس کے چہرے پر تناؤ محسوس کر کے ایزد نے پوچھا تو اس نے من و عن بتا دیا، اس کی بات سن کر ایزد کا دماغ گھوم گیا۔

''اس لڑکی کو الزام تراشی کے سوا کچھ نہیں آتا۔''

''جسٹ شٹ اپ۔'' وہ دھاڑا۔

''میں کل صبح ہوتے ہی آفتاب منزل چلی جاؤں گی، میں اب آپ کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔'' اس نے بنا کچھ سوچے سمجھے کہا اور کمرے کا دروازہ بند کرتی ہوئی باہر نکل گئی، ایزد تیز قدموں سے چلتا اس کے پیچھے لپکا۔

''اس طرح وہ اسے جانے نہیں دے گا، کتنی مشکل سے تو اس کی زندگی میں سکون آیا تھا، اس کا ہنسنے مسکرانے کا دل چاہنے لگا تھا، جس کی سنگت کے کبھی اس نے خواب دیکھے تھے، وہی اسے چھوڑ کر چلی جائے، پھر سے اس کی ذات کو موردِ الزام ٹھہرا کر، ایسا اب وہ ہونے نہیں دے گا، اب کہ وہ اسے کوئی بیوقوفی نہیں کرنے دے گا۔''

''تم کہیں نہیں جاؤ گی، سنا تم نے۔'' وہ چیخا تھا، عیشال جو لاؤنج کی طرف جاتی سیڑھیوں کی جانب بڑھ رہی تھی رکی اور مڑ کر ایزد کو دیکھا۔

''میں نے کہا نا کہ میں اب آپ کے ساتھ نہیں رہ سکتی، میں نے سوچا تھا کہ میں یہ رشتہ بناہ لوں گی، میرے شوہر کے دل میں اگر میں نہیں ہوں، تو کوئی اور بھی نہیں ہے۔'' اس کے لہجے کی تپش ایزد کو جھلسا رہی تھی۔

''پر اب مجھے لگتا ہے کہ میں غلط ہوں، میرے نام نہاد شوہر نے اب بھی اپنی سابقہ منگیتر کو اپنے دل میں بٹھا رکھا ہے۔''

''بکواس بند کرو۔'' چھ ماہ اور پندرہ دن کے بعد آج پھر اس نے عیشال کو تھپڑ مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا تھا، اسی پل عیشال بچنے کے لئے دو قدم پیچھے ہوئی تھی، لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ دو قدم کے فاصلے پر اس کے پیروں کے نیچے زمین ہے ہی نہیں، اس کے حلق سے بھیانک چیخ بلند ہوئی تھی، ایزد نے جو ہاتھ اسے مارنے کے لئے اٹھایا تھا، اسی ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھامنے کی کوشش کی لیکن وہ سیڑھیوں پر سے لڑھکتی ہوئی نیچے گر رہی تھی۔

''عیشال؟'' وہ درد بھری آواز میں چلایا تھا، مگر وہ اس کی ہر قسم کی پکار سے بے نیاز سیڑھیوں کے اختتام پر اوندھے منہ پڑی تھی، ایزد آفریدی کو لگا کہ جیسے کوئی اس کے وجود سے زندگی کو نوچ کر پھینک رہا ہے، وہ سیڑھیاں پھلانگ کر نیچے پہنچا اور اس کے قریب بیٹھ کر اس کا چہرہ سامنے کیا، اس کی پیشانی سے بھل بھل خون بہہ رہا تھا،

وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو چکی تھی، وہ اسے دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر باہر کی جانب دوڑا، اس کی قمیض عیشال کے خون سے تر ہوئی جا رہی تھی۔

''اسلم گاڑی نکالو۔'' وہ پوری قوت سے چیخا تھا، اور پھر تیز رفتاری کے تمام ریکارڈ توڑتے ہوئے وہ عیشال کو لے کر ہسپتال پہنچا تھا، اسلم بھی اس کے ساتھ ہی تھا، پچھلی سیٹ بھی عیشال کے خون سے تر ہو گئی تھی، ہسپتال پہنچے پر اسے فوری ٹریٹمنٹ دیا جانے لگا تھا، ایزد خالی کرسی پر ہارے ہوئے جواری کی طرح بیٹھا ہوا تھا، اسے اپنی دھڑکنیں ماتم کرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں، اپنا آپ اسے قابل نفرت لگ رہا تھا، آج اس کی وجہ سے عیشال اس حالت کو پہنچی تھی، گھڑی کی سوئیاں بہت سست روی سے آگے بڑھ رہی تھیں، فجر کی اذان کے وقت ڈاکٹر نے آ کر بتایا کہ مریضہ کا جلد ہوش میں آنا بہت ضروری ہے، ورنہ وہ کوما میں بھی جا سکتی ہے، ایزد یہ سن کر اندر ہی اندر ڈھے گیا تھا، وہ ڈھیلے قدموں سے فجر کی نماز کے لئے مسجد میں چلا آیا، سلام کے بعد اس نے اپنے دونوں ہاتھ اس ہستی کے آگے پھیلا دیئے جو مردوں میں بھی جان ڈال سکتا ہے جو دعا سے مقدر بھی بدل سکتا ہے، ایزد اس ہستی سے عیشال کی زندگی کی بھیک مانگنے لگا، وہ لڑکی اس کی رگ جاں میں بستی تھی، وہ جانتا تھا کہ اگر عیشال کو کچھ ہو گیا تو وہ جی لے گا، پر وہ زندگی بھر مسکرا نہیں پائے گا۔

ایزد کے آنسو اس کے چہرے کو بھگو رہے تھے، بہت دیر کے بعد جب آسمان نے اجالے کا آنچل اوڑھ لیا تب وہ مسجد سے باہر نکل آیا، عیشال انتہائی نگہداشت کے یونٹ میں تھی۔

ڈاکٹر نے ایزد کو اس کے پاس جانے کی اجازت نہیں دی تھی، البتہ وہ اسے شیشے میں سے دیکھ سکتا تھا اور وہ دیکھ رہا تھا، شیشے سے نظر آنے والے منظر کو دیکھ کر اس کا دل کرلانے لگا تھا، تب ہی کسی نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا، اس نے مڑ کر دیکھا اور ایک پل کو منجمد ہو گیا، آغا جی تھے اور ان کے ساتھ حدید بھی تھا، اس کا ضبط ٹوٹ گیا اور وہ بے اختیار آغا جی کے گلے لگ گیا۔

''آغا جی! کچھ کریں، اسے بچالیں۔'' وہ بکھر رہا تھا۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا ایزد تم تسلی رکھو۔'' انہوں نے اسے تسلی دی، اپنی نظروں کے سامنے اپنے اکلوتے بیٹے کو اس حال میں دیکھ کر وہ تمام ناراضگی بھول گئے تھے، اس کا بکھرا بکھرا انداز بتا رہا تھا کہ وہ عیشال کی حیثیت کو تسلیم کر چکا ہے۔

''حدید تم ایزد کا خیال رکھو میں ڈاکٹر سے بات کر لوں۔'' آغا جی کے جانے کے بعد حدید نے بتایا کہ عمو جان نے رات کو ایزد کے گھر فون کیا تھا، جسے گلزار نے رسیو کیا تھا اور اسی نے ہی انہیں تمام صورت حال سے آگاہ کیا تھا، آغا جی نے صورت حال جانتے ہی جہاز کی سیٹیں بک کروائی تھیں، عمو جان اور ماہ نور بھی آنا چاہتی تھیں لیکن آغا جی نے فی الحال انہیں منع کر دیا تھا۔

''ہسپتال کے بارے میں کیسے پتا چلا۔'' اس نے پوچھا۔

''تمہارے ڈرائیور سے پتا چلا جسے تم رات کو ہی واپس بھیج چکے ہو۔'' حدید نے بتایا، حدید جواب دے کر آغا جی کی جانب دیکھنے لگا جو غالباً ڈاکٹر سے بات کرنے کے بعد واپس ان جانب آ رہے تھے۔

''آغا جی پلیز مجھے معاف کر دیجئے، میں نے مان لیا کہ غلطی میری ہی تھی، اگر پہلے ہی میں

آپ کو یا عمو جان کو بتا دیتا تو آج صورت حال مختلف ہوتی، اس غلطی کی میں بہت سزا پا چکا ہوں۔'' وہ سر جھکائے کہہ رہا تھا، آغا جی تو اسے پہلے ہی دل سے معاف کر چکے تھے، انہوں نے اسے گلے لگا لیا، تب ہی نرس نے آ کر بتایا کہ عیشال کو ہوش آ گیا ہے، لیکن فی الحال ڈاکٹر نے اسے مسکن ادویات کے زیر اثر رکھا ہے، ایزد آفریدی کی آنکھوں سے تشکر کے آنسو رواں ہو گئے تھے، وہ مسجد میں شکرانے کے نوافل ادا کرنے چلا گیا، شام کے وقت رابیل آ گئی تھی، وہ عیشال کے لئے سوپ بنا کر لائی تھی اور اب اصرار کر کے اسے پلا رہی تھی، خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے اس کی رنگت زرد ہو رہی تھی، ایزد نے آغا جی اور حدید کو گھر بھیج دیا تھا، البتہ وہ جانے سے پہلے عیشال سے ملاقات کر کے گئے تھے، جب انہوں نے عیشال کے سر پر ہاتھ رکھا تھا تب اس کی آنکھیں بے آواز بہنے لگیں تھیں، تب آغا جی نے کہا۔

''ہم نے تمہیں دل سے بہو تسلیم کر لیا ہے، تم ہمارے لئے ماہ نور کی طرح قابل عزت ہو۔'' ایزد اس کی زرد رنگت کو دیکھتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا، وہ مسلسل ایزد کو نظر انداز کر رہی تھی، اس کی جانب دیکھنے کی روادار بھی نہیں تھی۔

''رابیل سنو۔'' ایزد نے پکارا۔

''جی بھائی۔'' وہ ایزد کی جانب مڑی جبکہ عیشال کی نظریں اپنے ہاتھوں پر جمی ہوئی تھیں۔

''تم ایسا کرو کہ اسلم کے ساتھ گھر چلی جاؤ اور آغا جی کے لئے کھانا بنا لو، انہیں گلزار کے ہاتھ کا بنا کھانا پسند آئے نہ آئے اور پھر تم کچھ دیر آرام بھی کر لینا۔'' ایزد نے رسان سے کہا تو رابیل نے عیشال کو سوپ ختم کروایا اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی، اس کے جانے کے بعد ایزد نے عیشال کو دیکھا وہ اب بھی اپنی ہتھیلی کو بغور دیکھ رہی تھی، اس کے چہرے کی زردی اور اداسی کے امتزاج کو دیکھ کر ایزد کے دل کو کچھ ہوا، وہ اٹھ کر اس کے بیڈ کے نزدیک آیا اور بیڈ کے سرے پہ ٹک گیا، اس کو اپنے اتنے نزدیک دیکھ کر عیشال نے کھسکنا چاہا لیکن اس کی خواہش کو ایزد نے مسدود کر دیا، اس کا ایک ہاتھ تھام کر۔

''ہاتھ چھوڑیں۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

''میری طرف دیکھو عیشال۔''

''مجھے نہیں دیکھنا، آپ میرا ہاتھ چھوڑ دیں۔'' اس نے ضدی لہجے میں دوہرایا۔

''عیشال خدارا مجھ پر شک کرنے کا سلسلہ ختم کر دو، میں صرف تم سے محبت کرتا ہوں، اس وقت سے جب تمہیں پہلی بار دیکھا تھا۔'' عیشال نے بے یقینی سے نظر اٹھا کر دیکھا۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں۔'' اس نے یقین دلانے کی سعی کی، جواباً عیشال نے سر دائیں سے بائیں ہلایا، گویا اسے ایزد کی بات کا یقین تھا، ایزد سخت مشکل میں گرفتار تھا کیسے اس لڑکی کا یقین جیت لے۔

''آپ نے سجل سے منگنی کی تھی تو ظاہر ہے کہ محبت بھی......'' اس نے بات ادھوری چھوڑی۔

''سجل کو آغا جی نے پسند کیا تھا، پھر میں نے اسے دیکھا تو مجھے بھی اچھی لگی، لیکن اچھے تو ہمیں بہت سے لوگ لگتے ہیں، ہم سب سے تو محبت نہیں کرتے، سجل سے منگنی کے موقع پر میں نے تمہیں دیکھا اور اسی وقت میرا دل مجھے دھوکہ دینے پر تل گیا، پر اس وقت میں نے دل کو قابو کر لیا، لیکن جب دوبارہ تمہیں شاپنگ ہال میں دیکھا تو خود پر اختیار نہیں رہا اور میں ماحول سے بے خبر تمہیں

دیکھتا رہا، ہوش لوٹے تو سخت شرمندگی ہوئی کہ میں اپنی فیانسی کی بہن کو دیکھ کر سب بھول جاتا ہوں، پر یہ ہی حقیقت تھی، ایسا میرے ساتھ ہو رہا تھا، میں نے یہ سب ماہ نور سے بھی شیئر کیا تھا، میں بہت پریشان بھی تھا اور میں نے اس مسئلے کا یہ حل نکالا تھا کہ میں شادی کے بعد سجل کے ساتھ انگلینڈ سیٹل ہو جاؤں گا، اس طرح مجھے سجل کے ساتھ ایڈجسٹ کرنے میں آسانی رہے گی، کیونکہ جب تم نظر نہیں آؤ گی تو رفتہ رفتہ سب ٹھیک ہو جائے گا لیکن تم نے میرا سارا پلان چوپٹ کر دیا، ہماری منگنی ختم کروانے کے لئے جو کچھ تم نے کیا، اس کے بعد کیسی محبت اور کہاں کی محبت، میرا دل چاہتا تھا کہ تمہیں جان سے مار دوں اور اسی انتقامی جذبے کے تحت تم سے شادی کا سوچا تھا اور کر بھی لی تھی، لیکن جب دلہن بن کر تم میرے گھر میں آ گئی تھیں تب مجھے پھر سے یاد آ گیا کہ میں تو تم سے محبت کرتا ہوں اور اسی محبت کو بھلانے کے لئے میں زندگی میں پہلی بار شراب کا سہارا لیا، میں بہت مشکل میں گرفتار ہو گیا تھا، تمہیں تکلف دے کر مجھے سکون نہیں ملتا تھا عیشال، تمہاری تکلیف دیکھ کر مجھے تکلیف ہوتی تھی۔'' وہ جذبوں سے گندھے لہجے میں ایک ایک سچائی بیان کر رہا تھا، عیشال بار بار کچھ کہنے کے لئے منہ کھولتی اور پھر بند کر لیتی تھی۔

''جب آپ کو سجل سے محبت تھی ہی نہیں تو پھر منگنی ختم ہونے پر اس قدر آگ بگولہ کیوں ہو گئے تھے۔'' بالآخر اس سے چپ نہ رہا گیا۔

''مجھے سب سے زیادہ اپنی انا پیاری ہے اپنی عزت نفس عزیز ہے، کوئی مجھے عہد شکن کہے یہ میں ہرگز نہیں سہہ سکتا اور پھر آغا جی کو ناراض کرنا بھی مجھے گوارہ نہیں تھا لیکن اب میں سوچتا ہوں کہ جو کچھ ہوا شاید یہی ٹھیک تا، اس طرح کم از کم مجھے اپنی غلطی کا ادراک ہو گیا اور پھر میں اپنی محبت کو حاصل کرنے میں بھی کامیاب رہا، سجل سے شادی کی صورت میں مجھے عمر بھر یہ کسک ستاتی رہتی کہ میں سمجھوتے کی زندگی گزار رہا ہوں۔''

اس نے ایک طویل سانس لیا۔

''آپ کی انا کو یہ کیسے گوارہ ہوا کہ آپ اظہار محبت کریں۔'' اس کے لبوں پر دھیمی مسکان دیکھ کر ایزد کا دل شانت ہو گیا۔

''بس یار کیا کروں انا کو ڈانٹ ڈپٹ کر ایک طرف بٹھا دیا ہے، تم اس قدر اگنور کر رہی تھیں میری تو جان پر بن آئی تھی، میں نے زندگی میں کبھی بھی خود کو اس قدر بے بس محسوس نہیں کیا جتنا اس وقت کیا جب تم ہوش وخرد سے بیگانہ آئی سی یو میں موجود تھیں، میں ان لمحوں کا تصور کروں تو میری سانسیں تھمنے لگتیں ہیں، اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں کیا کرتا۔'' اس نے عیشال کے دونوں ہاتھ اپنے لبوں سے لگا لئے، عیشال کو لگا کہ اس کی عمر بھر کی محرومیاں مٹ گئی ہوں۔

''ایزد آپ وعدہ کریں کے آپ عمر بھر صرف اور صرف میرے ہو کر رہیں گے۔'' اس کی بات سن کر ایزد مسکرا دیا۔

''ایزد آفریدی صرف تمہارا ہے، تم میری وفا میں کبھی بھی کھوٹ نہیں پاؤ گی، نہ ہی ہماری محبت میں کوئی حصہ دار بنے گا، میری محبت میری وفا سب تمہارے لئے ہے۔'' اس نے عیشال کو اپنے حصار میں باندھ لیا تھا، اس کا لمس اس کا لہجہ عیشال کو یقین دلا رہا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اس پر قائم رہے گا۔

☆☆☆

ماحبہ راجپوت

راتوں میں سونے سے ڈر لگتا ہے
سچ بتاؤں مجھ کو اب رونے سے ڈر لگتا ہے
تجھے ہی سوچتی رہتی تھی ہر پل
لیکن اب مجھے خواب پرونے سے ڈر لگتا ہے
بڑا ہی برا انداق کیا تیری محبت نے مجھ سے
کہ اب مجھے محبت ہونے سے ڈر لگتا ہے
میں اب تجھے تو کیا خود کو بھی یاد نہیں کرتی
کہ اب مجھے رسوا ہونے سے ڈر لگتا ہے
کتنی بے دردی سے بکھیرا ہے تو نے
کہ ٹوٹی ہوئی کرچیوں کو سمیٹنے سے بھی ڈر لگتا ہے
اب کبھی بھی ان راہوں پر نہیں چلنا
مجھے تو اب ان راہوں کی فضاؤں سے بھی ڈر لگتا ہے......!!!

"مجھے فن فیئر پہ فراک ہی پہن کر جانی ہے۔"

"تم ضد نہ کرو، تم جانتی ہو فراک پہننے کی اجازت کوئی نہیں دے گا تمہیں۔" زبیدہ بیگم نے اس کی ضد کرنے پر اس سے کہا۔

ناولٹ

"سب نئے نئے فیشن کے کپڑے پہن کر آئیں گے اور ہم یہی شلوار قمیض سادے سے۔" اس نے منہ بسورا۔

"دیکھو تم جانتی ہو تمہیں تو کیا کسی کو بھی اجازت نہیں، کسی اور طرح کا لباس پہننے کی۔"

"کیوں زہرا آپی نے بھی تو فراک اور چوڑی دار پاجامہ پہنا ہوا تھا۔" اس نے اپنی تایا زاد کا نام لیا، جس کی چھ ماہ پہلے شادی ہوئی تھی۔

"وہ شادی شدہ ہے۔"

"تو اب میں بھی کیا فراک پہننے کے لئے شادی کرلوں؟"

"ہاں شادی کے بعد ہی پہننا، تم جانتی ہو تمہیں اجازت نہیں ملے گی اور تم ہی ہو جو اتنا ہنگامہ کرتی ہو، باقی لڑکیاں بھی تو اسی خاندان کی

ہیں، انہیں کوئی اعتراض نہیں تو تمہیں کیا تکلیف ہے۔'' انہوں نے اس کی ضد سے عاجز آ کر اسے ڈانٹا۔

''ہاں مجھے تکلیف ہے اس خاندان کے بے تکے اصولوں اور رواجوں کو نہیں مانتی اور میں بھی دیکھتی ہوں مجھے اجازت کون نہیں دیتا۔'' وہ پاؤں پٹختے ہوئے باہر نکل گئی، زبیدہ بیگم نے دکھ بھری نظروں سے دیکھا، وہ جانتی تھیں وہ غلط نہیں ہے مگر وہ اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتی تھیں، اس خاندان کی کسی لڑکی میں ہمت نہیں تھی کہ وہ بڑوں کے کسی فیصلے پر کچھ بولیں، لیکن اس میں ایک ضد تھی، بغاوت تھی، وہ جانتی تھیں بغاوت کرنے والوں کا سر کچل دیا جاتا ہے، لیکن وہ بے بس تھیں، اس خاندان کی سب مائیں ہی بے بس تھیں۔

☆☆☆

''ارے یہ میں کیا سن رہی ہوں، تمہیں فراک پہننے کی اجازت مل گئی۔'' ایک دم سے دروازہ کھلا اور ماہا نے اندر آ کر حیرانگی سے اس سے پوچھا۔

''ہاں مل گئی اجازت۔'' پری وش جو ناول پڑھ رہی تھی اس نے ناول سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا۔

''لیکن کیسے؟''

''کیا مطلب کیسے میں نے بابا سے پوچھا اور ان نے کہا پہن لو، بابا نے کہا کہ لباس ایسا ہونا چاہیے جس سے بے پردگی نہ ہو، تو میرا خیال ہے فراک سے بے پردگی نہیں ہوتی۔'' اپنی بات ختم کر کے وہ دوبارہ سے ناول پڑھنے لگی، جبکہ ماہا نے کچھ دیر کھڑے ہو کر اس کی بے زار شکل دیکھی اور پھر باہر چلی گئی، پری وش نے بے زاریت سے بند دروازے کو دیکھا اور پھر ناول ایک طرف رکھ دیا، کہ پڑھنے سے اس کا دل اچاٹ ہو گیا تھا، اس کو بہت سی باتیں بے زار کر دیتی تھیں، جیسے اب اسے فراک پہننے کی اجازت ملنے کی خبر پر ماہا کی حیرانگی نے اسے بے زار کر دیا تھا، لیکن ماہا بھی اپنی جگہ ٹھیک تھی، اس طرح کب کسی کو اجازت ملی تھی فراک کی؟

پری وش اور ماہا دونوں کزنز تھیں، ماہا پری وش سے ایک سال بڑی تھی، لیکن دونوں ایک ہی کلاس میں تھیں، دونوں گاؤں کے کالج سے ایف ایس سی کر رہی تھیں، بقول پری وش کہ یہ گورنمنٹ کی مہربانی تھی کہ انٹر تک کی تعلیم کا بندوبست تھا گاؤں میں، ورنہ تو اس خاندان کی لڑکیوں نے بامشکل میٹرک کیا تھا، کیونکہ شہر جا کر پڑھنے کی کسی کو اجازت نہیں تھی، بقول دادا ابا کے کہ لڑکیوں کے لئے میٹرک تک تعلیم بھی کافی ہے۔

☆☆☆

''امی! آپ سے ایک بات پوچھوں؟'' پری وش جو زبیدہ بیگم سے سر میں تیل کی مالش کروا رہی تھی، اس نے پوچھا۔

''ہاں بولو۔''

''امی! ہماری ایک اور پھپھو بھی تھیں، ان کے بارے میں کبھی کسی نے کوئی بات کیوں نہیں کی، میں جانتی ہوں وہ فوت ہو چکی ہیں، لیکن کیا جو فوت ہو جائیں ان کا ذکر بھی نہیں کیا جاتا؟'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی جیسے کسی گہری سوچ میں گم ہو۔

اس کی بات پر انہوں نے اپنے ہاتھوں کو روک کر اس کی طرف دیکھا، اسے آج پتا نہیں کیسے اس بات کا خیال آ گیا تھا، وہ منہ پھٹ تھی ہر بات اگلے کے منہ پر بول دینے والی لیکن حساس بھی بہت زیادہ تھی، وہ اپنے خاندان کی

ان بے جا روایتوں کو پسند نہیں کرتی تھی جو انسان سے اس کے وہ حق بھی چھین لیتی تھیں جو اللہ اپنے بندوں کو دیتا ہے، اسے ان روایتوں سے نفرت تھی جو ایک جیتے جاگتے انسان کو زندہ درگور کر دیتی ہیں، اسے اندر سے فنا کر دیتی ہیں لیکن اس بات پر مجبور بھی انہیں کیا جاتا ہے کہ وہ ہونٹوں پر مسکراہٹ کو چپکائے رکھیں، انہیں اپنی اکلوتی بیٹی اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھی، لیکن وہ ایک ماں تھی ایک کمزور ماں، ان کی آنکھوں میں نمی تھی بالکل ویسی ہی نمی جیسی اس حویلی کی ایک اور ماں کی آنکھوں میں بھی تھی، جو اپنی لاڈلی کے لئے کچھ نہیں کر سکیں تھیں۔

☆☆☆

وہ ابھی ابھی نہا کر نکلا تھا اور اب ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑے ہو کر اپنے بال سیٹ کر رہا تھا، جب فراز دروازے کو ہلکا سا ناک کر کے کمرے میں داخل ہوئے۔

''کہیں جا رہے ہو؟'' انہوں نے اس کی تیاری دیکھ کر پوچھا۔

''جی آج دوستوں کے ساتھ کہیں باہر جانے کا پروگرام ہے، آپ کو کوئی کام تھا؟'' اس نے اپنا رخ ان کی طرف موڑا۔

''تم سے کچھ بات کرنی تھی۔''

''ہاں تو بیٹھئے نا کھڑے کیوں ہیں۔'' اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا اور خود کمپیوٹر ٹیبل کے پاس پڑی کرسی کا رخ ان کی طرف کر کے بیٹھ گیا۔

''تمہاری جاب کیسی جا رہی ہے؟''

''اے ون۔''

''ویسے تم بھی حد کرتے ہو، بھائی صاحب کا آفس جوائن کرنے میں تمہیں کیا تکلیف تھی۔''

''اوہو چاچو آپ وہ بات کریں جو کرنے

آئے ہیں؟'' وہ چڑ کر بولا۔

''پڑھائی بھی ہوگئی، جاب بھی لگ گئی اب آگے کیا ارادہ ہے؟''

''کیا مطلب؟'' وہ انجان بن کر بولا، حالانکہ باخوبی جانتا تھا کہ ان کا اشارہ کس طرف ہے۔

''اب اتنے بھی انجان نہ بنو، مجھے تمہاری شادی کے بارے میں خبر ملی ہے۔''

''ابھی مجھے شادی نہیں کرنی جب مجھ سے کوئی پوچھے گا تو میں سمجھا دوں گا۔''

''برخوردار یہاں پوچھا نہیں جاتا سنایا جاتا ہے، تو آپ سے بھی کوئی پوچھے گا نہیں بلکہ حکم سنائے گا۔'' وہ استہزائیہ انداز میں بولے تھے۔

''حکم دینے والوں نے آپ کو سنایا تھا مجھے نہیں سنائیں گے اور بالفرض اگر سنائیں گے بھی تو جواب لے لیں گے پھر۔'' وہ بھی انہی کا بھتیجا تھا ایک ایک لفظ کو چبا چبا کر بولا۔

''اور ویسے بھی اب ان کے سامنے چوہدری فراز نہیں بلکہ چوہدری شاہ ذر ہوگا۔'' وہ بائیں ٹانگ پر دائیں ٹانگ کو رکھ کر کرسی کی بیک سے کمر ٹکا کر بیٹھ گیا۔

''شاہ ذر تم جانتے ہو ابا جی کا فیصلہ حتمی ہوتا ہے ان کے فیصلے سے کوئی انحراف نہیں کر سکتا۔''

ان کی بات پر شاہ ذر کا انداز ناک پر سے مکھی اڑانے والا تھا، اس کے اس انداز سے وہ چڑ گئے تھے۔

''تم کیا کرنے والے ہو، مجھے بتاؤ گے؟'' اب کی بار انہوں نے سخت لہجے میں پوچھا، لیکن شاہ ذر مرعوب ہوئے بغیر بولا۔

''جی ہاں، آپ کو تو کیا سب کو بتاؤں گا علی الاعلان، بس پریشان نہ ہوں، جو کروں گا سوچ سمجھ کر کروں گا۔'' وہ ان کے پاس صوفے پر آکر بیٹھ گیا اور مضبوط لہجے میں بولا۔

''اور ان روایتوں کو ختم کرنے کے لئے کروں گا۔'' فراز بس اسے دیکھ کر رہ گئے، جوان کا بھتیجا کم دوست زیادہ تھا، جس کام کو کرنے کا ارادہ کر لے اس سے پیچھے ہٹانا اسے ناممکن تھا، وہ اسے پریشانی سے دیکھ رہے تھے، وہ جانتے تھے ان روایتوں سے ٹکر لینے کی سزا کیا ہوتی ہے؟

☆☆☆

چوہدری انعام حسین گاؤں کی معزز شخصیت، بارعب شخصیت، خاندان میں کسی کی جرأت نہیں تھی ان کے سامنے چوں بھی کرنے کی، ان کی اور خالدہ بیگم کی پانچ اولادیں تھیں، چوہدری وقار اور صائمہ کے تین بچے زہرہ، شاہ ذر اور ماہا تھے، چوہدری محسن اور زبیدہ بیگم کے دو بچے زین اور پری وش تھے، چوہدری فراز اور مصباح کے دو بیٹے اسامہ اور دانش تھے، جبکہ سائرہ جن کی شادی اپنے ماموں زاد عامر سے ہوئی تھی وہ سعودیہ میں مقیم تھیں اور ان کا ایک بیٹا کاشف تھا، صائمہ بیگم اور زبیدہ بیگم نہ صرف دیورانی جیٹھانی بلکہ بہنیں بھی تھیں، اسی لئے حویلی کی فضا پرسکون تھی، تینوں بھائی حویلی میں ہی مقیم تھے اور مل کر فیکٹری چلا رہے تھے اور ساتھ ساتھ زمینوں کو بھی سنبھال رکھا تھا۔

☆☆☆

''عائشہ میری بات تو سنو نا یار، تم سارے حالات کو اچھی طرح سے جانتی ہو، مجھے تھوڑا وقت تو دو۔'' زین فون پر بات کرتے ہوئے پریشانی سے بولا۔

''زین تم میرا مسئلہ بھی تو سمجھو، میرے پاس اس رشتے سے انکار کرنے کے لئے کوئی سولڈ ریزن نہیں ہے اور بابا کو تمہارے بارے میں بھی کیسے بتاؤں جبکہ تمہیں ابھی یہ یقین بھی نہیں ہے

کہ تمہاری فیملی راضی ہو جائے گی۔" دوسری طرف وہ بھی کم پریشان نہیں تھی۔

"ٹرسٹ می یار میں منا لوں گا، تم مجھے بس تھوڑا سا وقت دو۔"

"وقت، میں تمہیں وقت دیتی رہوں گی تم اپنے خاندان کی کسی لڑکی سے بڑوں کے دباؤ میں آ کر بیاہ رچا لینا اور میں بیٹھ کر بس ماتم کرتی رہوں گی اس ناکام محبت کا، مجھے سمجھ نہیں آتی جب تم لڑکے اسٹینڈ نہیں لے سکتے تو محبت کیوں کرتے ہو؟" وہ ایک پل کو رکی تھی اور پھر اس کی خاموشی سے چڑ کر دوبارہ بولی۔

"اب تم مجھ سے اسی وقت بات کرنا جب اپنی فیملی کو منا لو۔"

"عائشہ!" دوسری طرف سے وہ فون بند کر چکی تھی، زین نے موبائل کو بیڈ پر پھینکا اور سر کو دونوں ہاتھوں میں تھامے وہیں پر بیٹھ گیا۔

☆☆☆

وہ لیپ ٹاپ پر آفس کا کچھ کام کر رہا تھا جب زین اس کے کمرے میں داخل ہوا اور اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھ گیا، شاہ ذر نے ایک نظر اس کے سنجیدہ چہرے پر ڈالی اور پھر سے لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو گیا، مگر وہ سمجھ گیا تھا کہ کوئی مسئلہ ہے ورنہ زین اس طرح سنجیدہ ہونے والوں میں سے نہیں تھا، اس نے پوچھا نہیں کیونکہ جانتا تھا وہ خود ہی بتا دے گا۔

"شاہ میں عائشہ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔" وہ کچھ الجھا الجھا سا تھا۔

"تو کس نے کہا ہے کہ اس کے بغیر رہو۔"

"عائشہ کے لئے پرپوزل آیا ہے اس کے پیرنٹس راضی ہیں، اس کے پاس انکار کرنے کی کوئی ٹھوس وجہ نہیں ہے۔" شاہ ذر کی انگلیاں ایک پل کو ساکن ہوئیں لیکن اگلے پل وہ پھر سے متحرک تھیں۔

"کیوں تم ہو نا وہ تمہارا نام لے سکتی ہے اپنے پیرنٹس کے آگے، اتنے تو اس کے پیرنٹس لبرل ہیں۔"

"مسئلہ اس کے گھر والوں کا نہیں میرے گھر والوں کا ہے، دادا ابا کبھی راضی نہیں ہوں گے، وہ اپنے گھر والوں کے سامنے میرا نام لے لے اور یہاں میں کسی کو راضی ہی نہ کر پاؤں تو پھر کیا عزت رہ جائے گی اس کی اس کے گھر والوں کے سامنے۔"

"تم پریشان نہ ہو، اس سے کہو کہ اپنے گھر والوں کو تمہارے بارے میں بتائے اور تمہیں ان سے ملوائے اور اپنے گھر والوں کی تم فکر نہ کرو یہ بھی راضی ہو جائیں گے۔" زین کو لگا کہ اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے، تبھی وہ انہونی بات کر رہا ہے، دادا ابا جو اپنے خاندان سے باہر اپنی کاسٹ میں رشتے کے لئے نہیں مانتے وہ کسی دوسری کاسٹ کے لئے مانیں، ناممکن۔

"اب ایسے مت دیکھو مجھے کوئی پاگل پن کا دورہ نہیں پڑا، سچ کہہ رہا ہوں مان جائیں گے۔"

"شاہ ذر مذاق مت کرو میں بہت پریشان ہوں۔"

"تو میں تمہیں کون سے لطیفے سنا رہا ہوں۔"

"یہ لطیفہ نہیں تو اور کیا ہے، دادا ابا اپنی کاسٹ سے باہر شادی کے لئے مان جائیں گے اس صدی کا سب سے بڑا لطیفہ۔"

"یار...... پہلے میری بات سنو اور پھر فضول ہانکنا۔" شاہ ذر نے لیپ ٹاپ کو بند کیا اور ذرا سا اس کے نزدیک کھسک کر اسے اپنا پلان بتانے لگا۔

"شاہ ذر یہ سب نہیں، دادا ابا تمہیں گھر سے باہر نکال دیں گے۔" زین اس کا پلان سن کر ایسے

بدکا جیسے دادا ابا اسی کو نکال دیں گے۔

''اس کا میں بندوبست کر چکا ہوں، میں نے اپنا ٹرانسفر سعودیہ کروالیا ہے، ڈونٹ یو وری، اگر گھر سے نکال بھی دیں گے تو نو پرابلم۔'' وہ اطمینان سے بولا۔

''لیکن!''

''لیکن ویکن کو مارو گولی تجھے عائشہ سے شادی کرنی ہے یا نہیں۔''

''کرنی ہے مگر مجھے نہیں لگتا اس سب کے باوجود بھی کوئی مانے گا اور پری؟''

''اس کی تم فکر نہ کرو اور مجھے سو فیصد یقین ہے جو میں سوچ رہا ہوں انشاء اللہ ویسے ہی ہوگا، چاچو کو میں بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں، تم بس عائشہ کے گھر والوں سے ملنے کی تیاری کرو۔'' زین اس کے پرسکون انداز کو بس دیکھ کر رہ گیا، جسے کوئی فکر ہی نہیں تھی کہ وہ دادا ابا سے ٹکر لینے جا رہا تھا۔

☆☆☆

آج اتوار کا دن تھا اسی وجہ سے سب چھوٹے بڑے گھر میں موجود تھے، ینگ پارٹی لاؤنج میں بیٹھی خوش گپیوں میں مشغول تھی، جب کہ سب بڑے دادا ابا کے کمرے میں کسی خصوصی میٹنگ میں مصروف تھے، شاہ ذر کو کچھ کچھ اندازہ تو تھا اس میٹنگ کے موضوع کا لیکن اس کے شک پر یقین کی مہر اس وقت لگی جب اسامہ نے بتایا کہ دادا ابا اسے بلا رہے ہیں، بند دروازے کو ہلکا سا ناک کر کے وہ کمرے میں داخل ہوا۔

''آؤ آؤ شاہ ذر بیٹا۔'' دادا ابا نے اپنے لاڈلے پوتے کو اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا، شاہ ذر چپ چاپ جا کر ان کے پاس بیٹھ گیا۔

''اوں، شاہ ذر تم نے تعلیم بھی حاصل کر لی اپنی مرضی سے نوکری بھی کر لی، اب ہم چاہتے ہیں کہ تمہاری شادی کر دی جائے۔'' وقار بلا تمہید باندھے، خلاف معمول اپنی بارعب آواز مگر نرم انداز میں اس سے مخاطب ہوئے، ان کی بات پر شاہ ذر نے پہلو بدلا۔

''ہاں شاہ ذر ہم چاہتے ہیں کہ تمہاری اور پری وش کی شادی کر دی جائے۔'' دادا ابا بولے۔

''دادا ابا شادی میری ہو رہی ہے آپ کو نہیں لگتا کہ مجھ سے بھی پوچھنا چاہیے تھا۔'' اس نے سر جھکائے ہوئے کہا، وقار صاحب نے بہت ضبط سے اس کی بات سنی۔

''برخوردار آپ سے پہلے بھی کسی سے نہیں پوچھا جاتا تھا سب کہ فیصلے ابا جی ہی کرتے تھے اور اب بھی ابا جی ہی کریں گے، تم مانو یہ نا مانو تمہاری شادی پری وش سے ہی ہوگی۔'' وقار صاحب نے حتمی انداز میں کہا۔

''مگر......؟''

''شاہ ذر تمہیں تکلیف آخر کیا ہے؟'' انہوں نے غصے سے کہا، انہوں نے اسے فیصلہ سنانے کے لئے بلایا تھا مگر وہ مسلسل ان کا صبر آزما رہا تھا۔

''بابا میں پری سے شادی نہیں کر سکتا۔'' وقار صاحب کی آنکھوں سے چنگھاریاں نکل رہی تھیں ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ شاہ ذر کو دو تین جھانپڑ رسید کر دیں، کمرے میں سب دم سادھے شاہ ذر کو دیکھ رہے تھے اور کمرے سے باہر وہ تینوں دروازے سے کان لگائے کھڑے تھے۔

''دادا ابا میں ایک ایجوکیٹڈ لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں، سوری دادا ابا میں آپ کی بات نہیں مان سکتا۔'' دادا ابا نے اس کی طرف سے اپنا رخ موڑ لیا، وہ بے یقین تھے، لیکن بے یقینی سے زیادہ انہیں صدمہ تھا کہ کیسے ان کے اس پوتے

نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا تھا جس کی ہر خواہش کو پورا کرنا وہ خود پر فرض سمجھتے تھے۔

''نکل جاؤ تم اس گھر سے نالائق، میں یہ سمجھوں گا کہ تم مر گئے ہو اور تم مر ہی گئے ہو آج سے، ہم سب کے لئے۔'' صائمہ بیگم نے تڑپ کر وقار صاحب کی طرف دیکھا جو غصے سے کانپ رہے تھے، وہ بس چپ چاپ کھڑی آنسو بہا رہی تھیں، شاہ ذر کی اس حرکت پر وقار صاحب محسن صاحب سے شرمندہ تھے جو صدمے سے چور بیٹھے تھے، شاہ ذر نے ایک نظر فراز صاحب پر ڈالی جو تاسف بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے جبکہ کمرے سے باہر پری وش پتھر بنی کھڑی تھی جو یک ٹک اس کی طرف دیکھ رہی تھی، شاہ ذر ایک پل کے لئے اس کے پاس رکا اور پھر شکست خوردہ قدموں سے آگے بڑھ گیا اور پھر وہ اپنا ضروری سامان لے کر اس گھر سے چلا گیا، کسی کو مایوس کر کے، کسی کو پرامید کر کے اور کسی کی دل کی دنیا ویران کر کے۔

☆☆☆

آج دو دن کے بعد اسے ہوش آیا تھا، اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا، سب بے انتہا پریشان تھے، آج کچھ بہتر تھی اس لئے سب گھر چلے گئے تھے، اس کے پاس صرف زبیدہ بیگم اور محسن صاحب ہی ہسپتال میں موجود تھے۔

''پری! تم ٹھیک ہو نا؟'' زبیدہ بیگم نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے فکرمندی سے پوچھا، پری نے اثبات میں سر ہلایا مگر اس کی آنکھوں کی بجھی بجھی جوت ویران آنکھیں ان دو دنوں میں وہ برسوں کی بیمار لگ رہی تھی، زبیدہ بیگم نے آج سے پہلے خود کو اتنا بے بس کبھی محسوس نہیں کیا تھا، وہ بھی انہی روایتوں میں جکڑی ایک عورت تھیں، اپنی بیٹی کے لئے وہ سوائے آنسو بہانے کے کچھ نہیں کر سکتی تھیں، جبکہ نحیف انداز میں سر جھکائے کرسی پر بیٹھے محسن صاحب اپنی بیٹی سے شرمندہ تھے، وہ اس کی اس تکلیف کو ختم تو نہیں کر سکتے تھے مگر اب ان نے سوچ لیا تھا کہ انہوں نے کیا کرنا ہے، پری میں ان کی جان تھی، وہ اس کی آنکھوں میں آنسو برداشت نہیں کر سکتے تھے، کجا آج اسے اسے حالت میں دیکھ رہے تھے، انہوں نے بڑی مشکل سے اپنے آنسوؤں کو ضبط کیا ہوا تھا ورنہ بیٹی کی یہ حالت انہیں مارے دے رہی تھی۔

وہ روایتوں پر اولاد کو قربان کرنے والے نہیں بلکہ اولاد پر روایتوں کو قربان کرنے والے تھے اور ثابت بھی کر دیا تھا، انہوں نے ہمیشہ انعام صاحب کی بات مانی تھی مگر اب انہوں نے انہی کے خلاف جا کر پری اور ماہا کو شہر کالج میں ایڈمیشن ڈلوا دیا تھا، وقار صاحب یا کسی اور نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا، وہ محسن صاحب سے اتنا شرمندہ تھے کہ خود ماہا کو اجازت دی پری کے ساتھ ایڈمیشن لینے کی، وقت کا کام ہوتا ہے گزرنا وہ گزر ہی جاتا ہے چاہے اسے ہنس کر گزارو چاہے رو کر، آہستہ آہستہ زخم بھی مندمل ہونا شروع ہو جاتے ہیں، مگر دل پر لگے زخم ایسے ہوتے ہیں جو کبھی مندمل نہیں ہوتے، ان سے خون رستا ہی رہتا ہے، تکیے بھیگتے ہی رہتے ہیں، ہوائیں اداس ہی رہتی ہیں، شامیں سنسان ہی رہتی ہیں۔

پتھروں کے شہر میں خود غرضی کے بادل بہت ہی گہرے تھے\
کیسے دل کا حال سناتے یہاں لوگ دلوں کے بہرے تھے\
یہ سوچ کر دل کو بہلایا ہے آج ہیں تو کل نہ ہوں گے ہم\
یہ درد ہماری ذات میں کچھ اور ہی سوچ کر ٹھہرے تھے

☆☆☆

''شاہ ذر میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ تم اس طرح کی حرکت کرو گے۔'' وہ ناراضگی سے

گویا ہوئی۔
''پھپھو پلیز آپ تو مجھے سمجھیں، آپ کو کیا لگتا ہے آپ کا شاہ اتنا خود غرض ہو سکتا ہے۔''
سائرہ بیگم نے اپنے وجیہہ بھتیجے کی طرف دیکھا جو بکھرا بکھرا تھکا تھکا لگ رہا تھا، بڑھی ہوئی شیو، بکھرے بکھرے بال، انہیں یقین تھا کہ وہ اتنا خود غرض بالکل بھی نہیں مگر یہ روایات۔
''تم جانتے ہو پری کی طبیعت بہت خراب ہے، شاہ اس نازک سی لڑکی کو تم یہ کیا اذیت دے آئے ہو، میرے بچے وہ حساس لڑکی کیسے برداشت کرے گی۔''
''پھپھو اذیت میں تو میں بھی ہوں، اس کے پاس تو سب ہیں میرے پاس تو صرف آپ ہیں، آپ بھی ناراض ہو جائیں گی تو میں کدھر جاؤں گا۔'' اس نے ان کی گود میں سر رکھ دیا اور آنکھیں موند لیں، سائرہ بیگم اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگیں، وہ انہیں تفصیل سے کچھ بتا چکا تھا اسی لئے وہ زیادہ دیر اس سے ناراض نہ رہ سکیں، گھر چھوڑنے کے بعد وہ اپنے دوست کے پاس لاہور رہا تھا اور پھر وہاں سے سعودیہ چلا آیا، زین نے اسے پری کی طبیعت کا بتایا تھا، ایک اذیت ہی اذیت جس کی وہ لپیٹ میں تھا، یہاں آنے کے ایک ہفتہ بعد وہ سائرہ بیگم کی طرف آیا تھا، وہ تو غصے میں بھری بیٹھی تھیں مگر حقیقت نے ان کے لب سی دیے، شام کا وقت ہو رہا تھا انہوں نے شاہ ذر کو فریش ہونے کے لئے واش روم میں بھیجا اور خود رات کے کھانے کی تیاری کے لئے کچن میں چلی گئیں، وہ جب نہا کر نکلا تو کاشف کمرے میں موجود تھا وہ اس سے ملا اور پھر ڈریسنگ کے سامنے کھڑے ہو کر بال بنانے لگا، کاشف زین سے سب کچھ جان چکا تھا، اسی لئے شاہ کے لئے فکر مند تھا، وہ اس کو غصے سے گھورتے ہوئے بولا۔
''تم ایک ہفتے سے یہاں ہو اور اب تمہیں ملنے کا خیال آیا۔''
''کچھ مصروفیت تھی اسی لئے نہیں آ سکا۔''
''اور یہ جو آپ کارنامہ پاکستان میں انجام دے کر آ رہے ہیں، اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' انداز طنزیہ تھا۔
محبت جیت ہوتی ہے مگر یہ ہار جاتی ہے
کبھی دل سوز لمحوں سے کبھی بے کار رسموں سے
اس کے اس جواب پر کاشف ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

☆☆☆

وقت کا کام ہوتا ہے گزرنا اور وقت گزرتا ہی چلا جاتا ہے، چاہے کوئی اسے ہنس کر گزارے چاہے رو کر، دن مہینوں میں بدلے اور مہینے سالوں میں، آج ساڑھے چار سال بعد سب کچھ نہیں تو بہت کچھ بدل چکا تھا، شاہ ذر کے ایک فیصلے نے وہ کچھ کر دکھایا تھا جو ماہ وش کی موت بھی نہ کر سکی، ماہا اور پری وش نے ایک ساتھ ہی شہر کالج میں ایڈمیشن لیا، ماہا نے گریجویشن کے بعد مزید تعلیم کو خیر باد کہا جبکہ پری وش ایم ایس سی فزکس کے لئے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا، اس پر بھی محسن صاحب کو یہاں مخالفت کا سامنا کرنا پڑا لیکن اب وہ اپنی اولاد کی خوشیوں کے لئے ہر قربانی دینے کو تیار تھے پری کو پہنچنے والی تکلیف کا قصور وار اور وہ خود کو سمجھتے تھے، پری نے جس طرح اپنے گرد اک خول کھینچا تھا اور سب سے کٹ کر رہ گئی تھی اسے دیکھ دیکھ کر وہ اپنے آپ میں مزید شرمندگی محسوس کرتے تھے، وہ نہیں چاہتے تھے جس طرح ان کی بیٹی تکلیف برداشت کر رہی ہے کل کو اس خاندان کی کوئی اور بیٹی بھی یہ تکلیف برداشت کرے، زین کی شادی سے

تعلق کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے انہوں نے زین سے بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا، تا کہ کل کو کوئی اور سب کے سامنے تماشا بن کر نہ رہ جائے۔

☆☆☆

''السلام علیکم بابا!'' وہ کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے جب زین ہلکی سی دستک دے کر کمرے میں داخل ہوا۔

''وعلیکم السلام! آؤ بیٹھو۔'' انہوں نے کتاب کو بند کر کے ایک سائیڈ پر رکھا۔

''آپ نے بلایا تھا؟''

''ہاں مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔''

''جی!''

''زین مجھے تمہاری شادی سے متعلق بات کرنی ہے۔'' وہ رکے اور بغور اسے دیکھا، انہیں ایسا لگا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔

''تم کچھ کہنا چاہتے ہو زین۔''

''بابا! مجھے اسی سلسلے میں آپ سے کچھ بات کرنا تھی۔''

''ہاں ہاں بولو۔''

''بابا میری کولیگ ہے عائشہ، بابا بہت اچھی فیملی کی ہے، میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں، اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو......'' سر جھکائے وہ اٹک اٹک کر بولا۔

''مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے، تم خوش تو میں بھی خوش۔'' زین کے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا وہ پہلے حیران ہوا اور پھر بے انتہا خوش۔

''لیکن بابا دادا ابا اور تایا جی۔'' وہ فکر مند ہوا۔

''تم ان کی فکر نہ کرو زین میں سنبھال لوں گا تم بس ہمیں ان کے گھر لے جانے کی تیاری کرو۔''

''لیکن بابا ایک اور مسئلہ ہے وہ...... اپنی کاسٹ ان سے علیحدہ ہے۔''

''اس سے فرق نہیں پڑتا زین یہ سب ہم انسانوں کے بنائے خود ساختہ معیار ہے، ان معیار کو مغروریت نہیں بننا چاہیے، مگر ہم انسان بس یہ فخر کرتے رہتے ہیں کہ اس دنیا میں کون کس سے بلند ہے حالانکہ ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند مرتبہ کیسے حاصل ہو گا اور وہ صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہی حاصل ہو گا، نہ کہ ان خود ساختہ معیارات پر، اس لئے میرے بیٹے ہم میں عاجزی ہونی چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں میں عاجزی پسند ہے۔''

''جی بالکل بابا۔''

''چلو اب تم اٹھو اور ہماری ہونے والی بہو کو بھی بتا دو کہ اب ہم بہت جلد اسے اس گھر میں لانے کے لئے آنے والے ہیں۔'' وہ شگفتہ انداز میں بولے، زین مسکراتے ہوئے کمرے سے نکلا اور سب سے پہلے یہ خوشی کی خبر شاہ ذر کو بتائی اور پھر عائشہ کو جو بے انتہا پریشان تھی مگر اس خبر کو سننے کے بعد بے انتہا خوش۔

☆☆☆

آج گھر میں خوشی کا سا سماں بندھا تھا، زین کا رشتہ طے ہو گیا تھا زین اور عائشہ دونوں بہت خوش تھے، سب کو موہنی سی صورت والی عائشہ بہت پسند آئی تھی، انعام صاحب کو منانے کا مرحلہ کچھ دشوار تھا مگر محسن صاحب نے سر کر ہی لیا، سائرہ نے مبارکباد کے لئے فون کیا اور ساتھ میں ماہا کا رشتہ بھی کاشف کے لئے مانگ لیا، کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا اور اس طرح چوہدری ولا میں یہ ایک بھرپور خوشی کا دن تھا جس میں ہر چھوٹا بڑا خوش تھا، مگر ان میں ایک ماں بظاہر خوش نظر آ رہی تھی جبکہ بیٹے کی جدائی اسے اندر ہی اندر مار

رہی تھی، چوری چوری روتی، دوپٹے کے پلو سے آنکھیں صاف کرتی اور سب کے درمیان جھوٹی مسکان لبوں پر سجاتی اور پھر کسی کونے میں چھپ کر زاروزار روتی ایک بے بس ماں، جس نے ان گزرے سالوں میں اپنے بیٹے کی آواز تک نہیں سنی تھی، بس چپ چاپ اس کی جدائی میں دن گزار رہی تھی۔

☆☆☆

کچھ دنوں سے صائمہ بیگم کی طبیعت بہت خراب تھی، بخار نے انہیں اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا اوراوپر سے شاہ ذر کی جدائی میں رو رو کر وہ ادھ موئی ہوئی جا رہی تھی، سب گھر والے ان کے کمرے میں جمع تھے سوائے پری وش کے جو کالج گئی تھی، سب ان کے لئے بے انتہا پریشان تھے جو مسلسل روئے جا رہی تھیں۔

''صائمہ آپا آپ کی طبیعت پہلے ہی بہت خراب ہے، مسلسل آپ روئے جا رہی ہیں بس کر دیں اب۔'' زبیدہ بیگم بے بس سی بولیں، ان سے بہن کی تکلیف دیکھی نہیں جا رہی تھی۔

''زبیدہ تم وقار سے کہو کہ وہ شاہ ذر کو بلا لیں میں نہیں رہ سکتی اب اپنے بیٹے سے دور، خدا کے لئے ان سے بولو کہ اسے معاف کر دیں۔'' صائمہ بیگم نے ان کے ہاتھ پکڑ کر التجاء کی۔

''صائمہ بس کرو کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے اپنی۔'' وقار صاحب ایک ماں سے یہ پوچھ رہے تھے کہ کیا حالت بنا رکھی ہے اس نے بھلا اس ماں کی کیا حالت ہو سکتی ہے جس نے پانچ سال سے اپنے بیٹے کی آواز بھی نہیں سنی تھی تم کجا شکل دیکھنا، مر چکے ہوئے پر تو صبر آ ہی جاتا ہے مگر زندہ انسان پر صبر کون کرے۔

''اس ناہنجار نے تو رابطہ ہی نہیں رکھا گھر والوں سے، ایسی بھی کیا انا، باپ نے کہا کہ گھر چھوڑ دو تو ایسے گھر چھوڑا کہ کوئی اتا پتا ہی نہیں پیچھے چھوڑا، بھلا کہاں ڈھونڈے ہم اس کو۔'' انعام صاحب کوئی کم پریشان نہیں تھے اس کے لئے، لاڈلے پوتے میں تو ان کی جان تھی، ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کہیں سے شاہ ذر کو لے آتے اور رکھ کر لگاتے دو تھپڑ اس کو بھلا ایسے بھی کوئی چھوڑ کر جاتا ہے۔

''ہاں بھائی جان! اب بلا لے اب آپ شاہ ذر کو، بھلا کب تک دور رہے گا گھر سے، اب معاف کر دیں اس کو، غلطی اس کی نہیں ہم سب کی تھی، ہمیں بچوں سے ان کی رضا مندی لینی چاہیے اس معاملے میں تا کہ اپنا حکم تھوپنا چاہیے، یہ زبردستی کے سودے تو نہیں ہیں نا۔'' محسن نے کھلے دل کا مظاہرہ کیا، ویسے بھی انہیں شاہ ذر سے زیادہ اپنا قصور لگتا تھا۔

''لیکن معلوم بھی تو ہو کہ وہ ہے کہاں؟'' وقار صاحب پریشانی سے گویا ہوئے۔

''اس نے کہاں جانا ہے تایا جی، سعودیہ میں بیٹھا آپ کے بلاوے کا انتظار کر رہا ہے۔'' کب سے خاموش بیٹھے زین نے انتہائی معصومیت سے انہیں بتایا، ایسی معصومیت کہ جیسے اس سے زیادہ معصوم تو روئے زمین پہ کوئی اور ہے ہی نہیں۔

''ایک کیا کم تھا پریشان کرنے کے لئے کہ تم بھی اس کے ساتھ شریک ہو گئے۔'' انعام صاحب کے مصنوعی خفگی سے گھورا۔

''ارے کہاں دادا ابا میں بھلا آپ کو پریشان کر سکتا ہوں، ابھی اس ناہنجار کو فون کرتا ہوں اور کہتا ہوں دفع ہو آ اب واپس۔'' وہ شریر ہوا۔

''مجھے سائرہ سے اس بچپنے کی ہرگز امید نہیں تھی بھلا وہ تو ہمیں بتا ہی سکتی تھی نا۔'' انعام

صاحب نے مایوسی سے سر ہلایا جیسے سائرہ نے ان کی ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا ہو، ان کے انداز پر زین نے اپنی بے ساختہ پھوٹ پڑنے والی ہنسی کو ہونٹوں میں ہی بھینچ لیا اور شاہ ویز کا نمبر ملا کر فون دادا ابا کو پکڑا دیا جو کہ اب اس کی عزت افزائی کرنے میں مصروف تھے، باقی سب کے چہروں پر ایک دم سکون چھا گیا تھا، سب نے سکون کا سانس لیا، صائمہ بیگم کی خوشی دیکھنے لائق تھی جبکہ زبیدہ بیگم کو پری وش کے ردعمل کی فکر کھائے جا رہی تھی۔

☆☆☆

پری وش آج کالج سے جلدی واپس آ گئی تھی، لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے اس نے دادی ماں کو سلام کیا جو کہ تسبیح پکڑے ورد میں مصروف تھیں، پری ان کے پاس ہی ڈھیلے انداز میں بیٹھ گئی، انہوں نے تسبیح پوری کر کے پری پر پھونک ماری اور فکر مندی سے گویا ہوئیں۔

''خیریت ہے نا پری بچے آج جلدی آ گئی اور طبیعت بھی کچھ ڈھیلی ڈھیلی لگ رہی ہے۔''

''جی دادی اماں بس زکام کی وجہ سے طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے، کچھ پڑھایا ہی نہیں جا رہا تھا تو گھر آ گئی۔'' وہ سر کو ہاتھوں سے دباتے ہوئے بولی، جو مسلسل درد کیے جا رہا تھا۔

''تم بھی تو بچی آرام نہیں کرتی، جب دیکھو ان موٹی کتابوں میں سر دیئے بیٹھی ہوتی ہو۔'' انہیں پری کی کتابوں سے ازلی چڑ تھی۔

''ارے کہاں دادی اماں اب تو میں کتابیں پڑھتی ہی نہیں ہوں۔''

''ہاں جیسے میں جانتی نہیں، چلو اب اٹھو کمرے میں جاؤ میں چائے بھیجتی ہوں۔'' انہوں نے موضوع بدلا جانتی تھیں کتابوں کی حمایت میں وہ بلا تکان بولے گی ایک ہی تو شوق تھا اس کا پڑھنا اور لامحدود پڑھنا۔

''نہیں چائے نہیں میں سوؤں گی تھوڑی دیر۔''

''اچھا چلو آرام کرو جا کر اللہ صحت دے تمہیں۔'' اس کے جاتے ہی انہوں نے پھر تسبیح اٹھالی مگر اب سوچ کی پروازیں کسی اور جہان میں اڑاتی پھر رہی تھیں دور بہت دور کسی بہت اپنے کے آس پاس ان کی آنکھوں کی نمی میں اضافہ ہوتا چلا گیا، وہ اپنی سوچوں میں بہت دور نکل گئی تھیں جب زبیدہ بیگم کی آواز پر چونک کر ہوش کی دنیا میں واپس پلٹیں، جو ان سے پری وش کے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔

''ہاں اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اس لئے کہہ رہی تھی تھوڑی دیر آرام کرے گی۔''

''خیریت تو ہے طبیعت زیادہ خراب تو نہیں تھی اس کی؟''

''ارے نہیں زبیدہ بس سر میں درد ہے تھوڑی دیر سوئے گی تو ٹھیک ہو جائے گی۔'' انہوں نے انہیں تسلی دی۔

''خیریت تو ہے تم مجھے کچھ پریشان لگ رہی ہو۔''

''جی اماں بس پری کی وجہ سے ہی، ابھی تو اسے نہیں پتا مگر کب تک، پتا نہیں اس کا ردعمل کیا ہو گا، مجھے تو اس کی فکر کھائے جا رہی ہے۔'' وہ بہت فکر مند تھیں، دادی اماں کے کب سے رکے آنسو بہہ نکلے۔

''ارے اماں آپ ایسے روئیں گیں تو میری ہمت کون باندھے گا، آپ تو میری ہمت ہیں آپ سے ہی تو مجھے حوصلہ ملتا ہے۔''

''ارے کہاں زبیدہ میری ہمت تو اسی دن ختم ہو گئی تھی جس دن میری ماہ وش مجھے چھوڑ کر گئی، میں تو اسی دن مر گئی تھی، میرا بیٹا میرے

پاس ہوتے ہوئے بھی میرے پاس نہیں ہے، کیا دیا ان روایتوں نے مجھے، ان نے تو مجھے تہی داماں کر دیا، میں تو ایک زندہ لاش ہوں مجھ سے تم نے کیا حوصلہ پانا ہے زبیدہ، ایک ایسی ماں سے جو اپنی بیٹی کے حق کے لئے نہ لڑ سکی اور جس کی بیٹی اس سے ایسی روٹھی کہ مڑ کر ماں کو دیکھا تک نہیں منوں مٹی تلے جا سوئی اور مجھے اپنے غم میں تڑپنے کے لئے چھوڑ گئی، مجھے تو زندہ ہی مار گئی وہ زبیدہ، کہاں سے لاؤں اپنی نازوں پلی کو یہ روایتیں کھا گئیں میرے جگر کے ٹکڑے کو۔'' زبیدہ بیگم انہیں چپ کرواتے کرواتے خود بھی رونے لگیں وہ انہیں بھی کم عزیز تو نہ تھی مگر قسمت، اور لاؤنج کے دروازے کے پاس کھڑے انعام صاحب جو ابھی ابھی زمینوں سے واپس آئے تھے نڈھال سے واپس مڑ گئے اور اپنے آبائی قبرستان پیپل کے درخت تلے بنی اک قبر کے پاس اپنی مخصوص جگہ پر جا کر بیٹھ گئے جہاں اپنا ڈھیروں وقت وہ اس بیٹی سے معافی مانگتے ہوئے گزار دیتے تھے جس کی آنکھوں میں ایک آنسو انہیں بے چین کر دیتا تھا مگر اسی بیٹی پر انہوں نے خوشیوں کے دروازے بند کر دیے تھے، وہ بیٹی جس نے اپنی خوشیوں کی بھیک مانگی تھی مگر ایک باپ نے اپنی روایتوں کو افضل جانا تھا مگر اب وہی باپ جب اپنے ہاتھوں کو دیکھتا تھا تو وہ اسے اپنی بیٹی کے خون سے رنگے نظر آتے تھے، مگر اب کیا فائدہ، اب تو پچھتاوئے بے سود تھے وقت نکل جانے پر پچھتاوے بے سود ہی ہوا کرتے ہیں۔

☆☆☆

''پری جاگ جاؤ بیٹا دیکھو شام ہو رہی ہے۔'' زبیدہ بیگم نے کھڑکیوں سے پردے ہٹائے، کمرہ ایک دم روشنی سے نہا گیا۔

''پری!''

''اچھا ماما۔'' وہ کسل مندی سے لیٹی رہی۔

''جلدی سے اٹھ کر نیچے آ جاؤ، چائے تیار ہے۔'' زبیدہ کمرے سے باہر نکل گئیں، تو وہ اٹھی اور منہ ہاتھ دھو کر نیچے لان میں آ گئی جہاں زبیدہ بیگم، صائمہ بیگم اور دادی اماں بیٹھی باتوں میں مشغول تھیں، پری نے چائے بنائی اور ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

''خیریت ہے سب کہاں ہیں، گھر میں اتنی خاموشی کیوں ہے؟'' اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

''ہاں وہ سب ایئر پورٹ گئے ہیں۔'' زبیدہ بیگم بولیں۔

''پھپھو آ رہی ہیں؟''

''ہاں اور شاہ ذر بھی۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بولیں، اس کا چہرہ ایک دم سپاٹ ہوا تھا اور زبیدہ بیگم کا اتنا ہی رنجیدہ، اس نے چائے ختم کی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کہاں جا رہی ہو پری؟ بیٹھو نا بچے۔'' دادی محبت سے گویا ہوئی۔

''وہ دادی اماں کل کے لئے لیکچر تیار کرنا ہے اور کپڑے وغیرہ بھی پریس کرنے ہیں، آپ کو کوئی کام ہے تو بتائیں؟''

''نہیں بیٹا تم جاؤ کام کرو۔'' چہرہ سپاٹ تھا مگر جو نمی آواز میں تھی وہ ان تینوں کے دلوں کو چیر رہی تھی، کمرے میں آنے کے بعد وہ کچھ بھی نہیں کر سکی اور وہ کچھ کرنے کے لئے آئی بھی نہیں تھی، وہ تو بس دل میں اٹھنے والے درد کو دبانا چاہتی تھی، درد جس نے اسے اپنے حصار میں رکھا تھا، وہ اٹھ کر کھڑکی میں آ کر کھڑی ہو گئی تھی، اسے کسی سے کوئی شکوہ نہیں تھا، وہ اس گھر کا بیٹا تھا، اسے آنا ہی تھا، آج نہیں تو کل، کب تک وہ دور رہتا اور کب تک کوئی اسے دور رکھتا، لیکن نہ جانے کیوں ایک درد تھا جو اندر ہی اندر دل کو رولائے

جا رہا تھا، مگر وہ آنسوؤں کو اندر ہی اتار رہی تھی، آنکھیں بالکل ویران تھیں، صحرا کی مانند خشک، وہ کب سے ایسے ہی کھڑی سوچوں کے بھنور میں پھنسی ہوئی تھی جب باہر سے گاڑیاں رکنے کی آوازیں آئیں، وہ ایک دم سے چونکی، اس کی نظریں بے ساختہ نیچے رکنے والی گاڑیوں پر اٹھیں، شاہ ذر، صائمہ بیگم سے مل رہا تھا، وہ بے ساختہ اسے چومے جا رہی تھیں، وہ اس کے سامنے تھا جسے وہ ہمیشہ اپنے سامنے رکھنا چاہتی تھی، اب وہ باری باری زبیدہ بیگم اور دادی اماں سے مل رہا تھا، پری کی آنکھیں اس کے چہرے سے ہٹنے سے انکاری تھیں مگر آنسوؤں نے اس کے چہرے کو دھندلا دیا تھا، شاہ ذر نے بے ساختہ اس کے کمرے کی کھڑکی کی طرف دیکھا تھا پری ایک دم سے پیچھے ہوئی، کمرہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، شاہ ذر کو کچھ نظر نہیں آیا مگر پری نے اس کی بے ساختگی دیکھ لی تھی، آنسو آنکھوں سے بہے جا رہے تھے جنہیں اس نے کب سے روکا ہوا تھا، مگر آنسو کب رکتے ہیں انہیں تو بس بہانہ چاہیے ہوتا ہے آنکھوں سے بغاوت کرنے کا، ہارے ہوئے کو مزید ہارانے کا۔

کچھ خوابوں کو آنکھوں میں سجایا بہت تھا
سر شام چراغوں کو جلایا بہت تھا
معلوم تھا مجھے ان خوابوں کو پانا نہیں ممکن
پھر بھی تیری یادوں سے دل کو بہلایا بہت تھا

☆☆☆

''السلام علیکم!'' اس نے ڈائننگ ٹیبل پر موجود سب گھر والوں کو مشترکہ سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! کیسی ہو میری جان؟'' سائرہ بیگم نے اسے اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے پوچھا۔

''بالکل ٹھیک، آپ سنائیں آپ کیسی ہیں؟''

''الحمدللہ، اللہ کا بڑا کرم ہے، بھابھی بتا رہی تھیں تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، کیا ہوا بچے؟'' وہ فکرمندی سے بولی۔

''ارے کچھ نہیں پھپھو بس فلو کی وجہ سے سر میں درد تھا اور تو کچھ نہیں۔''

''اچھا چلو بیٹھو ناشتہ کرو۔''

''نہیں پھپھو میں آل ریڈی لیٹ ہو چکی ہوں، میں چلتی ہوں۔''

''پری بیٹا تھوڑا سا ناشتہ تو کر کے جاؤ۔'' زبیدہ بیگم فکرمند ہوئیں۔

''نہیں امی میں وہیں سے کچھ کھا لوں گی آج کلاس جلدی تھی اور میں پہلے ہی دس منٹ لیٹ ہو چکی ہوں۔'' وہ جلدی سے بات مکمل کر کے سب کو خدا حافظ کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔

''رات کو بھی کھانا نہیں کھایا اور اب بھی بھوکی چلی گئی، کب سدھرے گی یہ لڑکی۔'' زبیدہ بیگم کو اس کی فکر کھائے جا رہی تھی، جبکہ ماہا نے شکر کیا تھا کہ اس وقت شاہ ذر وہاں موجود نہیں تھا ورنہ پری پتا نہیں کیسا ردعمل شو کرتی۔

☆☆☆

آج اتوار کا دن تھا سب گھر میں موجود تھے، موسم بھی خوشگوار ہو رہا تھا، اوائل نومبر کے دن تھے رات میں ہلکی ہلکی بونداباندی سے جہاں سردی میں اضافہ ہوا تھا وہاں موسم کی خوشگواریت میں بھی اضافہ ہوا تھا، سب گھر والے لان میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے اور ساتھ ساتھ موسم سے لطف اندوز بھی ہو رہے تھے، سوائے پری وش کے وہ اپنے کمرے میں بند ناول پڑھنے میں مشغول تھی، وہ صرف شاہ ذر سے سامنا نہیں چاہتی تھی ورنہ ایسے موسم کو انجوائے کرنے میں وہ پیش پیش ہوتی تھی، ناول سامنے کھلا تھا مگر وہ خود

وہاں نہیں کہیں تھی بار بار اپنا دھیان ناول کی طرف لگاتی مگر سوچیں کہیں اور پرواز کر جاتیں، تنگ آ کر اس نے ناول بند کر دیا اور بیڈ کی بیک سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں تبھی ماہا کمرے میں داخل ہوئی اور اس کے سامنے کھڑی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

''خیریت ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟'' وہ سیدھی ہوتے ہوئے بولی۔

''دیکھ رہی ہوں کہ لوگ کیسے اجنبی بن گئے ہیں؟'' ماہا نے ناراضگی سے کہا۔

''کون لگنے لگا آپ کو اجنبی مس وہمی؟'' پری نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پاس ہی بیڈ پر بٹھا لیا۔

''پری وہم نہیں ہے تم مجھ سے بھی دور دور رہنے لگی ہو، نہ ہم میں سے کسی کے پاس بیٹھتی ہو نہ کوئی بات کرتی ہو، پری ہم سب سے کیا غلطی ہوئی ہے پلیز ایسے تو مت کرو۔'' وہ دلگرفتگی سے بولی۔

''ماہا کیسی باتیں کر رہی ہو میں کیوں دور ہونے لگی تم سب تو میرے اپنے ہو، بھلا اپنوں سے بھی کوئی دور ہوتا ہے۔'' وہ محبت سے بولی۔

''پری تمہیں اچھا نہیں لگا کہ بھائی واپس آ گئے ہیں، میں جانتی ہوں تم اسی لئے کمرے میں بند رہتی ہو۔''

''نہیں ماہا، اس نے آنا ہی تھا آج نہیں تو کل اسے آنا ہی تھا، وہ اس گھر کا بیٹا ہے، اس کا حق بنتا ہے کہ وہ آئے یہاں رہے، بھلا مجھے اچھا لگنے یا نہ لگنے سے کیا ہوتا ہے۔'' سپاٹ لہجے میں جواب دے کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

''ایسے مت بولو پری، ہم سب تم سے بہت محبت کرتے ہیں۔'' ماہا نے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر چوما، پری نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''میں جانتی ہوں ماہا، تم سب ہی تو میری زندگی ہو۔'' پری نے ماہا کی گود میں سر رکھ دیا اور ماہا اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی پری کو بہت پسند تھا کہ کوئی آہستہ آہستہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرے۔

''پری خود کو کیوں سزا دے رہی ہو؟'' کچھ دیر بعد ماہا نے آہستگی سے کہا۔

''سزا تو بنتی ہے ماہا، غلطی ہی اتنی بڑی ہے۔'' وہ کھوئی کھوئی سی بولی۔

''بھائی تم سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں پری۔'' وہ بہت آس لگا کر بولی۔

''جب ایک دفعہ کسی کو قبر میں دفن کر آئیں تو اس کی قبر کو دوبارہ نہیں کھودا کرتے ماہا۔'' ماہا کو اس کے جواب نے مزید دکھ میں مبتلا کر دیا، وہ بس آنسو پی کر رہ گئی۔

بے خواب لمحوں کا پرستار کون تھا؟
اتنی اداس رات میں بیدار کون تھا؟
کس کو یہ فکر تھی کہ محبت میں کیا ہوا؟
ہم اس میں لڑ رہے تھے کہ وفادار کون تھا؟
سو کشتیاں جلا کہ چلے ساحلوں سے ہم
اب تم کو کیا بتائیں کہ اس پار کون تھا؟
یہ فیصلہ تو شاید وقت بھی نہ کر سکے
سچ کون بولتا تھا، اداکار کون تھا؟
زمانے گزر گئے ہیں یہ سوچتے ہوئے
میں کس کو کہوں اپنا، میرا غم خوار کون تھا؟

☆☆☆

سورج کب کا غروب ہو چکا تھا، رات کی سیاہی نے ہر سو اپنے پر پھیلا دیئے تھے، ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی، وہ ٹیرس پر کھڑا دونوں کہنیاں ریلنگ پر ٹکائے آگے کو جھکا ہوا تھا، بغیر کسی گرم کپڑے کو اوڑھے سردی کی شدت سے یکسر بے

نیاز وہ بے حس بنا کھڑا تھا۔

''یہاں پر کھڑے ہونے سے تو کچھ بھی نہیں ہوگا میاں مجنوں، تمہاری لیلیٰ نہیں مانے گی۔'' کاشف نے ٹیرس پر قدم رکھتے ہوئے کہا، شاہ ذر نے بے زار نظروں سے کاشف کو دیکھا۔

''تم کبھی اپنی بکواس بند بھی کر لیا کرو۔''

''ایک تو تمہاری معلومات میں اضافہ کر رہا ہوں اوپر سے تم مجھی پر غصہ ہوتے ہو، کتنے کمینے ہو تم۔'' کاشف اس کے پاس ہی ریلنگ سے کمر ٹکا کر کھڑا ہو گیا، شاہ خاموش رہا۔

''ویسے شاہ تم کتنے بزدل ہو ایک لڑکی سے بات نہیں کر سکتے چہ چہ چہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ تم شاہ ذر کاشف چوہدری یعنی میرے کزن ہو کر ایک لڑکی سے بات نہیں کر سکتے۔'' اس نے ایسے گردن ہلائی جیسے شاہ ذر نے اس کی ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا ہو۔

''تم تھوڑی دیر کے لئے اپنی زبان کو آرام نہیں دے سکتے کیا؟'' کاشف نے نفی میں گردن ہلائی، شاہ ذر نے اس پر کوئی اثر نہ ہوتا دیکھ کر وہاں سے چلے جانا ہی بہتر جانا۔

''ارے تو جا کہاں رہا ہے، میری بات تو سن جگر۔'' کاشف نے اسے بازو سے پکڑ کر روکا۔

''پریشان ہونے سے کچھ نہیں ہوگا جب تک تم اس سے بات ہیں کرو گے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا، امی نے سب کو سچ بتا دیا ہے، محسن ماموں کا کہنا ہے کہ اگر پری کی طرف سے انکار نہ ہوا تو انہیں بھی کوئی انکار نہیں ہوگا۔'' کاشف سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ پری نے انکار کر دیا ہے۔''

''اسے کسی بات کا پتا نہیں ہے شاہ۔''

''جانتا ہوں۔''

''تو پھر اسے بتاؤ جب تک تم بتاؤ گے نہیں، اسے معلوم کیسے ہوگا؟''

''مجھ میں ہمت نہیں ہے کاشف میں اس کے سامنے جانے کی خود میں ہمت نہیں پاتا۔'' اس کے لفظوں میں محسوس کی جانے والی بے بسی تھی۔

''شاہ تم ماہا سے کہو کہ وہ پری سے بات کرے اس سے زیادہ پری کے نزدیک اور کوئی نہیں ہے اور وہ اسے بہت اچھے طریقے سے سب کچھ بتا بھی سکتی ہے۔'' شاہ ذر کو کاشف کا آئیڈیا بہت پسند آیا، شاہ ذر کے کہنے پر پہلے تو ماہا نے انکار کر دیا مگر پھر شاہ ذر کی ملتجی نظروں کو دیکھ کر مان گئی، مگر اندر ہی اندر وہ بہت نروس تھی، کہیں پری یہ نہ سمجھ لے کہ میں بھائی کی وکالت کرنے آ گئی ہوں، کہیں وہ مجھ سے بھی بدظن نہ ہو جائے، اس طرح کے نہ جانے کتنی ہی اندیشے اس کے اندر سر اٹھا رہے تھے۔

☆☆☆

جب وہ اس کے کمرے میں داخل ہوئی وہ کتاب کھولے لیکچر تیار کرنے میں مصروف تھی، اسے آتا دیکھ کر اس نے کتاب بند کی اور اپنے پاس بیڈ پر اس کے لئے جگہ بنائی، ماہا چپ چاپ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''پری تم نے انکار کیوں کیا؟'' اس نے بغیر کوئی تمہید باندھے پوچھا، پری نے ایک گہری سانس لی، اسے کچھ کچھ توقع تھی کہ ماہا اسی سلسلے میں بات کرے گی۔

''مجھے لگتا ہے کہ کسی کو بھی مجھ سے یہ نہیں پوچھنا چاہیے کہ میں نے انکار کیوں کیا؟'' اس نے اٹھ کر کھڑکی کھولی تو ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا، پھر وہی کھڑکی کے پاس ہی

کھڑی ہوگئی۔

''تمہیں نہیں لگتا کہ ایک دفعہ تمہیں بھائی کی بات سننی چاہیے تھی۔''

''اب کیا فائدہ؟''

''تمہیں لگتا ہے بھائی تمہیں چھوڑ کر جا سکتے تھے؟''

''وہ مجھے چھوڑ کر گیا تھا ماہا، بلکہ پورے خاندان کے سامنے میرا تماشا بنا کر گیا تھا، تم جانتی ہو میں نے کسی بھی تقریب میں جانا کیوں چھوڑ دیا تھا، وہاں موجود عورتیں جب میری طرف دیکھتی تھیں تو ان کی نظروں میں میرے لئے ترس ہوتا تھا افسوس ہوتا تھا، میرا دل کرتا تھا کہ میں خود کو ایسی جگہ چھپا لوں جہاں ان لوگوں کی نظریں مجھ تک نہ پہنچ سکیں اور تم پوچھتی ہو کہ میں نے انکار کیوں کیا؟'' اس کے لہجے میں ٹوٹی کرچیوں جیسا درد تھا، ماہا نے اپنی آنکھوں میں در آنے والے آنسوؤں کو پیچھے دھکیلا اور اس کے پاس جا کر کھڑی ہوگئی۔

''پری میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں کہ بھائی نے یہ سب کیوں کیا؟''

''مگر میں سننا نہیں چاہتی۔''

''پلیز پری میری خاطر۔''

''ماہا کیا میری اوقات یہی ہے کہ جب میں اس کے معیار کے مطابق پڑھی لکھی نہیں تھی تو وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا بلکہ ٹھکرا کر چلا گیا تھا اور جب میں اس کے معیار کے مطابق تعلیم یافتہ ہوگئی ہوں تو وہ مجھے اپنانے کو چلا آیا ہے، کیا میں اتنی ہی ارزاں ہوں۔'' وہ بکھر بکھر گئی۔

''پری میری جان تم کیا ہو تمہیں کیا پتا اور کوئی تمہیں خوشی دینے کے لئے تمہاری خواہش کو پورا کرنے کے لئے کتنی اذیت کاٹ آیا تمہیں کیا خبر۔''

''پری تم ایک دفعہ میری بات سن لو پھر چاہے تم جو مرضی فیصلہ کرنا کوئی زبردستی نہیں کرے گا تم سے۔'' وہ کچھ لمحوں کے بعد ملتجیانہ انداز میں بولی، پری کو خاموش ہو جانا پڑا۔

''پری بھائی تم سے بہت محبت کرتے ہیں۔''

''محبت، محبت ماہا سر بازار رسوا تو نہیں کرتی۔'' ماہا نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں، پانچ سالوں کی خاموشی اب ٹوٹ رہی تھی، اس نے جو پل باندھ رکھے تھے وہ اب ٹوٹ رہے تھے اور لمحہ بہ لمحہ بکھرتی چلی جا رہی تھی، لیکن سچ تو یہ تھا کہ اب وہ تھکنے لگی تھی اس درد سے جو اندر ہی اندر اسے مار رہا تھا، جاننا وہ بھی چاہتی تھی کہ وہ انکار کر کے کیوں گیا تھا؟ کہاں گئی اس کی وہ محبت جو ہمہ وقت آنکھوں سے چھلکتی تھی، مگر اگر محبت تھی تو پھر وہ انکار کیوں؟ اور اس انکار کی جو وجہ وہ بتا کر گیا تھا وہ اسے بے مول کر گئی تھی، ماہا نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھاما اور اپنے لفظوں پر زور دے کر بولی۔

''بھائی تم سے محبت کرتے ہیں اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار ممکن ہی نہیں، پری انہوں نے یہ انکار تمہارے لئے ہمارے لئے کیا، ورنہ تم خود سوچو اس انکار سے پہلے تمہیں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت مل سکتی تھی، یونیورسٹی کی شکل تم کبھی دیکھ سکتی تھی؟ نہیں پری تمہاری خواہش کو پورا کرنے کے لئے یہ سب ہوا، زین اور عائشہ کی شادی کے لئے یہ سب ہوا، ورنہ زین کہاں اپنی محبت کو پا سکتا تھا، پری بھائی نہیں چاہتے تھے کہ اس خاندان کی کسی اور لڑکی کو بھی پھپھو کی طرح کی اذیت سہنی پڑے اور نہ کوئی دوسرا چاچو کی طرح کی دوغلی زندگی جیے۔'' اپنے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے بولی۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو ماہا میری کچھ سمجھ نہیں نہیں آرہا۔" پری گومگو کی کیفیت میں تھی۔

"ان سب باتوں کا مجھے نہیں معلوم تھا سائرہ پھپھو سے ہی پتا چلا، پری ہماری چھوٹی پھپھو ماہ وش وہ ہو بہو تمہاری طرح تھیں من موہنی صورت، ضد میں آجائیں تو پیچھے ہٹنے کا نام ہی نہیں لینا اور لاڈلی اتنی ایک آنسو ان کی آنکھوں میں کوئی برداشت نہ کرپائے، دادی اماں کا تو دل ان میں دھڑکتا تھا، دادا ابا ان کی کوئی بات نہیں ٹالتے تھے مگر ان کی سب سے بڑی خوشی نہ انہیں دے سکے، پھپھو اسی گاؤں میں کسی کو پسند کرتی تھیں مگر وہ ہمارے خاندان سے نہیں تھے تو دادا ابا نے اس رشتے سے انکار کردیا لیکن ان کے ماں باپ بار بار آتے رہے منتیں کرتے رہے سارا پھپھو کہتیں ہیں جنہیں ماہ وش پھپھو پسند کرتی تھیں وہ بہت خوبصورت تھے آرمی میں تھے لیکن دادا ابا نے روایتوں کو زندہ رکھا اور بیٹی کو زندہ لاش بنادیا، دادا ابا نے ان کے بار بار سوالی بن کر آنے پر تھک ہار کر پھپھو کا رشتہ اپنے بڑے بھائی کے بیٹے سے کردیا تھا وہ بالکل بھی اچھے نہیں تھے وہ نشئی اور جواری تھے لیکن دادا ابا نے جان بوجھ کر اپنی آنکھیں بند کرلیں تھیں دادی اماں بے بس تھیں کچھ نہیں کرسکیں تھیں، دادا ابا کے آگے بھلا کسی میں بولنے کی ہمت ہے، دادا ابا نے پھپھو کی شادی ان سے کردی اور چھ مہینے بعد پھپھو کی موت کی خبر آگئی۔" آنسو ماہا کی آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے اور پری پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"پری، پھپھو پریگننٹ تھیں اور ان کے شوہر نے اس دن بہت شراب پی رکھی تھی گھر میں کوئی بھی نہیں تھا ان نے پھپھو کو بہت مارا پری، جب ان کے سسرال والے آئے تو وہ انہیں ہسپتال لے کر گئے مگر پھپھو جانبر نہ ہوسکیں اور دادی اماں وہ تو پہلے ہی بیٹے کے دکھ میں آدھ موئی ہورہی تھیں پھپھو کی موت نے تو انہیں بے موت مار کر رکھ دیا تھا۔" کچھ دیر کمرے میں خاموشی رہی اور پھر ماہا دوبارہ بولی۔

"پھپھو کو اس گناہ کی سزا ملی جو ان نے کیا ہی نہیں تھا اور چاچو، چاچو تو مرد ہوکر بھی ان روایات کے سامنے ہار گئے، چاچو اپنی یونی فیلو کو پسند کرتے تھے، چاچو کو یقین تھا کہ وہ دادا ابا کو منا لیں گے، لیکن ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ دادا ابا کو اپنی بزرگانہ روایات سے زیادہ کوئی عزیز نہیں، دادا ابا نے چاچو کو ایمرجنسی کال پر گھر بلالیا، چاچو ہزاروں یقین کے وعدے کسی کے سپرد کرکے گھر آئے، تو دادا ابا ان کی شادی مصباح چچی سے طے کردی تھی، چاچو نے پہلے تو صاف انکار کردیا کہ وہ یہ شادی نہیں کریں گے تو دادا ابا نے انہیں دھمکی دی کو وہ چاچو کو گھر سے نکال دیں اور جائیداد سے بھی عاق کردیں گے چاچو تو چلے بھی جاتے مگر دادا ابا کے یہ الفاظ "جاتے ہوئے اپنی ماں کو بھی اپنے ساتھ لے کر جانا" نے ان کے قدموں کو روک دیا، چاچو نے واسطے دیئے منتیں کیں مگر دادا ابا نہیں مانے اور اس طرح چاچو کی شادی مصباح چچی سے ہوگئی، اس دن کے بعد چاچو اور دادا ابا نے کبھی خوشگوار ماحول میں بات نہیں کی، جس دن چاچو کی شادی تھی اس دن ان کی یونی فیلو کا شدید نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا اور وہ فوت ہوگئی تھیں، وہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھیں سوچو پری ان پر کیا گزری ہوگی کیسے ان نے اپنی اکلوتی اولاد کو قبر کے اندھیروں کے سپرد کیا ہوگا، تم نے کبھی چاچو کی آنکھوں میں غور سے دیکھا ہے پری کتنی ویران ہیں وہ آنکھیں وہ آج تک انہیں بھول نہیں پائے اور بھلا بھی بھلا کیسے

سکتے ہیں محبتیں بھلا کب دل سے نکلتی ہیں، آج دادا ابا بہت شرمندہ ہیں پری ان نے چاچو سے بھی معافی مانگی مگر جو چلے گئے وہ واپس تو نہیں آ ساتے اور ان اذیتوں کے ازالے بھلا کیسے ہوں جنہوں نے ماؤں کے دلوں کو چیر کر رکھ دیا ہے۔''
کتنے ہی آنسو پری کی آنکھوں سے گرے اور گالوں کو بھگوتے چلے گئے۔

جنگل تھے تاریک کہیں کہیں مٹی ریت کے ٹیلے تھے
عشق کی راہ میں آنے والے پتھر بھی نوکیلے تھے
تیرے عشق کے ناگ کا ڈسنا کچھ اتنا زہریلا تھا
میری آنکھ سے بہنے والے آنسو نیلے نیلے تھے
سانسوں کی شطرنج پہ ہارے پھر بھی مل نہ پائے وہ
ان کے پیار میں حائل شاید ریت رواج کے قبیلے تھے

''اور اگر بابا میرے لئے اسٹینڈ نہ لیتے تو پھر کیا ہوتا ماہا؟''
''ایسا ہو ہی نہیں سکتا چاچو تم سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں بھلا وہ اس وجہ کو کیوں نہ ختم کرتے جوان کی بیٹی کے لئے اذیت کا باعث بنی تھی۔'' ماہا نے اس کے آنسوؤں کو محبت سے صاف کیا اور ہلکا سا مسکرائی۔
''اب تم یہ ساری باتیں چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ بھائی کے لئے اب کیا ہے تمہارے پاس انکار یا اقرار؟''
''تم پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارے ساتھ بھی تو زیادتی ہی ہوئی ہے نا۔'' اس کی سوچ ابھی وہاں ہی اٹکی ہوئی تھی۔
''کون سی زیادتی پری؟''
''تمہارا رشتہ ہونے سے پہلے تم سے کوئی پوچھا گیا تھا؟''
''ہاں پھر بھی میری رضامندی لی گئی تھی۔'' اس نے رسانیت سے کہا۔
''کس نے لی تھی، یہاں تو کسی نے بھی نہیں پوچھا تھا؟'' حیرانگی سے پوچھا گیا۔
''بھائی کے کہنے پر پھپھو نے پہلے مجھ سے بات کی تھی اور میری رضامندی لینے کے بعد ہی پھپھو نے دادا ابا سے بات کی تھی۔''
''ہائے تو مجھے کیوں نہیں بتایا۔'' اسے افسوس ہوا۔
''تم اپنے اس حجرے سے باہر نکلو تو تمہیں کچھ معلوم ہو نا۔'' اس نے خفگی سے اس کے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔
''اے کہیں تم کاشف سے......'' وہ مشکوک انداز میں بولی۔
اس کی بات ابھی منہ میں ہی تھی کہ ماہا کے چہرے پر پھیلتے خوبصورت رنگوں نے اسے چونکا دیا۔
''ہائے کتنی بے مروت ہو تم ماہا۔'' اس کا افسوس ختم ہی نہیں ہونے میں آ رہا تھا۔
''میں تم سے کیا پوچھ رہی ہوں پری اور تم فضول باتوں میں لگی ہوئی ہو، بتاؤ نا بھائی کو کیا جواب دوں، ان کی یہ سزا کب ختم کرو گی تم۔''
''کون سی سزا میں نے تو کوئی سزا دی ہی ہیں تو میں تو ختم کرنے سے رہی۔''
''وہ تمہاری ایک ہاں کے انتظار میں سوکھ رہے ہیں۔''
''سوکھنے دو۔'' بے نیازی سے کہا گیا۔
''کیا؟'' ماہا نے کیا کو لمبا کھینچا۔
''ابھی میرا کوئی موڈ نہیں ہاں کرنے کا، میں سوچوں گی اگر دل مانا تو ہاں کر دوں گی، ورنہ پھر میں کیا کر سکتی ہوں۔'' کیا ادا تھی ماہا منہ کھولے اسے دیکھے جا رہی تھی۔
''اب میں کسی ایرے غیرے کو اٹھا کر اپنی زندگی میں ایسے ہی تو شامل نہیں کر سکتی کچھ سوچنا تو پڑتا ہے نا۔'' وہ مدبر انداز میں بولی، شاہ ذر جو

اس کی پشت پر کھڑا تھا بس اس کی پشت کو گھور کر رہ گیا جبکہ ماہا نے اپنے بے ساختہ امڈنے والے قہقہے کو زبردستی روکا۔

''میرا خیال ہے بھائی اب آپ خود ہی پوچھ لیں کیا پتا آپ کے پوچھنے پر یہ ہاں میں جواب دے ہی دے۔'' ماہا نے شرارتی انداز میں شاہ ذر سے کہا، جبکہ پری کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے ہی رہ گیا، اسے پتا ہی نہیں چلا کہ کب وہ آکر اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور وہ اتنی بے خبر رہی۔

''جتنی دیر میں آپ کو ہاں میں جواب ملتا ہے میں سب گھر والوں کو خوشخبری سنا آؤں۔'' پری نے ماہا کو گھور کر دیکھا مگر وہ ہنستی ہوئی باہر نکل گئی۔

''تو بتایئے ذرا جناب آپ کس کو ایرے غیرے کا لقب دے رہی تھیں؟'' وہ اس کے سامنے کھڑا اس سے استفسار کر رہا تھا تو دوسری طرف کاشف ماہا کو سیڑھیوں کے درمیان روکے ہوئے تھا۔

''خیریت جناب! آپ اتنی بے قابو ہو کر کہاں بھاگی بھاگی جا رہی ہیں؟'' وہ سینے پر دونوں بازو باندھے اس سے استفسار کر رہا تھا۔

''میں سب کو بتانے جا رہی ہوں کہ پری مان گئی ہے اب بھائی کی شادی ہو گی کتنا مزہ آئے گا نا۔'' خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔

''ویسے کتنی زیادتی کی بات ہے۔''

''کیوں زیادتی کس بات کی؟'' وہ حیران ہوئی۔

''رشتہ پہلے ہمارا ہوا شادی پہلے ان کی ہو رہی ہے بہت افسوس کی بات ہے۔'' وہ افسوس بھرے انداز میں بولا، ماہا نے گھور کر اسے دیکھا۔

''ویسے کیا خیال ہے ماہا، اپنی شادی کی بات بھی نہ کی جائے۔'' اس نے نیا شوشا چھوڑا۔

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے نا کاشف۔''

''کیوں یار میرا دل نہیں کر سکتا دیکھو نا ہماری شادی بھی تو ہونی چاہیے نا۔'' وہ معصومیت سے بولا، مگر آنکھیں شرارت سے ماہا کو دیکھے جا رہی تھیں، ماہا نے سر کو جھکا لیا۔

''ماہا!'' اس کی آواز کی گمبھیرتا نے ماہا کی دھڑکن کو تیز کر دیا، یہ ان دونوں کی رشتہ ہونے کے بعد تنہائی میں پہلی ملاقات تھی، وہ ابھی مزید اس سے کچھ کہتا، مگر برا ہو زین کا جسے اسی وقت وہاں آنا تھا۔

''ماہا میرا بھی ایک پیغام پہنچا دو گی؟'' وہ انتہائی معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔

''کیا؟''

''دیکھو نا ماہا میرا رشتہ تم سب سے پہلے ہوا، اصولاً تو میری شادی تم سب سے پہلے ہونی چاہیے نا۔'' کیا معصومیت تھی کاشف نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم اپنی یہ درخواست خود پیش کیوں نہیں کر دیتے۔'' وہ جلد سے جلد سب کو خوشی کی خبر دینا چاہتی تھی مگر یہ دونوں دیوار چین بنے کھڑے تھے۔

''کیوں تم اس کی عرضی پیش کر سکتی ہو میری نہیں یہ تمہارا زیادہ سگا ہے کیا مجھے تم سے اس بے مروتی کی امید قطعاً نہیں تھی۔'' زین دلگرفتگی سے بولا مگر آنکھوں میں مسلسل شرارت ناچ رہی تھی۔

''اے تو تو بھاڑ میں جا۔'' کاشف وہیں سیڑھی پر بیٹھ گیا، زین کو فضول ہانکنے سے اب بھلا کون روک سکتا تھا۔

''تم خود ہی بول دو جا کر میری جان چھوڑو۔'' ماہا نے ہاتھ جوڑے اس کے سامنے اور

سیڑھیوں سے نیچے اتر گئی۔
''اور ہاں اب تم دونوں میں سے کسی نے مجھ سے کوئی فضول بات کی نا تو دادا ابا کے پاس لے جاؤں گی، آئے بڑے شادیاں کرنے والے۔'' وہ وہاں سے نکلتی چلی گئی، زین کاشف کے پاس ہی سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔
''دیکھو نا یار کتنی بے مروت ہے یہ لڑکی۔''
وہ بے انتہا دکھی تھا، کاشف نے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔
''یار ناراض کیوں ہوتا ہے تو برا ہی مان جاتا ہے۔'' وہ اسے مزید چڑا رہا تھا، اس نے کاشف کے کاندھے کے گرد بازو پھیلایا جسے اس نے ایک جھٹکے سے پیچھے کیا اور اٹھ کھڑا ہوا اور غصے سے اسے گھور کر باہر چلا گیا۔

☆☆☆

''آپ سے مطلب۔'' وہ ناک چڑھا کر بولی۔
''میرے سوا کسی اور کو مطلب ہو بھی نہیں سکتا۔'' اس نے اس کا بایاں ہاتھ پکڑ کر تیسری انگلی میں انگوٹھی پہنا دی۔
جبکہ پری اس کی اتنی جرأت پر منہ کھولے اسے دیکھے جا رہی تھی۔
''اب منگنی تو ہماری ہو گی نہیں ڈائریکٹ شادی ہو گی تو یہ چھوٹی سی رسم ہو خود بھی تو کر ہی سکتے ہیں نا۔''
''ویسے پری میں کیا بہت ہینڈسم لگ رہا ہوں؟'' اس نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر شرارت سے پوچھا، پری نے بے ساختہ اپنی نظروں کا زاویہ بدلا۔
''بہت خوش فہم ہو تم۔''
''کیا کروں تم جتلا جو کر رہی ہو۔'' وہ بہت گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا اور پری خود میں سمٹتی جا رہی تھی۔
''مجھ سے ناراض تو نہیں؟''
''بڑی جلدی نہیں خیال آ گیا۔'' اس کی بے ساختگی پر شاہ ذر کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔
''مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اتنی بے تابی سے میرا انتظار کر رہی ہو ورنہ میں سب سے پہلے تمہارے پاس ہی آتا۔'' وہ شریر ہوا۔

تیری آنکھوں میں اپنا عکس چھوڑنا تھا مجھے
صحرا کی مانند نہیں کرنا تھا تجھے
جس سفر کی کوئی تھکان نہ ہو
اس راستے کا ہم سفر کرنا تھا تجھے......!!

وہ دھیرے سے اس کے کان میں سرگوشی کی مانند گنگنایا، ایک خوبصورت سی مسکراہٹ نے اس کے ہونٹوں کو چھوا، وہ مبہوت سا اسے دیکھ رہا تھا۔
''اس طرح سے مسکراتی رہنا، مسکراہٹ تمہارے ہونٹوں پر بہت خوبصورت لگتی ہے۔''
''تم اس مسکراہٹ کو اسی طرح قائم رکھنا، یہ مسکراہٹ تمہارے ہی دم سے ہے۔'' کس خوبصورت اظہار سے اس نے نوازا تھا، وہ بے ساختہ مسکرایا تھا، چاند نے دھیرے سے ان دونوں کی خوشیوں کی دعا مانگی اور ستاروں نے بے ساختہ آمین کہا تھا۔

☆☆☆

الم فرضہ

عمارہ امداد

وہ حاشر کو سلا رہی تھی جب اس کے موبائل کی میسج ٹون بج اٹھی، اس نے موبائل آن کر کے دیکھا تو فہد کا میسج آیا ہوا تھا۔

''آمنہ آنٹی دو بجے تک ہمارے گھر آئیں گی۔''

میسج پڑھتے ہی وہ خوش ہو گئی، سامنے وال کلاک کی طرف دیکھا۔

دو بجنے میں پچیس منٹ باقی تھے پھر حاشر کی طرف دیکھا وہ سو چکا تھا، وہ جلدی سے اٹھی اور کمرے پر ایک تنقیدی نظر دوڑائی، حاشر نے ٹھیک ٹھاک گند مچا رکھا تھا، ڈرائنگ روم اور باقی گھر تو صاف ہی تھا چنانچہ وہ جلدی سے بنا شور کیے چیزیں سمیٹنے لگی اور ساتھ ساتھ ذہن میں سوچ رہی تھی کہ گھر میں کیا کیا پڑا ہے۔

''آنٹی پہلی دفعہ آ رہی ہیں چائے کے ساتھ اہتمام ہونا چاہیے خود آنٹی اتنی مہمان نواز ہیں۔'' یہ سوچتے سوچتے وہ کچن میں آ گئی فریزر کھول کر دیکھا، ابھی کل ہی تو وہ بازار سے سموسے، نگٹس، سیخ کباب لائی تھی اور دو دن پہلے ہی چکن رول بھی بنا کر رکھے تھے، فریج میں دیگچی، ٹیبل پیپرز بھی پڑے تھے بسکٹ بھی گھر میں پڑے تھے اور آج صبح کیک بھی تو بیک کیا تھا، وہ ''آنٹی آنے والی ہی ہوں گی، چیزیں ابھی فرائی کر لیتی ہوں پھر ان کے پاس بیٹھنا بھی تو ہو گا، چائے ان کے آنے پر بنا لوں گی۔'' یہ سوچ کر وہ رول، کباب وغیرہ فرائی کرنے لگی۔

دو مہینہ پہلے ہی فہد کی اس کے دفتر کی طرف سے لاہور برانچ میں ٹرانسفر ہوئی تھی مجبوراً اسے

بھی ملتان سے لاہور اس کے ساتھ آنا پڑا، اس کے سسرال میں جوائنٹ فیملی سسٹم تھا اور بھرے پرے گھر میں اس کا خوب دل لگا ہوا تھا، یہاں شروع میں تو اس کا بالکل دل نہیں لگ رہا تھا، اس لئے فہد دو، تین دفعہ اسے اپنے کولیگ طارق کے گھر لے گیا تھا، آمنہ آنٹی طارق کی امی تھیں، لاہور آکر فہد کی طارق سے جان پہچان ہوئی تو پتہ چلا کہ جس کالونی میں انہوں نے کرائے پر گھر لیا تھا، طارق کا گھر بھی اسی کالونی میں اور ان کے نزدیک ہی تھا، سادہ دل اور بے پناہ پیار اور اخلاق سے ملنے والی آمنہ آنٹی اسے بہت اچھی لگی تھیں، اس لئے وہ ان کی آمد کا سن کر ہی خوش ہو گئی تھی۔

ابھی اس نے چیزیں فرائی کر کے رکھی ہی تھیں کہ اطلاعی گھنٹی بج اٹھی۔

وہ رومال سے ہاتھ صاف کرتی جلدی سے دروازہ کھولنے چل دی، آمنہ سے مل کر ان کو وہ ڈرائننگ روم میں لے آئی۔

''آپ اکیلی آئی ہیں آنٹی؟'' ان کو صوفے پر بیٹھنے کا کہہ کر ان سے باتیں کرتی وہ بھی ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

''ہاں بیٹا! پاس ہی تو ہے گھر، واک کرتی آ گئی، طارق نے مجھے ایک دو دفعہ یہاں سے گزرتے تمہارا گھر دکھایا تھا۔''

''اور پھر بھی آپ میرے اتنی دفعہ کہنے کے باوجود اب پہلی دفعہ آئی ہیں۔'' اس نے شکوہ کیا۔

بعض لوگ اپنی خوش اخلاقی کی وجہ سے دو تین ملاقاتوں میں ہی دوسروں کے بہ قریب آ جاتے ہیں، آمنہ بھی ایسی ہی شخصیت کی مالک تھیں اس لئے وہ بہت جلد ان سے بے تکلف ہو گئی تھی۔

''بس کیا بتاؤں؟ طبیعت ہی ٹھیک نہیں رہتی، گھٹنوں میں درد رہتا ہے اور اکثر بی پی شوٹ کر جاتا ہے، روز تمہاری طرف آنے کا ارادہ کرتی تھی لیکن کوئی نہ کوئی معروفیت نکل آتی کہ آنا التوا میں پڑ جاتا لیکن آج ہی میں نے پکا ارادہ کر لیا کہ تمہاری طرف ہو ہی آؤں اس لئے طارق کو کہا تھا کہ فہد کو بتا دے کیونکہ آگے رمضان شروع ہو جائے گا تو پھر نکلا نہیں جانا تھا۔'' وہ چہرے پر نرم مسکراہٹ سجائے پیار بھرے لہجے میں بولیں۔

''جی یہ تو ہے، رمضان میں معروفیت بڑھ جاتی ہے۔'' اس نے ان کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

''حاشر کدھر ہے؟ نظر نہیں آ رہا۔'' انہوں نے اِدھر اُدھر نظر دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

''وہ سو رہا ہے آنٹی۔''

''اچھا! اسی لئے میں کہوں اتنی خاموشی کیوں ہے؟''

''جی بالکل، اس کی وجہ سے گھر میں رونق رہتی ہے ورنہ تو میں بہت اداس ہو جاتی ہوں۔'' وہ بولی تو اس کے لہجے میں بیٹے کے لئے پیار چھلک رہا تھا۔

''اچھا آپ ذرا بیٹھیں، میں ابھی چائے رکھ کر آتی ہوں۔'' وہ کچن میں جانے کے لئے اٹھنے لگی۔

''ارے بیٹھو بیٹا! چائے پینا ضروری تو نہیں، کن تکلفات میں پڑ رہی ہو۔''

''نہیں، نہیں آنٹی، چائے تو میں آپ کو ضرور پلاؤں گی، بس ابھی دو منٹ میں چائے بن جائے گی، میں ابھی آئی۔'' وہ تیز تیز بولتی جلدی سے اٹھ کر کچن کی طرف بڑھی مبادا آنٹی پھر نہ اسے روک لیں، اس کی اس حرکت پر آمنہ مسکرا دیں۔

چائے چولہے پر رکھ کر وہ ٹی ٹرالی گھسیٹتی

ڈرائنگ روم میں لے آئی۔

''آپ یہ چیزیں لیں اتنے میں چائے بن جائے گی۔'' اس نے تمام لوازمات ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''تم نے اتنا اہتمام کر لیا، مجھے تو بلڈ پریشر اور کولیسٹرول کا مسئلہ رہتا ہے، بازاری اور زیادہ چکنائی والی چیزیں تو میں کھاتی ہی نہیں۔''

''اچھا چلیں آپ کچھ تو لیں نا، یہ رول لیں، یہ بازاری نہیں ہیں، میں نے خود گھر بنائے ہیں اور تل کر ٹشو پیپر پر رکھ دیئے تھے تاکہ ان کا آئل جذب ہو جائے، زیادہ آئلی بھی نہیں ہیں۔'' اس نے رول ان کے آگے رکھے۔

''اچھا، میری بیٹی نے خود بنائے ہیں پھر تو میں ضرور چکھوں گی۔'' وہ رول اپنی پلیٹ میں رکھتے ہوئے بولیں۔

''آپ اور بھی چیزیں لیں نا، آج پرہیز نہ کریں اور یہ کیک بھی لیں میں نے خود بیک کیا ہے۔'' اس نے کیک بھی ان کے سامنے رکھا، انہیں تاکید کرتی وہ کچن میں چائے لینے چل دی۔

''بھئی حوریہ تمہارے رول اور کیک دونوں بہت مزے کے ہیں۔'' وہ چائے لے کر آئی تو آمنہ بولیں۔

''بہت شکریہ آنٹی۔'' اپنی تعریف پر وہ خوش ہو گئی، پھر وہ دونوں چائے پینے کے ساتھ ساتھ باتیں کرنے لگیں۔

''رول میں چکن کے ساتھ آلو بھی ڈالے ہیں نا۔'' انہوں نے تائیدی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''جی، دونوں مکس کر کے ڈالے ہیں، حاشر بھی شوق سے کھاتا ہے اور مجھے خود بھی چکن رول بہت پسند ہیں، اس لئے اکٹھے ہی ڈھیر سارے بنا لئے۔''

''ماشاء اللہ یہ تو بہت اچھی بات ہے، رمضان شروع ہونے میں تین دن ہی تو رہ گئے ہیں، تم نے اس نیت سے بنا لئے ہوں گے کہ روزوں میں آسانی رہے گی، روزے بھی تو گرمی کے ہیں روزہ رکھ کر تو کوئی کام ہی نہیں ہوتا، پہلے سے ہی رمضان کی تیاری کر لو تو پھر عبادت کرنے میں کافی وقت مل جاتا ہے اور بھی چھوٹی موٹی چیزیں پہلے ہی بنا کر رکھ لینا پھر آسانی رہتی ہے، ویسے بھی تم اکیلی ہوتی ہو افطاری میں سارا کام اکیلے ہی کرنا پڑے گا۔''

جواباً حوریہ تو یکدم جیسے خاموش سی ہو گئی تھی اور دل ہی دل میں شرمندہ بھی کیونکہ اس نے رول تو اس نیت سے بنائے ہی نہیں تھے اور نہ ہی اس نے کبھی ایسا سوچا تھا کہ وہ اگر پہلے ہی چیزیں بنا کر رکھ لے یا اپنے کام نپٹا لے تو رمضان میں آرام سے عبادت کر سکے گی۔

''دہی بڑے تو بنا کر نہیں رکھے نا تم نے۔'' ان کے پوچھنے پر وہ جیسے چونک سی گئی۔

''نہیں، وہ تو نہیں بنائے۔''

''چلو پھر بنانا بھی نہ، کیونکہ میں کل ماش کی دال کے بڑے بناؤں گی تو وہ تمہیں بھیج دوں گی، دو تو لوگ ہو تم، ان میں کہاں الجھتی پھرو گی۔''

''جی آنٹی شکریہ۔''

''آپ تو روزے نہیں رکھتی ہوں گی نا آنٹی، آپ کی تو طبیعت اتنی ٹھیک بھی نہیں رہتی۔'' اس کے استفسار کرنے پر وہ بے ساختہ بولیں۔

''نہ بھئی، میں روزہ نہیں چھوڑتی، روزے چھوڑنا کوئی معمولی بات تو نہیں ہے نا، سال میں صرف ایک مہینہ تو ہے جس کے بدلے میں بھی پروردگار نے ہمارے لئے بے شمار انعامات رکھ دیئے ہیں، اس لئے اس ایک مہینے کو ضائع نہیں

کرنا چاہیے، اتنی تندرست تو میں ہوں نا کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ آ جا سکتی ہوں ابھی تمہارے گھر میں پیدل آئی ہوں بے شک بہت آرام سے اور آہستہ آہستہ چل کر آئی ہوں لیکن چلنے کی سکت تو ہے نا اور پھر خدانخواستہ مجھے کوئی اتنی بڑی بیماری بھی نہیں کہ روزہ چھوڑنا مجبوری ہو تو پھر مجھ پر روزے تو فرض ہوئے نا۔''

''جی آنٹی! آپ بالکل صحیح کہہ رہی ہیں۔''

وہ ان کی باتوں سے بے حد متاثر ہو رہی تھی، وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولیں۔

''اب دیکھو تم نے میرے سامنے کتنی چیزیں رکھیں لیکن میں نے کسی بھی بازاری چیز کو ہاتھ تک نہیں لگایا، حالانکہ یہ چیزیں مجھے پسند ہیں لیکن میں نے اس لئے ان کو نہیں کھایا کہ میں بیمار نہ ہو جاؤں تو جب میں بیمار ہونے کے ڈر سے اپنی پسندیدہ چیزوں کو چھوڑ سکتی ہوں تو محض تیس دن اس پروردگار کے ڈر سے چند گھنٹوں کے لئے کھانے پینے سے ہاتھ نہیں روک سکتی۔'' آمنہ کی باتیں اس کے دل میں اترتی جا رہی تھیں، ایک بار پھر خفت کے احساس نے اس کا گھیراؤ کیا تھا، بعض اوقات ہوتا ہے کہ کسی کا کہا ایک لفظ اور ایک جملہ ہی آپ کی اصلاح کر جاتا ہے تو ایسا ہی حوریہ کے ساتھ ہوا تھا۔

انہوں نے تو نادانستہ عام لہجے میں عام بات کہی تھی لیکن وہ اس کے دل پر نقش کر گئی تھی یا شاید جو لوگ عملی طور پر مضبوط ہوتے ہیں ان کی کہی باتیں یونہی دلوں پر نقش ہو جاتی ہیں، وہ وہاں بیٹھے بیٹھے ہی جیسے اپنا احتساب کرنے لگی تھی۔

اس کی شادی کو چار سال ہو گئے تھے لیکن پہلے سال وہ پریگنینسی کی وجہ سے روزے نہیں رکھ سکی تھی اور پھر دو سال حاشر کو فیڈ کروانے کی وجہ سے کچھ روزے رکھے کچھ چھوڑ دیئے لیکن اس سال ایسا کوئی مسئلہ نہ تھا تو کیا وہ اس بار سنجیدہ تھی، نہیں بلکہ اس کی تو یہ سوچ کر جان پر بنی ہوئی تھی کہ اتنی گرمی میں وہ چھوٹے سے بچے کے ساتھ پابندی سے روزے رکھ پائے گی، یا نہیں اور وہ اور فہد گھر میں دو افراد ہی تو روزہ رکھنے والے ہیں تو شاید ہی روزے رکھے جائیں اور شادی سے پہلے بھی وہ کب اتنی پابندی سے روزے رکھتی تھی ذرا سی طبیعت خراب ہوتی اور وہ روزہ چھوڑ دیتی تھی اور بعد میں کبھی روزے کی قضائی دینے کا بھی سوچا تک نہ تھا، سوچوں کے تانے بانے میں الجھتے الجھتے اب اس کی نظروں کے سامنے اپنے مہینہ بھر پہلے کے روز و شب چلنے لگے، آج کل اس نے ڈائٹنگ شروع کی ہوئی تھی، وہ فہد کے لئے کتنا کچھ بناتی تھی لیکن خود چکھتی بھی نہیں تھی کہ اس کا ڈائیٹ چارٹ خراب نہ ہو جائے تو واقعی جسم کی خوبصورتی کے لئے وہ خود پر کنٹرول کر سکتی تھی تو روح کی خوبصورتی کے لئے کیوں نہیں؟ یہ سوچ اس کے سامنے سوالیہ نشان بن رہی تھی۔

''کیا ہوا حوریہ؟ کیا سوچ رہی ہو؟'' آمنہ نے اسے کسی سوچ میں گم دیکھا تو پکارا، اس کے بلانے پر جیسے اس کے خیالات کا تسلسل ٹوٹا۔

''میں سوچ رہی تھی کہ میں نے تو اس ڈھب سے اتنی گہرائی سے کبھی سوچا ہی نہیں۔''

''کیا مطلب؟'' آمنہ نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''سادہ سی بات یہ ہے آنٹی کہ میں اتنی پابندی سے روزے نہیں رکھتی، اکثر مجھ سے کوتاہی ہو جاتی ہے۔'' اس نے کسی چھوٹے بچے کی طرح شرمندہ شرمندہ لہجے میں اقرار کیا تو آمنہ کو وہ بہت معصوم لگی۔

پل بھر میں ہی وہ اس کی کیفیت بھانپ گئیں۔

''تو کیا ہوا؟ کوئی بات نہیں، اب کوتاہی نہ کرنا، اس رب کی ذات تو بے پناہ رحمتوں کا خزینہ ہے، وہ تو رحمٰن ہے، اپنے بندے کی خطاؤں کو اپنی رحمت کی وسعت سے معاف کرنے والا۔'' انہوں نے حلاوت آمیز لہجے میں اس کی تشفی کی۔

''اور ایک بات اور کہوں، برا تو نہیں مناؤ گی کہ آنٹی تو نصیحتوں کی پٹاری کھول کر بیٹھ گئیں۔'' وہ مسکان بھرے لہجے میں گویا ہوئیں۔

''نہیں، نہیں آنٹی آپ کہیں مجھے آپ کی باتیں بہت اچھی لگ رہی ہیں۔'' اس نے صدق دل سے کہا۔

''اگر پہلے تم سے نماز اور روزے میں کوتاہی ہو بھی جاتی ہو تو کوشش کرنا کہ اب ایسا نہ کرو کیونکہ اب تم ماں کے عہدے پر فائز ہو، بچوں کی تربیت ماں اور باپ دونوں کی اہم ذمہ داری ہے لیکن ماں کی ذمہ داری دوہری ہو جاتی ہے کیونکہ بچہ زیادہ وقت باپ کی نسبت ماں کے ساتھ گزارتا ہے، بچے اپنی ماں کی گفتگو، اس کے طور طریقوں سے بہت متاثر ہوتے ہیں، اس لئے بچے جو کچھ ماں کو کرتے دیکھتے ہیں لاشعوری طور پر وہی کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مثلاً اگر ماں نماز پڑھ رہی ہو گی تو بچہ اگر ہر نماز پر نہیں تو اکثر اوقات ضرور ماں کے ساتھ نماز پڑھنے کی کوشش کرتا ہے، بچے گھر کے ماحول سے بہت کچھ سیکھتے ہیں، اگر گھر کے بڑے نماز روزے کی پابندی کریں تو بچوں میں بھی شوق پیدا ہوتا ہے، میں نے آج کل اکثر ماؤں کو دیکھا ہے جو یہ کہہ کر بچوں کو روزے چھڑوا دیتی ہیں کہ گرمی کے روزے ہیں، بچے کیسے رکھیں؟ اتنی مشکل پڑھائی ہے، روزہ رکھ کر پڑھا ہی نہیں جاتا وغیرہ لیکن یہ طرز عمل درست نہیں ہے، بچوں کو صوم و صلوٰۃ کی پابندی کی عادت ڈالنا ماں کا اہم فریضہ ہے، جس کی عادت ماں کو بچوں کو ابتداء سے ہی ڈالنی چاہیے تاکہ عمر کی منازل طے کرتے کرتے یہ عادت ان میں پختہ ہو جائے، ماں کا یہ فرض ہے اور اپنا فرض پوری اتمانداری سے ادا کرنا چاہیے، باقی اپنا فرض نبھانے کے ساتھ انسان دعا ہی کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر کسی کی اولاد کو اپنے حفظ و امان میں رکھے کہ وہ سیدھے راستے کی طرف گامزن رہیں۔'' اپنی بات کے اختتام پر انہوں نے حوریہ کی طرف دیکھا تو انہیں بے پایاں خوشی کا احساس ہوا کیونکہ اس کی آنکھیں پرعزم تھیں اور چہرہ اک نئے احساس سے چمک رہا تھا، اب مزید کچھ کہنے کی گنجائش باقی نہیں تھی۔

''اچھا اب میں اجازت چاہوں گی بہت دیر ہوگئی۔'' وہ جانے کا قصد کرنے لگیں۔

''اور ہاں بیٹا! اب میرا تو رمضان میں چکر لگنا مشکل ہے، اگر تمہیں وقت ملے تو آنا ورنہ عید والے دن تم نے ضرور آنا ہے اور تمہارا کھانا ہماری طرف ہو گا میں تمہیں ابھی دعوت دے رہی ہوں۔'' جاتے جاتے انہوں نے اپنے مخصوص خالص لہجے میں اسے پیشگی دعوت دی۔

''جی آنٹی! میں ضرور آؤں گی۔'' وہ بھی دروازہ بند کرتے ہوئے محبت سے بولی۔

حوریہ کو ان کے آنے کی جتنی خوشی ہو رہی تھی ان سے باتیں کر کے یہ خوشی دو چند ہو گئی تھی کیونکہ وہ اس کے سامنے آگہی کے کئی در روشن کر گئی تھیں۔

☆☆☆

چاند نگر کی شہزادی
سندس جبیں

''زہریلا کیل اس کے دل میں لگا تھا،
کہانی اپنے اختتام کی طرف بڑھ رہی تھی پھر چاند نگر کی شہزادی مرگئی اور کہانی ختم ہوگئی لیکن نہیں ختم کہاں ہوئی، کہانی تو شاید ابھی شروع ہوئی تھی۔''

''کیا؟'' وہ بے ساختہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''شہزادی مرگئی؟'' اس نے زرد چہرے کے ساتھ بے یقینی سے پوچھا تھا۔

''بھلا شہزادی کیسے مرسکتی ہے جبکہ وہاں کوئی دیو بھی نہیں تھا؟'' اس کی معصوم سوچ میں بس یہی آسکا۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ کچھ کہانیوں کا آغاز وہیں سے ہوتا ہے، جہاں کہانی بیان کرنے والا اپنی الفت میں اینڈ کررہا ہوتا ہے۔

☆☆☆

''تمام گواہوں کے بیانات اور شواہد کی بنا پر یہ پنچائیت فیصلہ کرنے کا اختیار حیدر چوہدری کو دیتی ہے، میں ایک رکن کی حیثیت سے ان سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنا فیصلہ سنائیں۔'' مجمع پر سناٹا طاری تھا، ہر شخص سانس روکے پہلی قطار میں تیسری کرسی پر بیٹھے ''حیدر چوہدری'' کے لبوں کی جنبش کا منتظر تھا، پنچائیت کا رکن اب پھر سے اپنی نشست پر جاچکا تھا، مگر ''حیدر چوہدری'' اسی طرح بیٹھا رہا، ہجوم میں دبی دبی سی بے چینی پھیلتی گئی، مگر اس سے پہلے کہ یہ بے چینی بڑھ کر سرگوشیوں کی شکل اختیار کرتی اس کی بارعب اور بھاری آواز گونجنے لگی۔

''میں حیدر چوہدری اس پنچائیت کے دیئے گئے اختیار کے مطابق اپنا فیصلہ سنا رہا ہوں۔'' اس کا لہجہ مستحکم تھا اور چہرہ پتھر۔

''میں اپنی بیوی دارین چوہدری کو خود پر حرام کرتا ہوں، آج کے بعد اس کی حیثیت ''شیش محل'' کے قیدی کی ہوگی، میں اسے عمر قید

مکمل ناول

کی سزا سناتا ہوں، آج کے بعد نہ یہ کسی انسان کو دیکھ پائے گی اور نہ ہی کھلے آسمان کو۔" اس کی بات ختم ہو چکی تھی مگر ہجوم ابھی تک سحر میں تھا، لمبی قطار میں موجود پنچائیت کے ارکان پنڈال میں اکٹھے خاندان کے افراد اور لکڑی کی آبنوسی میز کے قریب بڑی سی گرم شال میں لپٹی دارین چوہدری جو کہ زمین پر بیٹھی ہوئی تھی، اپنے شوہر کے منہ سے اس فیصلے کو سننے کے بعد اس نے ایک لمبی سی ہچکی لی اور اس کا سر زمین سے جا لگا۔

بالکل وہاں جہاں غرور سے اکڑی اس کے شوہر کی کھیڑی تھی، اس کھیڑی کی نوک دارین کے ماتھے پر چبھ رہی تھی، مگر وہ اسی طرح گری رہی، غالباً وہ بے ہوش ہو چکی تھی، ہجوم سے کچھ خواتین نکل کر آگے بڑھیں اور تیزی سے اسے ہلایا جلایا مگر اس کے ساکن وجود میں کوئی جنبش نہ تھی۔

بہت سے ہاتھوں نے اسے اٹھا لیا تھا اور پھر اسے "شیش محل" کے عقب میں بنے گھوڑوں کے اصطبل کے ساتھ چھوٹے کمرے میں ڈال دیا گیا تھا۔

زندگی کی کسی وحشت کے ستم کے ہاتھوں
مات کھائے ہوئے کمزوروں کو
موت میں راستہ ملتا ہے تو جیون کا خدا ہی حافظ
درد فاتح ہو تو پھر جی کے بھی کیا کرنا ہے
موت ہی رستی ہو جن زخموں سے
ان کو پھر سی کے بھی کیا کرنا ہے!!!

☆☆☆

چوہدری مہر داد نے ہلکا سا ہنکارا ابھرا اور اپنی ہمشیرہ عنایت بی بی کو دیکھا۔

"دیکھیں بی بی ہم سے جو ہو سکتا تھا ہم نے کیا، ہم یہ بات نہیں سننا چاہتے تھے کہ لوگ یہ کہیں کہ ہم نے اپنی بیوہ بہن کا خیال نہ رکھا یا پھر اسے حق سے محروم رکھا، آپ کا جائیداد میں حصہ میں پہلے ہی آپ کے نام کر چکا ہوں، اس لئے آپ عملی طور پر اپنے فیصلے کرنے میں آزاد ہیں، مگر اس کے باوجود آپ نے میری رائے کو اہمیت دی مجھے خوشی ہے، میں اپنے ذرائع سے تحقیق کروا لی ہے اور اسی بنا پر میں یہ کہتا ہوں کہ مجھے اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے، آپ اپنی سہیلی زبیدہ خانم کو ہاں کر دیجئے۔" انہوں نے نپے تلے لہجے میں کہہ کر بات سمیٹی تھی، عنایت بی بی کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

"میں آپ کی مشکور ہوں بھائی صاحب! آپ کی رضامندی میری دلی خواہش تھی۔" ان کی آواز خوشی سے لرزاں تھی، چوہدری مہر داد کے چہرے پر شفقت بھری مسکراہٹ آ گئی۔

"اب آپ اپنی سہیلی کو بلائیے اور کوئی مناسب سی تاریخ رکھ دیجئے، لمبی تیاریاں کرنی ہیں، آخر بیٹی رخصت کرنی ہے ہم نے۔" وہ فکر مندی سے گویا تھے، وہ سر ہلاتی ہوئی اٹھ گئیں، جلد ہی یہ خبر آگ کی مانند پھیل گئی، دارین کی شادی طے ہو رہی تھی۔

اور بڑے سے صحن کے پار جھولے پہ لہراتی دارین جس کی کھلکھلاہٹ سن کر حویلی کی اکثر بڑی بوڑھیاں دہل جایا کرتی تھیں اور جھٹ سے اسے ٹوکا کرتی تھیں، اب بھی اس کی عزیز ترین سکھی فیروزاں اس کے کمر تک آتے بالوں میں گلاب اور موتیے کی کلیاں سجا رہی تھی اور ہنستی ہوئی اسے تنگ کر رہی تھی۔

عنایت بی بی نے مسکراتے ہوئے یہ منظر دیکھا، ان کی بیٹی بہت حسین تھی اس کے اسی حسن سے خوفزدہ ہو کر انہوں نے اس کی شادی کا فیصلہ لینے میں اتنی جلدی کی تھی، ورنہ ابھی اس کی عمر ہی کیا تھی صرف سترہ سال، ایک سال پہلے اس نے دسویں پاس کی تھی، جس کے بعد کا ایک سال

انہوں نے اسے گھریلو امور میں اس طرح الجھایا تھا کہ وہ کبھی کبھار چیخ پڑتی تھی، وہ آزاد پنچھی تھی، پابندیاں اور قید اس کے لئے نہیں تھیں، اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیتوں میں پھرنا اور جھولے جھولنا اس کا من پسند مشغلہ تھا اور جب وہ ہر ایک کو تنگ کرتی اپنی مخصوص کھنکھناتی ہوئی ہنسی ہنستی تو گالوں میں پڑتے چاہ زنخداں اور عارضوں پر پھیلتی لالی اسے اور بھی دلکش بنا دیتی تھی، ایسے میں اس کی چمکتی کانچ سی کالی آنکھیں پانیوں سے بھر جاتیں، خاموش بیٹھنا تو اسے آتا ہی نہ تھا، ہر وقت کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی شرارت میں مصروف اس کی زندگی بڑی رواں دواں اور روشن روشن تھی، بے فکری، الہڑ اور چنچل سی دارین چوہدری، بلاشبہ اس حویلی کی بلبل تھی، کبھی کبھی وہ سوچتی اگر وہ ہنسنا چھوڑ دے تو شاید اس کی سانسیں ہی رک جائیں اور اگر وہ بولنا چھوڑ دے تو دوسروں کی، پھر خود ہی اپنی سوچ پر کھلکھلا اٹھتی۔

دوسرا اہم کام اس کی زندگی میں کھانا تھا، وہ کھانے کی بے تحاشا شوقین تھی، چٹ پٹے مزے دار کھانے کھاتی اور کبھی کبھار تو عنایت بی بی خود اس کی فکر کرنے لگ جاتیں کہ یہ بے دریغ کھانا پینا کہیں اس فربہی کی طرف نہ مائل کر دے، مگر حیران کن طور پر ایسا کچھ نہ تھا وہ اسی طرح دبلی پتلی سی تھی، چلتی پھرتی ایسی مورنی سی لگتی کہ وہ نظروں میں ہی بلائیں لیتی تھیں۔

اور اب اسے ہنستے دیکھ کر ان کی نم آنکھیں یہ سوچ رہی تھیں کہ ابھی تو انہوں نے اسے اپنے پاس بٹھا کر اسے یہ خبر بھی سنانی تھی کہ وہ اس کی شادی کر رہی تھیں، اسے ذہنی طور پر تیار کرنا تھا کیونکہ جسمانی طور پر وہ بھلے ہی سترہ سال کی تھی شادی کے حوالے سے اس کا تصور اور سوچ صرف اسی حد تک محدود تھی کہ شادی کا مطلب نت نئے زرق برق کپڑوں کا ملنا اور ڈھیروں رسموں کا پلندہ تھا جو کہ اسے ازحد پسند تھیں، اس کی اس بچکانہ سوچ اور غیر پختہ شعور کی وجہ سے ہی تو انہوں نے اس کے لئے اپنی عزیز ترین سہیلی زبیدہ خانم کے بیٹے کا انتخاب کیا تھا اور اپنے اس فیصلے پر دل سے مطمئن تھیں۔

''ایک باشعور اور پختہ سوچ کا حامل مرد عورت کو سنبھال لیتا ہے اور اس کی بے وقوفیوں کو بھی، خدا کرے دارین ہمیشہ خوش رہے۔'' وہ دعا گو تھیں۔

☆☆☆

''چاند نگر'' کے حسین سبزہ زار، سنہری پھولوں سے سجے سبز درخت گل لالہ، گل نرگس اور گل بنفشہ کے پھول چمن کی دھیمی سی مہک ماحول کو اپنے فسوں میں جکڑے ہوئے تھی۔

شہزادی اپنی خادماؤں اور کنیزوں کے جلو میں اس پر فضا مقام پر چہل قدمی کے لئے آئی ہوئی تھی، اس کا عالیشان لباس کئی کنیزوں نے اطراف سے سنبھالا ہوا تھا، اس کے حسین بال بڑے خوبصورت طریقے سے بنائے گئے تھے اور اطراف میں گرتی کچھ لٹیں اس کے گالوں کو چھوتی اسے مزید دلربا بنا رہی تھیں، اس کے ساتھ چلتی کنیز نے ایک گل رنگ طشتری تھام رکھی تھی جس میں قسم قسم کے پھل تھے اور وہ منتظر تھی کہ شہزادی کے حسین ہاتھ ان میں سے کسی پھل کو شرف قبولیت بخشیں مگر وہ اردگرد کے نظاروں میں گم تھی، جہاں افق پر ست رنگی دھنک پھیلی ہوئی تھی۔

☆☆☆

اس نے خود کو آئینے میں ہر ہر زاویے سے دیکھ لیا تھا مگر تسلی ہی نہیں ہو پا رہی تھی، وہ تھوڑی دیر خاموشی سے کھڑی رہی، پھر اس نے قدرے

پریشانی سے اپنے عکس کو گھورا۔

''لڑکیاں تو اپنی شادی پر اتنا شرماتی ہیں اور مجھے ذرا شرم نہیں آ رہی۔'' اس نے کوفت سے سوچا۔

پھر اس نے ذرا سی آنکھیں پٹپٹا کر شرمانے کی ناکام کوشش کی جو کہ واقعی ناکام ہی تھی، پھر اس نے ہاتھوں سے آدھا چہرہ ڈھانپ کر مسکراتے ہوئے خود کو دیکھا، پھر آنچل کا کونا دانتوں تلے داب کر دیکھا، مگر تسلی کسی سے نہ ہوئی، اس نے منہ بناتے ہوئے اپنی حسین بالوں کی چوٹی کو انگلیوں کی پوروں سے ذرا سا چھوا اور پھر بیڈ پہ بیٹھ گئی، آج صبح ہی تو اماں نے اسے پاس بلایا تھا اور کتنے پیار سے اسے سمجھایا تھا کہ اب اس کی شادی ہے، وہ اچھل کود بند کر دے، اسی وجہ سے تو حویلی میں دبی دبی سرگوشیاں اٹھ رہی تھیں، ممانیوں کو اعتراضات تھے کہ اتنی کم عمری میں اس کی شادی کا فیصلہ انتہائی غلط تھا، اس میں ذمہ داری اور سنجیدگی نام کو نہ تھی اور ان کے خیال میں جلد بازی میں کیا گیا فیصلہ کوئی اتنا بہتر نہ تھا، مگر عنایت بی بی کو اپنی بچپن کی سکھی زبیدہ خانم پر اندھا اعتماد تھا، وہ جانتی تھیں ان کا فیصلہ کسی صورت غلط نہیں تھا، وہ دلی طور پر ازحد مطمئن تھیں، چوہدری مہر داد کی اثباتی مہر کے بعد انہیں بھابیوں کی رائے کی اتنی خاص پرواہ نہ تھی، انہوں نے اپنے بھائی کو اپنے ہونے والے داماد کے کوائف بڑے فخر سے گنوائے تھے۔

''بھائی صاحب! ذات برادری کا مسئلہ نہیں، وہ بھی خالص چوہدری ہیں، اکلوتا بیٹا ہے زبیدہ کا، انتہائی لائق فائق اور پڑھا لکھا ہے، اونچا افسر ہے، راج کرے گی دارین، ہمیں اور کیا چاہیے؟'' وہ تصدیق چاہ رہی تھیں، انہوں نے سر ہلا کر تائید کی تھی۔

''میں مل چکا ہوں اس سے، بہت سلجھا ہوا سنجیدہ مزاج آدمی ہے، رشتوں کا مقام جانتا ہے، ہماری بچی اس سے عمر میں کافی چھوٹی ہے مگر اس سے فرق نہیں پڑتا، مجھے آپ سے اتفاق ہے بی بی کہ وہ پختہ شعور کا حامل مرد ہماری بیٹی کی نادانیوں کو سنبھال لے گا اور یہاں یہ بھی بتا دوں آپ کو، ہماری دارین اتنی بھی کم عقل اور بے وقوف نہیں، حالات کے مطابق ڈھل جانے کا بہت حوصلہ ہے اس میں۔'' وہ مطمئن سے انہیں یقین دلا رہے تھے۔

''سمجھوتہ اور برداشت تو لڑکیوں کو گھٹی میں پلایا جاتا ہے، اگر حالات مشکل ہوں تو ان کا مزاج ہر طرح کی لچک رکھتا ہے، دوسرے وہ لڑکیاں جن کے سر پہ باپ کا سایہ نہ ہو ان کے لئے شوہر کے گھر اکڑ دکھانے کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، میری دارین اس بات سے بخوبی آگاہ ہے اور مجھے یقین ہے اگر اسے مسائل درپیش ہوئے تو وہ بخوبی نپٹ لے گی۔'' وہ نم آنکھوں کے ساتھ مگر مستحکم لہجے میں بولی تھیں۔

☆☆☆

جمعرات کی شام اسے نسبتاً پرانے لباس میں مایوں میں بٹھا دیا گیا، ڈھولک رکھ دی گئی، ہر روز رات کو ساری لڑکیاں اکٹھی ہو کر نت نئے ماہیے اور ٹپے گاتیں جن میں شوخی اور ملن کی تڑپ کا بڑا چنچل اظہار ہوتا تھا، وہ گھونگھٹ میں ہنستی تھی، اسے زندگی کے اس نئے موڑ پر عجیب سی سنسنی اور جوش محسوس ہوتا تھا، فیروزاں اسے ہر بار اس کے ہونے والا شوہر کا نام لے کر چھیڑتی تو اس کے اندر ایک عجیب میٹھی سی لہر چلتی تھی، اس کی آنکھیں خوابوں سے جگمگا اٹھتیں اور اس کے رخسار قندھاری اناروں کی مانند سرخ پڑ جاتے اور اسے لگتا دنیا کا سب سے خوبصورت نام ''حیدر'' تھا۔

مردوں سے اس کا مکمل پردہ تھا، ابٹن اور تیل کی رسمیں بڑی مزے دار اور خوشگوار تھیں، اس کا مہندی کا جوڑا جس دن آیا ساری حویلی میں ہلچل مچ گئی، کیونکہ وہاں ایک مہندی کا ہی نہیں نکاح اور ولیمہ کا بھی جوڑا تھا، انتہائی خوبصورت جھلمل کرتے لباس، نکاح کا جوڑا سونے کے تاروں سے سجایا گیا تھا اور ولیمہ کا جوڑا اس سے بھی زیادہ قیمتی نگینوں سے سجا ہوا تھا ان کی دیدہ زیبی اور چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کرنے والی تھی۔

عنایت بی بی کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، اس کا سر اونچا کر دیا تھا ان کی سہیلی نے، اتنے مان، اتنی چاہت اور اتنے چاؤ سے شگن کا سامان بھیجا تھا کہ سب کو دارین کی خوش قسمتی پر رشک آ رہا تھا، مہندی کے روز پیلے ملبوس میں تیل لگے بالوں کے باوجود اس کی رنگت کی گلابیاں عروج پر تھیں۔

اس کے ہاتھوں میں روایتی انداز مہندی لگائی گئی، ہتھیلی کے وسط میں گول ٹکیہ اور انگلیوں کی پوریں مہندی کے سرخ رنگ سے سج گئیں، بال تیل سے بھرے پڑے تھے، اس کی گود میں ڈھیروں ڈھیر بد (بادام، کاجو، بتاشے، خشک کھجور اور ناریل) ڈالی گئی۔

اگلے روز نکاح تھا، جس کا انتظام حویلی کے بڑے سے صحن اور مردانے میں کیا گیا تھا۔

دولہا والوں کا استقبال بڑے جوش و خروش اور دلی خوشی و آمادگی سے سرخ گلابوں کی پتیاں برسا کر کیا گیا تھا، پھول نچھاور کرنے والی تمام بچیاں حیران تھیں، ایک نے جلدی جلدی اپنی پلیٹ خالی کی اور بھاگ کر اپنی بڑی بہن کو وہ حیران کن خبر سنائی۔

ساری بارات کے مرد پینٹ کوٹ میں ملبوس تھے، جبکہ ان ہاں دولہا بڑا روایتی لباس پہنا کرتا تھا، جو کہ شیروانی اور کلاہ پر مشتمل ہوتا تھا، فوراً ہی اسے ''ماڈرن دولہا'' کا نام دے کر فیروزاں نے ساری بات دارین کے کانوں میں ڈال دی۔

جواباً وہ سر نیچے کیے ہنسی چلی گئی، نکاح کی تقریب کے بعد طعام کا سلسلہ تھا جو کہ اچھا خاصا طویل اور دلچسپ رہا، سات قسم کے رنگ ہا رنگ کھانے بنائے گئے تھے، ہر دم چوکس اور چوکنے خدمت گاروں نے کہیں کوئی کمی نہ رہنے دی تھی، چونکہ دولہا دولہن کو ساتھ بٹھانے کا کوئی رواج نہ تھا اس لئے سیدھا رخصتی ہی کی گئی، جس میں دارین نے اپنا رو رو کر برا حال کر لیا تھا، یہاں تک اماں کو اسے جھڑک کر خود سے الگ کرنا پڑا تھا، بڑی سی چادر میں لپٹی وہ گاڑی میں آ بیٹھی، جو کہ جیپ ٹائپ پجارو تھی، اسے چونکہ گاڑیوں کے ماڈلز کا پتہ نہ تھا تبھی وہ اندازہ ہی لگا پائی تھی، اس کے بعد گاڑی چل پڑی اور پتہ نہیں کتنے گھنٹے چلتی رہی، وہ اسی طرح بیٹھی رہی، سر نیچے کیے، کانپتی ٹانگوں اور نمی سے بھرے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ۔

اور پھر قافلہ رک گیا، اسے ''شیش محل'' لے جایا گیا، جو کہ واقعی ہی میں دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا، قد آدم دروازے لمبی دیواریں، اونچی چھتیں اور چمکتے فانوس، ریشمی پردے، اور دبیز قالینوں سے ڈھکے فرش جن میں پیر دھنس دھنس جاتے تھے، اسے جب ان ساری رسموں سے (جن سے کبھی اسے بڑا پیار تھا) گزرنا پڑا تو کوفت سے اس کا برا حال ہو گیا۔

مگر شاید اس کے سسرال والوں کو بھی اس کی تھکن کا اندازہ تھا، اس لئے زیادہ وقت صرف کیے بغیر اسے اس کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔

☆☆☆

قرمزی اور گلابی پھولوں کی حسین روش کے کنارے پر چلتی شہزادی کا عالیشان لبادہ ایک جھاڑی کے کانٹے سے الجھ کر پھٹ گیا، اس کی حسین آنکھیں احساس توہین اور شرمندگی سے پانیوں سے بھر گئیں۔

شہزادی کی آنکھوں میں آنسو! کنیزیں گھبرا کر بادشاہ کو خبر کرنے دوڑ پڑیں، اپنے لباس کو سمیٹتے ہوئے جب شہزادی نے اردگرد دیکھا تو خود کو تنہا پایا، اس کے چہرے پر پریشانی دوڑ گئی، اس نے بمشکل اپنے تر ہوتے چہرے اور خشک گلے کے ساتھ پکارا تھا، کسی بھی مددگار کو، مگر وہاں کوئی آواز نہ تھی۔

دارین تنہا ہے

دارین خوفزدہ ہے

اسے ڈر لگ رہا ہے

مجھے اس کی کانپتی ٹانگیں اور لرزتے ہاتھ نظر آ رہے ہیں، مگر آہ، وہ دیکھو، دیکھو اسے سردی لگ رہی ہے اس کے کپکپاتے اور نیلے پڑتے ہونٹ مجھے نظر آ رہے ہیں، ہاں مجھے سب نظر آ رہا ہے اور اب وہ آ گیا ہے، دارین تنہا ہے اور میں بے بس۔

☆☆☆

پھولوں سے مہکتا اس کا وسیع و عریض کمرہ کسی طرح بھی کسی بادشاہ کے حرم سرا سے کم نہ تھا، وہی قالینوں سے ڈھکے فرش، قیمتی فانوس، جہازی سائز انتہائی خوبصورت اور پیچیدہ سا ڈیزائن لئے ہوئے سیاہ رنگ کا بیڈ جس پر میرون رنگ کی چادر بچھی تھی، کھڑکیوں کے آگے سیاہ اور میرون امتزاج کے بھاری پردے تھے، جس کی وجہ سے بادی النظر میں کمرے کا تاثر انتہائی شاہانہ تھا، البتہ گہرے رنگوں کے باہمی اشتراک سے ماحول میں ایک عجیب سا بوجھل پن محسوس ہو رہا تھا، رات گہری ہونے کو تھی جب دروازے سے وہ اندر آ گئے۔

دارین کی نظریں بڑی دیر کی دروازے پہ لگی تھیں، جبھی اس نے فوراً نظر دواڑ کر دیکھا سر البتہ اس کے نیچے ہی تھا، وہ اس وقت بڑے روایتی انداز میں بیٹھی تھی، مہندی، زیورات اور انگوٹھیوں سے آراستہ ہاتھوں کو گود میں دھرے اس کے چہرے پر ایک خوشنما گھونگھٹ تھا، اس کی نظریں اپنے شوہر کے قدموں کی طرف تھیں جو کہ اس کی طرف پیش قدمی کرنے کی بجائے کسی اور طرف مڑ گئے، اس کے اندر عجیب سی بے چینی در آئی، کچھ دیر بعد اس نے ایک نرم، ہموار اور متوازن آواز سنی۔

''دارین! اس طرف لباس تبدیل کرنے کا کمرہ ہے اور اس کے ساتھ ہی واش روم ہے جاؤ ذرا ہلکا پھلکا ہو کر آؤ۔'' اسے سمجھ نہیں آئی اس آواز میں تحکم زیادہ تھا یا غرور؟ مگر وہ خود کو سمیٹ کر اٹھ گئی۔

وہ بے چارہ سا گھونگھٹ اب بھی اس کے ماتھے اور آنکھوں کو ڈھانپے ہوئے تھا، اس کو آسانی سے اپنا مطلوبہ لباس مل گیا، آئینے کے آگے کھڑے ہو کر اس نے اپنا سنگھار صاف کیا سب زیورات اور گہنے اتارے اور نہانے کے بعد بالوں کو تولیے سے خشک کر کے پشت پر ڈال دیا، دوبارہ اپنا چہرہ آئینے میں دیکھتے ہوئے اسے خاصا اچھا لگا، صاف شفاف اور دھلا ہوا چہرہ اس کا اپنا چہرہ، اس نے اپنے آنچل کو سر پر ڈالا، فضا میں خنکی تھی، یہ اوائل نومبر کے دن تھے، وہ واپس اپنے کمرے میں چلی آئی، دروازہ کھولتے ہوئے اس کی نظریں جھکی تھیں، دوسری طرف فوراً اس کی موجودگی کو نوٹس کیا گیا تھا۔

"یہاں آؤ۔" انہوں نے کہا، وہ اسی طرح جھکی نظروں سے بیڈ کے پاس چلی آئی۔

"بیٹھ جاؤ۔" اگلا حکم ہوا اس نے عمل کیا۔

بڑی آہستگی سے انہوں نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر اس کا چہرہ اونچا کیا، اس کی نظریں اٹھیں اور ان کی نظروں سے مل گئیں اور پھر جم گئیں، اٹک گئیں، الجھ گئیں، واپس نہ آ سکیں، وہ انسان نہیں تھا، وہ آدم زاد تو کسی صورت نہ ہو سکتا تھا، وہ تو چاند نگر کا شہزادہ تھا۔

نرم اور سنہرے بالوں، چمکدار سنہری آنکھیں اور گلابی لبوں کے ساتھ اس کی رنگت دودھ اور گلابوں کو ملا کر بنائی گئی تھی شاید، دارین کی سانس کہیں اندر ہی رک گئی تھی، کیسا شاندار سا انسان تھا وہ، وہ اس کی محویت دیکھ کر ذرا سا مسکرایا تھا، دارین کا طلسم ٹوٹا تھا اس کی نظریں جھک گئیں۔

"کیسی ہو؟" اس بار لہجے میں ایک خاص نرمی تھی، اس کے ہاتھ دارین کے گال سہلا رہے تھے جو کہ سرخ ہو رہے تھے جیسے ان کے نیچے موم شمعیں جل رہی ہوں۔

"میں ٹھیک......" وہ آہستہ آواز میں بولی تھی۔

"ہنس کر دکھاؤ ناں۔" بڑا عجیب حکم تھا یا شاید فرمائش، اس نے بے ساختہ سر اٹھا کر انہیں دیکھا، وہ بھی اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"مسکراؤ ناں۔" انہوں نے اصرار کیا، وہ بے ساختہ مسکرائی تھی، بہت ہلکا سا، یوں کے اس کے ہموار چمکتے دانت بہت کھل اٹھے اور اس کے گالوں میں پڑنے والے چاہ زنخداں حیدر کو سحر زدہ کر گئے، ان کی نظریں اس کے گالوں میں پڑتے ان گڑھوں پر جمی رہ گئیں، انہوں نے بے اختیار اس کے گال کے گڑھے کو چھوا۔

"لاجواب۔" توصیفی انداز، دارین کپکپا گئی۔

یہ اتنا اندھیرا کیوں ہے؟

روشنی کیوں کھو گئی ہے؟

روشنی کرو، تاریکی سے دل ڈرتا ہے!

دارین کو اس کے حصے کا اجالا چاہیے!

نہیں......نہیں یہ مت کرو، دیکھو اسے درد مت دو!

وہ رو رہی ہے......دارین......!

☆☆☆

منظر بدل رہا تھا، وہ ارد گرد دیکھتی حیران سی تھی، یکلخت قرمزی اور بنفشی پھولوں کا رنگ سیاہ پڑتا گیا، ان کی شاخیں مرجھا کر جھک گئیں۔

شہزادی نے خوفزدہ ہوتے ہوئے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا جہاں پھیلی ست رنگی دھنک اب غائب ہوتی جا رہی تھی اور اس کی جگہ اب سیاہ بادل وہاں گھیرا ڈال رہے تھے، یہ کیا ہو رہا تھا؟ اس کے گرد پھیلی خوشی و خوشنمائی اس سے دور ہو چکی تھی، اس کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا، اس کے چہرے پر عجیب سا ڈر چھانے لگا۔

☆☆☆

اگلی صبح روایتی طور پر اس کے گھر سے ناشتہ آیا تھا، جس میں کئی قسم کے مرغن اور روایتی کھانے تھے، دارین کو خوبصورت لباس میں ملبوس کیا گیا، اس کے خوبصورت اور حسین بال ایک جوڑے کی شکل میں باندھے گئے تھے اور جب اسے اس کی پسند کے کھانے کی میز پر لے جایا گیا تو وہ جو چٹ پٹے کھانوں کی بڑی شوقین تھی، دو نوالوں سے زیادہ کچھ کھا نہ سکی، اس کی ہمت نہ رہی تھی، سامنے بیٹھا شخص اس قدر اثر پذیر تھا کہ وہ کچھ بھی کھانے کے اہل نہ رہی تھی۔

ولیمہ کی تقریب بلاشبہ مدتوں یاد رہنے والی

تقریب تھی، وہ ایک شاندار اور بہت خوبصورت جوڑا تھا، جس کے لئے ہر آنکھ میں ستائش تھی۔

اس کے میکے جب اسے لے جایا گیا تو ہر طرف دولہا کی دھوم مچ گئی، فیروزاں جھٹ سے اس کے پاس گھس آئی وہ لمحوں میں سب جان لینا چاہتی تھی، مگر دارین کا عجیب رویہ اور خاموشی اسے حیرت میں ڈال گئی۔

اس کے ڈھیروں سوالوں کا جواب دارین نے ایک ہلکی مسکراہٹ کے سوا کچھ نہ دیا تھا، وہ ابھی ہی وہاں سے اٹھ آئی تھی، دل میں قدرے ناراض بھی کہ کیسے اس کی یہ عزیز ترین سکھی اتنا پیارا دولہا پانے کے بعد بدل گئی تھی، مغرور ہو گئی تھی کہ کسی بھی بات کا صحیح اور تسلی آمیز جواب دینے کی بجائے ایک مسکراہٹ کے ساتھ اسے ٹالتی رہی تھی۔

واپسی پر رات کو جب رسموں کے بعد ان دونوں کو کمرے میں لے جایا گیا تو آج بھی انہوں نے اسے کل والا حکم دیا تھا اور جب وہ اپنے بھاری لباس اور زیورات سے چھٹکارا پا کر نہا کر آئی تو انہوں نے اسے پاس بٹھا لیا تھا۔

''مجھے بناؤ سنگھار پسند نہیں ہے دارین! جب میں موجود ہوں تو تم مجھے ایسے ہی نظر آؤ، کسی بھی قسم کے آرائش و آلائش سے مبرا۔'' انہوں نے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تھا، دارین نے بنا کچھ بولے سر ہلا دیا۔

اگلے دن اسی شاہی رعب و دبدبے اور شان و شوکت سے وہ واپس آ گئی۔

اس کے میکے سے سسرال کا سفر چھ گھنٹوں پر محیط تھا اور آج تو یہ چھ گھنٹے چھ سالوں کے لئے طویل ہو گئے تھے۔

آنے سے پہلے عنایت بی بی نے اسے بہت دیر پاس بٹھا کر سمجھایا تھا، زمانے کی اونچ نیچ، سسرال میں ہونے والے مسائل، ممکنہ اتار چڑھاؤ اور اس کے ساتھ صبر و برداشت کا سبق، وہ خاموشی سے سر جھکائے سنتی رہی۔

ماں اسے سمجھوتے کا سبق دے رہی تھی یہ سمجھے بغیر کہ وہ تو انہیں بتائے بغیر سمجھوتے کی سیڑھی چڑھ چکی تھی، وہ اسے سمجھاتی رہی تھیں کہ اب اس نے اپنا بچپنا چھوڑ کر ذمہ داری اٹھانی ہے اور اگر کوئی بھی بات ہوئی تو لوگ ان کی تربیت کو فوراً قصور وار ٹھہرائیں گے کہ چونکہ باپ سر پہ نہیں تھا اس لئے ماں صحیح تربیت نہ کر سکی، اس کا دل تڑپ گیا۔

''جن بیٹیوں کے باپ سر پہ نہیں ہوتے، ان کی ڈولی نہیں جنازے ہی اٹھا کرتے ہیں، آپ فکر کیوں کرتی ہیں اماں؟ آپ کو کبھی میری شکایت نہیں ملے گی، میری دعا ہے اماں آپ کے پاس میرے حوالے سے کبھی کوئی خبر نہ پہنچے، سوائے اس کے کہ دارین مر گئی۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

☆☆☆

اس کے سسرال میں اسے تین چیزیں تحفے میں ملی تھیں، ایک معذور ساس، دوسری حشمت محل کی ذمہ داری اور حکم دینے آؤ آفسر۔

ان کی ساس زبیدہ خانم ایک حادثے میں اپنی دونوں ٹانگیں کھو چکی تھیں اور پچھلے اٹھارہ سالوں سے وہ وہیل چیئر پر تھیں، حیدر چوہدری ان کے اکلوتے بیٹے تھے، وہ نسلوں سے زمین دار لوگ تھے مگر اس کے باوجود حیدر چوہدری نے اپنے لئے افسری پسند کی تھی، اگرچہ ان کے بابا فرقان چوہدری اپنی زمینوں کو سنبھال رہے تھے اور ایسا نہیں تھا کہ حیدر چوہدری کو اپنے آبائی پیشے سے کوئی نفرت تھی یا وہ اس میں دلچسپی نہیں لیتے تھے، بلکہ وہ اپنے بابا کی ہر فیصلہ لینے میں مکمل

حساب ہوتا تھا اور جب بھی وہ چھٹی پر آتے تھے، دونوں باپ بیٹوں کے درمیان گزشتہ مہینوں کے کھاتے کھل جاتے تھے۔

"شیش محل" کی تعمیر خالصتاً روایتی اور پرانے طرز کی تھی، بڑے بڑے عالیشان کمرے، پیچیدہ کاری سے سجے، ستون، برآمدے، دالان، پائیں باغ، مطبخ خانہ، نماز کا کمرہ، مہمان خانہ اور ملازمین کے لئے منسلکہ چھوٹے کمرے۔

بنیادی طور پر یہاں دو خاندان آباد تھے، زبیدہ خانم اور فردوس خانم جو کہ ان کی ہمشیرہ تھیں، وہ اپنی دو بیٹوں کے ہمراہ رہتی تھیں، ان کے شوہر وفات پا چکے تھے۔

نورینہ اور شبسینہ دونوں جوان اور غیر شادی شدہ تھیں، اس لئے اس محل کا انتظام ان دونوں کے ہاتھ میں تھا، زبیدہ خانم کا کردار گھر میں اتنا غیر اہم تھا کہ وہ اپنی ایک کل وقتی ملازمہ عیشاں کے ساتھ اپنے کمرے تک محدود رہتی تھیں۔

جب حیدر نے اس کو ذمہ داریاں سونپی تھیں تب ان کا لہجہ دو ٹوک، کرخت اور کسی بھی قسم کی لچک سے عاری تھا۔

"اس گھر کا انتظام خواتین ہی چلاتی آئی ہیں اب تک، اس لئے اس میں تمہارا حصہ تمہیں سمجھا دیا جائے گا، عملی اور حقیقی طور پر تمہاری ایک ہی ذمہ داری ہے اس گھر میں اور وہ ہیں میری ماں، اب تمہیں ماں کی دیکھ بھال کرنا ہے دارین، عشیاں کو چھٹی تو نہیں دی جائے گی مگر بہر حال اصل ذمہ داری اب تمہارے سپرد ہے، مجھے ماں سے بہت پیار ہے دارین، مگر مشکل یہ ہے کہ میں اپنی نوکری کی وجہ سے یہاں ان کے قریب نہیں رہ سکتا، مگر میں ان کے معاملے میں کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہیں کروں گا۔"

دارین کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ اسی طرح سر ہلا کر ان کی بات سمجھ رہی تھی۔

اور یوں شادی کے تیسرے دن وہ چلے گئے۔

☆☆☆

اور پھر شہزادی نے سب سے حیران کن نظارہ دیکھا، اس کے دیکھتے ہی دیکھتے منظر ایک لخت بدل گیا، ان سیاہ بادلوں کے جھنڈ سے ایک سفید مشکی گھوڑا نمودار ہوا جس کے پیروں پہ حسین جھالریں تھیں اور اس پر ایک شہزادہ سوار تھا، سنہرے تاج اور شاہی لباس میں اس شہزادے کی سج دھج دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی، شہزادی دم بخود اس طرف دیکھ رہی تھی، گھوڑا لحہ بہ لحہ اس کے نزدیک آتا گیا۔

☆☆☆

اس نے صحن کے وسط میں کھڑے ہو کر اطراف میں نظر دوڑائی تھی، ایک طرف بڑی سی چادر بچھی تھی، جس پر اچار کی پھانکیں خشک ہونے کے لئے رکھی گئی تھیں، سفید بے داغ چادر سبز اور کچے پیلے رنگ کے آم بڑے خوشنما دکھائی دیتے تھے، اس نے گھٹنوں کے بل جھک کر ایک پھانک اٹھائی، اسے الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر واپس رکھ دی، ابھی مکمل طور پر خشک ہونے میں مزید ایک دن باقی تھا۔

اس نے واپسی کے لئے اٹھتے اپنے گھٹنوں سے نادیدہ گرد جھاڑی اور سست روی سے عمارت کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئی، زبیدہ خانم کی ظہر کی نماز کا وقت ہو رہا تھا اور اس نے انہیں وضو کروانا تھا، اس نے قدم ان کے کمرے کی طرف بڑھا دیئے، وہ بیڈ پہ نیم دراز تھیں اور عشیاں ان کے بازو دبا رہی تھی، دارین کو دیکھ کر وہ ادب سے پیچھے ہٹ گئی۔

"آؤ بہو خانم۔" اس کو دیکھ کر زبیدہ خانم

نے مسکرا کر کہا تھا۔

''آپ کی نماز کا وقت ہو رہا ہے ماں۔''

اس نے آگے بڑھ کر ان کی وہیل چیئر آگے کی اور انہیں اس پر بٹھانے لگی، عشیاں نے بھی اس کی مدد کی تھی، وہ آہستہ آہستہ انہیں لے کر غسل خانے کی طرف بڑھ گئی، اپنے ہاتھوں سے جب وہ انہیں وضو کروا رہی تھی تو وہ اس کا چہرہ غور سے دیکھ رہی تھیں، کانوں میں ہلکی پھلکی سونے کی بالیاں، گردن کے گرد زنجیر جس میں ایک خوبصورت اور پیچیدہ ڈیزائن کا لاکٹ جھول رہا تھا، جس کے اندر دو خوشنما پھول باہم ملے ہوئے تھے، دونوں کلائیوں میں سونے کے کنگن پہنے ہوئے تھے، یہ زیورات اس نے ہمیشہ پہنے ہوتے تھے، یہاں تک کہ سوتے وقت بھی اور زبیدہ خانم کو ان کی آواز بہت اچھی لگتی تھی، وہ جب بھی ان کے کہیں آس پاس ہوتی اس کے کنگن کی کھنکناہٹ انہیں اس کی موجودگی کا پتہ دیتی تھیں اور جب جب وہ اسے اپنے گرد دیکھتیں، نہال سی ہو جائیں وہ ان کے اکلوتے بیٹے ان کے حیدر کی بیوی تھی اور اس شادی کے لئے انہوں نے کتنی مشکل سے اسے آمادہ کیا تھا یہ وہی جانتی تھیں وہ سخت خفا تھا اور شاید کسی حد تک اس کی خفگی جائز بھی تھی، حیدر کا کہنا تھا کہ وہ بہت کم عمر تھی مگر انہوں نے اس کی ایک نہیں چلنے دی اور اسے منا کر دم لیا تھا اور اب فخر ہوتا تھا، وہ بہت سمجھدار اور باشعور لڑکی تھی، غیر سنجیدگی اور شوخی تو اس میں نام کو نہ تھی، ہر کام کو مقررہ وقت پر کرنا اور پھر ہمیشہ ان سے اجازت لے کرنا، اس کی عادت تھی۔

اس کے آنے سے پہلے وہ ایک کمرے تک محدود تھیں ہاں شام کے وقت ذرا دیر تک کے لئے عشیاں کے ساتھ باہر آیا کرتی تھیں، مگر دارین کے آنے کے بعد ان کے اوقات کار میں فرق پڑ گیا تھا، وہ انہیں ہر معاملے میں اولیت دیتی تھی، کھانے پکانے کی ترکیبیں ان سے پوچھتی اور عین ان کے مطابق کھانا بناتی، گھر کے امور میں اس کی دلچسپی دیکھنے لائق ہوا کرتی تھی اور انہیں کبھی محسوس نہ ہوا تھا کہ دارین کو در حقیقت کچھ بھی کرنا نہ آتا تھا۔

اس نے اپنی یہ لاعلمی اور گھر کے کاموں سے دوری کو اپنے شوق اور لگن کے پردے میں اس طرح چھپایا تھا کہ ان جیسی جہاندیدہ خاتون بھی نہیں جان پائیں تھیں، دارین نے ان کے اوقات کار کو بڑی خوبی اور خوبصورتی سے بدلا تھا، اس نے دوبارہ انہیں ایک بند کمرے سے باہر نکال کر گھر میں ان کا کھویا ہوا یا چاک و چوبند کردار بحال کیا تھا۔

اس نے ہر کام میں انہیں اولیت دے کر اپنا مقام حاصل تو کیا ہی تھا مگر انہیں بھی مصروف کر دیا تھا، غرض یہ کہ انہیں اپنی بہو سے کوئی شکایت نہ تھی، وہ اسے سجا سنوارا دیکھ کر خوش ہوتی تھیں اور اسے ''بہو خانم'' کہنے کے باوجود سے اپنی بیٹی تسلیم کرتی تھیں۔

☆☆☆

رات کے قریباً سات بجے کا وقت تھا آج ہی اس نے زبیدہ خانم کے حکم پر سردیوں میں استعمال ہونے والے لحافوں کو دھوپ لگوائی تھی، شنیل اور شنگھائی کی خوبصورت اور پھولدار لحاف ملازمہ کے ساتھ مل کر سمیٹتے اس کی کمر دوہری ہو گئی تھی، مگر اب موسم بدل رہا تھا، سو ان کی ضرورت تھی۔

مگر سونے سے پہلے روزانہ کے معمول کے مطابق وہ ان کو دبانے کے لئے آ موجود ہوتی تھی، جبھی ٹیلی فون بجنے لگا، یہ پی ٹی سی ایل تھا جو کہ زبیدہ خانم کے کمرے میں لگا تھا اور ان کے

سرہانے رکھا رہتا تھا، انہوں نے فون اٹھا لیا اور آواز سنتے ہی ان کا چہرہ کھل اٹھا، حیدر کا فون تھا۔

اس کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے، اسے پتا تھا کہ اب یہ بات لمبی چلے گی اور زبیدہ خانم کو ہمیشہ تنہائی میں حیدر کا فون سننے کی عادت تھی، مگر انہوں نے آج فون پہلے دارین کی طرف بڑھا دیا۔

''لو پہلے تم بات کرو۔'' دارین نے سست ہاتھوں سے فون تھام لیا۔

''السلام علیکم!'' اس کی آواز آہستہ تھی۔

''وعلیکم السلام کیسی ہو؟'' بہت رسمی سا لہجہ تھا۔

''ٹھیک ہوں، آپ؟'' وہ بدقت تین لفظ بول پائی تھی۔

''میں بھی ٹھیک ہوں، ماں کیسی ہیں؟'' وہ فوراً سے ان کے متعلق سوال کر رہے تھے۔

''وہ بالکل ٹھیک ہیں۔''

''ان کا خیال رکھتی ہو ناں؟'' بارعب آواز۔

''جی کوشش تو پوری کرتی ہوں۔'' گڑبڑایا ہوا جواب۔

''کوشش نہیں چاہیے مجھے عمل چاہیے۔'' وہ سرد مہری سے بولے تھے، دارین کے ہونٹ کچھ کہنے کی جدوجہد میں کپکپا کر رہ گئے۔

''ماں کو فون دو۔'' انہوں نے کہا تو نامعلوم کیوں اسے لگا کہ ان کے انداز میں ناگواری تھی، اس نے فون ان کی طرف بڑھایا اور اٹھ گئی، سات بجے کے بعد رواج کے مطابق سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں چلے جاتے تھے، اپنے کمرے میں آ کر اس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔

شیش محل کے مالک کا کمرہ ویسا ہی شاندار اور پراسرار تھا، وہ دروازہ بند کر کے بستر پہ آ کر بیٹھ گئی۔

اس کے چہرے پر عجیب سی لاتعلقی اور گہری سوچ کے آثار تھے، اس نے دونوں ہاتھوں سے بالوں کو سمیٹ کر جوڑے کی شکل میں باندھا اور اٹھ کر ایک طرف بڑھ گئی، کچھ دیر بعد جب واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں کچھ صفحات اور ایک ڈائری تھی۔

اس نے ایک صاف صفحہ ڈائری کے اوپر رکھ کر ہاتھ میں کچی پنسل پکڑ لی اور پھر اس کی مخروطی انگلیاں چلنے لگیں اور جب اس نے ایک گھنٹے کے بعد سر اٹھایا تو اس کے چہرے پہ تھکن رقم تھی۔

اس نے ڈائری کھولی اور کچھ لکھنا شروع کر دیا، کم و بیش چار صفحات لکھنے کے بعد اس نے وہ صفحہ ڈائری کے نیچے دبایا اور دونوں چیزوں کو بیڈ پر رکھ کر خود غسل لینے کے لئے چلی گئی، ڈائری کے نیچے دبے کاغذ پر سے دو ناراض آنکھیں جھانک رہی تھیں ان آنکھوں سے اوپر اور فراخ پیشانی پر بڑی نمایاں شکن تھی اور یہ ناگواری کے تاثر سے لبریز چہرہ حیدر چوہدری کا تھا۔

☆☆☆

گھوڑے پر سوار شہزادے کے سر پر موجود اس کے سنہرے تاج سے پھوٹتی کرنیں شہزادی کو مسحور کر رہی تھیں، وہ کسی مقناطیسی طاقت کے زیر اثر اس کی طرف بڑھتی چلی گئی، اردگرد کے مناظر اس کے ذہن سے محو ہوتے گئے، اسے احساس بھی نہ ہوا کب اس نے ہاتھ شہزادے کے ہاتھ میں دے دیا۔

☆☆☆

اس نے دودھ پتی کا کپ ماں کے آگے رکھا تو گیلے بال آگے کو جھک آئے تھے، انہوں

نے اس وقت تو اسے کچھ نہ کہا تھا مگر رات جب وہ انہیں دبانے کے لئے آئی تو وہ اسے ٹوک گئی تھیں۔

''بہو خانم۔'' انہوں نے کہا۔

''جی ماں جی۔'' وہ رک کر ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''لڑکیوں کے کھلے بال مجھے پسند نہیں، آج کے بعد جب بھی نہاؤ بال اپنے کمرے سے ہی باندھ کر باہر آنا۔'' انہوں نے دو جملوں میں بات ختم کر دی تھی۔

اس نے خاموشی سے ان کی بات سنی اور تابعداری سے سر ہلا دیا تھا، اس کے بعد انہوں نے کبھی اس کے بال گیلے اور کھلے نہ دیکھے تھے، اس نے دن میں نہانا ہی چھوڑ دیا تھا، رات سونے سے پہلے وہ نہاتی اور حیدر کی صورت آنکھوں میں سموئے سو جاتی، بہت دفعہ اسے عجیب لگتا اور بہت دفعہ جھنجھلاہٹ بھی ہوتی تھی جب کسی صبح آنکھ کھلنے پر وہ انہیں اپنے ساتھ نہیں دیکھتی تھی، وہ ''بامراد'' ہو کر بھی ''بے مراد'' تھی۔

اس نے رات کو کھانا بناتے ہوئے اک نظر صحن میں دوڑائی جہاں سے بھولا بسرا راہی تا حال لاپتہ تھا۔

ماں نے کہا تھا آج وہ آ رہے تھے، بہت خاص تیاریاں کی جا رہی تھیں، ان کی پسند کے کھانے بنائے گئے تھے، دارین انہی انتظامات کو آخری بار دیکھنے آئی تھی۔

واپس جانے کے لئے قدم اٹھاتے ہوئے اس نے ماں کے کمرے کی طرف دیکھا جہاں عیشاں موجود تھی اور مطمئن سی ہو کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی، کمرے میں موجود آئینے کے سامنے آ گئی، ماں کی خواہش تھی کہ آج وہ بہت سا ہار سنگھار کرے، وجہ صاف ظاہر تھی، آج شادی کے بعد وہ پہلی بار آ رہے تھے، اسی لئے اس نے دل بھر کر سنگھار کیا تھا وجہ صرف ان کی خواہش کا احترام تھا ورنہ وہ آگاہ تھی کہ وہ یہ سارا سج دھج دیکھنے میں کوئی دلچسپی نہ رکھتے تھے۔

اس نے بری کا ایک خوبصورت کامدار جوڑا پہنا تھا اور ہونٹوں پر شوخ سرخ لپ اسٹک لگائی تھی جس نے اس کے حسن کو دو آتشہ کر دیا تھا، بال جوڑے کی شکل میں بندھے تھے اور اس کی صراحی دار گردن کی چمک مزید دہک اٹھی تھی، اس نے انگلیوں پر کچھ گنا۔

''تین ماہ سترہ دن اور نو گھنٹے۔'' اسے جھٹکا لگا وہ اتنے سارے دنوں بعد آ رہے تھے اور وہ سارے دن اس نے کیسے گزارے تھے؟ اس نے یاد کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

اسے کچھ دیر بعد ماں کے کمرے سے بلاوا آ گیا اور اس وقت شام ڈھل رہی تھی، جب اس نے اندر قدم رکھا تھا، وہ بالکل سامنے تھے، براؤن ٹو پیس پہنے کرسی ان کے قریب رکھے بیٹھے تھے، چہرے سے سفر کی تھکان واضح تھی، ماں کی آنکھوں میں خوشی بھری نمی تھی اور حسب توقع ان سے گلے شکوے کر رہی تھیں کہ وہ اتنے دنوں بعد آئے تھے اور وہ تابعداری سے سر جھکائے سن رہے تھے، جب اس نے سلام کیا تو انہوں نے انتہائی سرسری نظر سے اسے دیکھ کر رسمی جواب دیا اور پھر سے ماں کی طرف متوجہ ہو گئے ماں نے دارین کو کھانا لگانے کا کہا تھا، وہ سر ہلا کر واپس مڑ گئی، جب میز پر کھانا چنا گیا تو وہ ماں کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھے تھے، جو کہ نہایت اصرار سے ان کی پلیٹ میں مختلف کھانے ڈالتے ہوئے بڑے فخر سے انہیں بتا رہی تھیں کہ یہ انواع و اقسام کے کھانے ان کے لئے ان کی بہو خانم نے بنائے تھے اور وہ بس سر ہلاتے ہوئے ہلکا پھلکا لے رہے

تھے، وہ اپنی غذاء کے معاملے میں از حد محتاط تھے۔

اور دارین کی پلیٹ میں ابلی ہوئی سبزیاں تھیں جن میں کالی مرچ کا چھڑکاؤ کیا گیا تھا اور آدھی روٹی اس کے ہاتھ میں تھی، جس میں سے بمشکل چار نوالے لئے گئے تھے، یہ سلسلہ جلد ہی اختتام پذیر ہو گیا کیونکہ حیدر کو آرام کرنا تھا، اس لئے دارین دستر خوان اٹھوانے میں لگ گئی، بچے ہوئے کھانے کو محفوظ کر کے اس نے ملازمہ کو برتن دھونے پہ لگایا اور خود سبز چائے بنا کر ماں کے کمرے کی طرف چل پڑی۔

منظر اس بار پہلے سے زیادہ مختلف تھا، انہوں نے لباس تبدیل کر لیا تھا اب وہ نسبتاً ایک آرام دہ شلوار کرتہ میں ملبوس تھے اور یہ دیکھ کر دارین کو بے حد حیرت ہوئی کہ وہ ماں کی گود میں سر رکھ کر لیٹے ہوئے تھے، اس نے تپائی پر ہاتھ میں پکڑی ٹرے رکھی اور اسی خاموشی سے واپس مڑ گئی، یہاں اس کی ضرورت نہیں تھی۔

ماں کو اپنے اور حیدر کے درمیان کوئی دوسرا پسند نہیں تھا، وہ تو ان کی فون کال میں کسی دوسرے کی موجودگی برداشت نہیں کرتی تھیں جبکہ اب تو وہ خود موجود تھے۔

دارین نے قدم اپنے کمرے کی طرف بڑھا دیئے، ایک نظر سارے کمرے کو دیکھا ہر چیز اپنی جگہ موجود تھی، صاف ستھری اور مکمل، اس نے ان کا اتارا ہوا لباس دیکھا اور نہ جانے کیا سوچ کر اس نے سفید شرٹ الگ کر لی۔

باقی لباس دھلنے کے لئے رکھ کر اس نے اپنے آپ کو آخری بار آئینے میں دیکھا، اس کی لپ اسٹک کافی مدھم پڑ چکی تھی، وہ مزید کوئی تبدیلی کیے بغیر بیڈ کی طرف چلی آئی، بے تحاشا تھکن نے اسے نڈھال کیا ہوا تھا، وہ بیڈ پر نیم دراز ہو گئی، تھوڑی دیر بعد ہی اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو کمرے میں موجود روشنی مدہم ہو چکی تھی، اسے یکلخت یاد آیا کہ وہ تنہا نہیں تھی، اس نے گردن موڑ کر دیکھا، بیڈ کے دوسرے سرے پر وہ ٹیک لگائے بیٹھے تھے اور ان کے ہاتھ میں جلتا ہوا سگریٹ تھا، اسے جاگتے دیکھ کر انہوں نے گردن موڑ کر اسے دیکھا، ان کی نظریں نہیں تھیں گویا کوئی کٹہرا تھا جس میں وہ جواب دہ تھی، اسے یکدم اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا، اس نے یقیناً غلط کیا تھا، اسے ان کا انتظار کرنا چاہیے تھا، اسے سونا نہیں چاہتے تھا، وہ تیزی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"وہ مجھے پتہ نہیں چلا، میں منہ دھو کر آتی ہوں۔" وہ حواس باختگی سے بولی تھی، انہوں نے جواب دینے کی بجائے ہلکا سا سر کو خم دے کر گویا اجازت دے دی، وہ دوپٹہ سنبھالتی ہوئی آگے بڑھ گئی، واش بیسن کے آگے کھڑے ہو کر اس نے پے در پے کی چھپاکے منہ پر مارے پھر ٹشو سے لپ اسٹک صاف کرتے ہوئے باہر نکل آئی، اس نے دوپٹہ سر پہ ٹکایا اور ان کے پاس چلی آئی، انہوں نے اسے پاس بیٹھتے دیکھ کر سگریٹ راکھ دان میں مسل دیا۔

آج بھی پہلے دن کی طرح اس کی نظریں جھکی تھیں، حیدر نے دیکھا اس کے لبوں پر مدھم ہوتی سرخی تھی، انہوں نے اس کی تھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھتے ہوئے اسے اوپر اٹھا دیا، اس کی پلکیں ہلکا سا لرزیں اور گالوں پہ جھک گئیں۔

"دارین!" انہوں نے بہت مدھم آواز میں اسے پکارا تھا۔

"جی!" اس کی آواز کسی غار سے نکلی تھی۔

"مسکرا کر دکھاؤ ناں۔" انہوں یوں فرمائش

کی جیسے وہ چابی سے چلنے والی گڑیا ہو، دارین کے ہونٹ مسکرانے والے انداز میں کھنچ گئے مگر اس کی آنکھوں کے پیچھے پانیوں کے کئی سیلاب تھے، جو باندھے گئے بند کے ہاتھوں مجبور تھے اور جن سے شیش محل کا مالک بالکل بے خبر تھا اور اسی بے خبری میں انہوں نے اسے قریب کر لیا تھا اور اس کے کانوں میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا تھا۔

''ماں تم سے بہت خوش ہیں۔'' وہ کہہ رہے تھے اور دارین کا دل چاہا وہ چیخ کر پوچھے۔

''اور آپ؟ کیا آپ خوش ہیں؟'' مگر اس نے نوک زبان پہ آنے سے پہلے ہی لفظوں کا گلا گھونٹ دیا تھا۔

اور اس وقت وہ تین ماہ سترہ دن کے بعد پھر سے اس شہزادے کے بازوؤں میں تھی، بالکل کسی گڑیا کی مانند جو کسی ضدی بچے کے ہاتھ لگ جائے اور وہ اس سے کھیلتے کھیلتے اسے توڑ پھوڑ دے اور اگلی صبح جبکہ وہ جاگ رہی تھی جب وقت تہجد کی اذان ہو رہی تھی اور اسے علم تھا کہ اسے ماں کو وضو کروانا تھا مگر وہ اسی طرح آنکھیں بند کیے پڑی رہی۔

کیا تم جانتے ہو؟
میں تمہارے قریب ہوں اور!!!
پھر بھی بدنصیب ہوں!!!!

☆☆☆

اسے ان سے بہت سی باتیں کرنا تھیں، اسے انہیں بتانا تھا کہ اس نے اتنے سارے دنوں میں انہیں کتنا یاد کیا تھا، اسے انہیں اپنے ویران دن اور بے خواب راتوں کے درد بتانے تھے، اسے ان کے لئے بہت سا ہنسنا تھا اور اسے ان کو دکھانا تھا کہ بھلے ہی اس کا ہاتھ کئی بار جلا تھا مگر یہ سب کھانے اس نے کتنے شوق سے ان کے لئے بنائے تھے، اسے انہیں بتانا تھا کہ وہ قطعاً بھی کم گو نہیں ہے وہ کتنی شوخ چنچل اور کتنی زندہ دل ہے۔

ہاں ابھی تو اس نے ان سے بہت سی باتیں کرنا تھیں جب اسے پتا چلا کہ وہ اگلی صبح واپس جا رہے تھے تو اس کے اندر اندھیرے اتر آئے، خاموشیوں کا پہرہ کچھ اور بھی گھمبیر ہو گیا تھا۔

ناشتے کی میز پر اس کے لب کچھ مزید سختی سے بھینچے ہوئے تھے، ماں ان سے باتیں کرنے میں مصروف تھیں اور اس نے رات کی طرح اب بھی چند نوالے لئے اور خود کو کچن میں مصروف کر لیا۔

دوپہر کا وقت تھا جب وہ کہیں باہر سے آئے تھے، ہمیشہ کی طرح یہاں بھی بے حد مصروف ہوتے تھے، گاؤں کے افراد کا ملنے کے لئے تانتا بندھا رہتا تھا، پھر انہیں بابا کے ساتھ زمینوں کے معاملات بھی دیکھنے ہوتے تھے۔

وہ ان کے لئے چائے لے کر آئی تھی جب وہ بیڈ پر نیم دراز سگریٹ سلگا کر بیٹھے تھے، وہ عجیب سے شش و پنج میں کھڑی انہیں دیکھنے لگی پھر کچھ جھجک کر نظریں جھکا کر ہونٹ کاٹنے لگی، انہوں نے اسے کھڑے دیکھا تو ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا وہ شکر کرتی بیٹھ گئی۔

''وہ مجھے بات کرنا تھی۔'' اس کے دھیمے لہجے میں جانے کیا تھا کہ وہ چونک سے گئے تھے۔

''کون سی بات؟'' انہوں نے ہاتھ میں پکڑے موبائل پہ نظر جمائے کہا تھا، اسے نظر نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کر رہے تھے۔

''آپ جا رہے ہیں؟'' اس نے بہت ہمت اور حوصلے سے بالآخر پوچھ ہی لیا تھا، انہوں نے جواباً نظر اٹھا کر اسے یوں دیکھا جیسے اس کے سوال کی سمجھ نہ آئی ہو۔

''آپ اتنی جلدی کیوں جا رہے ہیں؟

ابھی مت جائیں نا، مجھے آپ کی بہت یاد آتی ہے۔'' وہ بھرائے ہوئے لہجے میں کہتی آخر پہ رو ہی پڑی، حیدر یک ٹک اسے دیکھ رہے تھے ان کے چہرے شدید حیرت ثبت تھی، دارین کو یکدم سے اپنی غلطی کا احساس ہوا، شاید اس نے غلط بات کہہ دی تھی، یا غلط موقع پر کہہ دی تھی، یا شاید غلط آدمی سے کہہ دی تھی، اسے اپنی غلطی کا احساس تو ہو چکا تھا مگر غلطی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

مستزاد حیدر کے چہرے کے تاثرات سے اسے اندازہ ہوا کہ تیر کمان سے نکل چکا تھا، اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

انہوں نے ہاتھ میں پکڑا موبائل ایک طرف رکھا، سگریٹ کی راکھ کو راکھ دان میں جھٹکا اور ایک گہرا کش لے کر دھواں فضا میں چھوڑ دیا۔

دارین کے اعصاب تن گئے اس نے ساکت نظروں سے یہ سارا واقعہ دیکھا، ان کا یہ پرسکون انداز اس کے لئے بڑا عجیب تھا، انہیں کوئی تو ردعمل دینا چاہیے تھا، مگر وہ کسی بھی قسم کے تغیر سے مبرا تھے، انہوں نے دایاں ہاتھ اس کے شانے پر رکھ دیا، دارین نے چونک کر انہیں دیکھا اس گرفت میں کسی قسم کی نرمی اور انس نہ تھا، اس کا دل عجیب سے انداز میں ڈوبا۔

''سنو دارین! ایک عورت ہو کر اتنی بے قراری؟ عورت تو اپنے وقار اور حد میں ہی اچھی لگتی ہے، جذبات سے اس قدر مغلوب ہو کر خود پر قابو نہیں رکھ سکتیں؟'' ان کا سرد لہجہ اور آگ کے شعلوں کی مانند جلتے وہ الفاظ دھڑ دھڑ دارین کو جلا گئے۔

اتنی توہین؟ اس قدر ذلت؟ کاش وہ اس شخص کو دوبارہ کبھی اپنی صورت نہ دکھا پائے، اپنی آنکھیں بند کرتے ہوئے اس نے انتہائی دل سے دعا کی تھی۔

''اپنی سطح سے اس قدر گرنا، کیا کہوں تمہیں، تربیت کی کمی یا نفس کی کمزوری؟'' انہوں نے بے رحمی سے بات تربیت پہ ختم کر دی تھی۔

دارین کی ٹانگیں لرزنے لگیں، بہت سی بے اختیار سسکیاں اس کے لبوں سے آزاد ہوئیں تھیں جب انہوں نے ہاتھ اس کے کندھے سے ہٹا لیا، بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر وہ پھر سے سگریٹ سلگا رہے تھے جب وہ بمشکل وہاں سے اٹھی اور اندھوں کی مانند دیوار سے ٹکراتی ہوئی ملحق کمرے کی طرف بھاگ گئی، کانپتی انگلیوں کے ساتھ اس نے اپنے پیچھے دروازہ بند کیا تھا اور پھر جیسے ضبط کا دہانہ کھل گیا۔

وہ زور زور سے رونے لگی، مگر پھر اس خوف سے کہ کہیں آواز باہر نہ چلی جائے اس نے سختی سے اپنے ہونٹوں پہ اپنے دونوں ہاتھ جما لئے۔

وہ اسے کیا سمجھتے تھے؟ اسے احساس ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی ایک مستقل پچھتاوا اس کے اندر گھر کر گیا، وہ اسے اتنا ہلکا، اتنا بے وقعت اور حقیر سمجھتے تھے، اسے لگا وہ کبھی ان سے آنکھ نہ ملا سکے گی۔

☆☆☆

شہزادی کو اجنبی دیسوں کی سیر کا ازحد شوق تھا اور جب شہزادہ اسے اپنے ہمراہ پروں والے سفید خوبصورت گھوڑے پر سوار کر کے بادلوں میں اونچا سے اونچا لیتا گیا تو اس اجنبی مگر دلکش اور حیران کن دنیا نے اپنی خوبصورتی سے اس کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا تھا، اسے اسیر کر لیا تھا، وہ ہنس رہی تھی، کھلکھلا رہی تھی، وہ خوش تھی، بہت خوش، مگر پھر......رات ہو گئی۔

☆☆☆

''تم نے دیکھا دارا؟ میرے ساتھ کیا ہوا؟'' آنکھوں میں آنسو لئے اس نے بھائی کو

دیکھا، جو اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر پریشان ہی نہیں مضطرب بھی ہو گیا تھا۔

"تم رو مت، بس تم چپ کرو نا۔" وہ اپنے نرم ہاتھوں سے اس کا چہرہ صاف کرنے لگا۔

"تم اس سے کبھی بات مت کرنا بس اور اس اگر وہ بلائے بھی تو اس کے پاس مت جانا۔" وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

"مگر......!" وہ کچھ کہنے لگی جب دارا نے اسے ٹوکا۔

"وہ گندا ہے، وہ مجھے پسند نہیں ہے، وہ تمہیں مارتا ہے۔" دارا نے انتہائی دکھی انداز میں اس کا ہاتھ لاشعوری طور پر مضبوطی سے تھاما جیسے اسے کہیں نہ جانے دینا چاہتا ہو۔

اسی اثناء میں باہر سے آواز آنے لگی، اس کا ہاتھ دارا کے ہاتھ میں کسمسایا تھا۔

"مجھے جانا ہے، دارا مجھے جانے دو۔" وہ زرد رنگت کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے دروازے کو بھی دیکھ رہی تھی جہاں سے ہر لمحہ کسی کے آ جانے کا خطرہ تھا۔

"نہیں میں نہیں جانے دوں گا۔" وہ ضدی انداز میں بولا تھا، گرفت اس کے ہاتھ پہ کچھ مزید مضبوط کی تھی۔

آواز پھر سے آئی تھی، اس نے یکدم سے ہاتھ کی گرفت سے آزاد کروایا اور باہر بھاگ گئی۔

☆☆☆

عجب ہے رنگ چمن جا بجا اداسی ہے
مہک اداسی ہے باد صبا اداسی ہے
نہیں نہیں یہ کس نے کہہ دیا تم سے
میں ٹھیک ٹھاک ہوں ہاں بس ذرا اداسی ہے
تمہیں ملیں جو خزانے تمہیں مبارک ہوں
میری کمائی تو یہ بے بہا اداسی ہے

اس نے ہر طریقے سے انہیں منانے کی کوشش کی تھی، ایک سرخ رنگ کے کاغذ پر بہت خوبصورت پھولوں کا اسکیچ بنا کر معافی کی درخواست لکھ کر رات ان کے آگے رکھ دیا تھا، جسے انہوں نے دیکھے بغیر ایک طرف کر دیا، وہ شخص خاموشی کی مار مارنے میں کس قدر طاق تھا، اس نے ان سے بات کرنے کی کوشش کی مگر وہ یوں ہو گئے کہ جیسے بہرے ہوں اور تسلی سے سگریٹ پیتے ہوئے اپنے موبائل فون پر مصروف رہے اور ان کی خاموشی نے دارین کو از حد خوفزدہ کر دیا تھا۔

"کیا وہ اب کبھی اس سے بات نہ کریں گے؟" اس نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر کوئی دسویں دفعہ اپنی بہتی ہوئی آنکھوں پر چھینٹے ڈالتے ہوئے خود سے سوال کیا تھا اور پھر ہراساں ہو کر رو دی، اس کے اعصاب ٹوٹ رہے تھے۔

کس قدر گناہ گار اور بری تھی وہ جانے کیوں اسے گھن آئی تھی اور کپڑے بدلنے کے بعد وہ کمرے میں جانے کی بجائے وہیں زمین پہ بیٹھ گئی اور جب اسے اپنی ماں کی باتیں یاد آئیں تو اسے رونا آیا تھا، وہ تو پہلی بار میں ہی ماں کی تربیت پہ انگلی اٹھوا بیٹھی تھی، اسے بے تحاشا رونا آ رہا تھا، اب کیا ہو گا؟ کی گھنٹی مستقل اس کے اعصاب پر برس رہی تھی۔

مگر حیرت انگیز بات، رات سوتے وقت ایک ہی بستر پر وہ پھر اس کے ساتھ کل جیسے تھے، وہ حیرانی سے گنگ سی ہو گئی، جب انہوں نے اس کو پیار سے سینے سے لگا کر اس کے گال چومے اور جب اس کے بالوں کو بستر پر دور تک پھیلا دیا اور جب اس کو ہنسنے کا کہا تو وہ بھی سب بھول کر کھلکھلا دی۔

پگلی! یہ نہیں جانتی تھی کہ مرد کی صبح اس کی

رات سے کتنی مختلف ہوتی ہے۔

اگلی صبح وہ چلے گئے، اسی طرح اجنبی اور سرد مہر سے اور ان کے جانے کے بعد اگلی رات وہ ان کی سفید شرٹ کو سینے سے لگائے بھینچ بھینچ کر سسکیوں سے روتی رہی تھی، وہی سفید شرٹ جو اس نے چھپالی تھی اور جس سے ان کی خوشبو آتی تھی، بڑی سحر انگیز اور بارعب مہک جو اسے دیوانہ کر دیا کرتی تھی۔

☆☆☆

"شہزادی نے اندھیرے سے گھبرا کر شہزادے کو دیکھا تو حیرت وخوف سے منجمد سی ہو گئی۔"

وہاں تو کوئی اور ہی تھا، شہزادے کی جگہ اب ایک بدصورت اور خوفناک دیوزاد کھڑا تھا جس کے خونی پنجے، لمبے دانت اور لہو رنگ آنکھیں شہزادی کا ننھا سا دل سہا گئی تھیں۔

(☆☆☆)

آٹھ سالہ وہ ننھی لڑکی مسلسل گھاس پر بھاگ رہی تھی، بہت تیز بھاگتے بھاگتے اس نے پھولے ہوئے سانسوں کے ساتھ یکدم رکتے ہوئے ایک درخت کے تنے پر ہاتھ رکھ کر سانس بحال کرنے کی کوشش کی تھی جب پیچھے سے یکدم دارا نے اسے دبوچ لیا، وہ پکڑی جا چکی تھی، دارا زور زور سے جوش میں آکر چلا رہا تھا، وہ شکست خوردہ اسے انداز میں یکدم ہنستی چلی گئی، دارا بھی ہنس رہا تھا، وہ ایک بار پھر اسے ہرانے میں کامیاب ہو گیا تھا، وہ ہمیشہ جیت جاتا تھا۔

سب ٹھیک نہیں تھا، سب ٹھیک ہو ہی نہیں سکتا تھا، وہ جیسے خود سے جنگ لڑتی نڈھال ہو رہی تھی "شیش محل" اسے راس نہیں تھا، اسے اس محل نے جکڑ لیا تھا، قید کر لیا تھا، وہ ہنس نہیں سکتی تھی، وہ کھلکھلا نہیں سکتی تھی، ہاں وہ بس رو سکتی تھی جو کہ وہ روتی تھی بہت زیادہ روتی ہے، راتیں گزرتی نہ تھیں راتیں عذاب تھیں اور دن برزخ جیسے!!!

مگر "شیش محل" میں تو سب ٹھیک تھا، سب بہت اچھے تھے، پھر غلطی کہاں تھی؟ اسے جیسے سمجھ نہیں آئی تھی۔

پہلی غلطی اس کے ہاتھوں تب ہوئی جب ولیمے کے بعد پہلا باقاعدہ کھانا کھاتے وقت اس نے اپنی پسند کا اچار گوشت دیکھ کر بہت خوش ہو کر اپنی پلیٹ میں ڈالنے کے لئے چمچ اٹھایا تھا جب اس نے اپنی ساس کو دیکھا جو بڑی رعونت سے اپنی بہن فردوس خانم سے مخاطب تھی کہ جو لوگ خاندانی ہوں اور جن کی تربیت اچھے ہاتھوں میں ہوئی ہو ان کا پتہ کھانے کی میز پر چلتا ہے، جب وہ پلیٹ بھر کر گوشت ڈالتے ہیں، الفاظ تھے یا زہر میں بجھی سوئیاں، اس کے پیر لرز اٹھے، اسے لگا یہ بات صاف اسے سنائی جا رہی تھی، حالانکہ ایسا نہیں تھا، اس نے چمچ وہیں رکھ دیا۔

اور اس دن کے بعد اس نے مرغن کھانوں اور گوشت کے مختلف اقسام کے کھانوں کی طرف دیکھنا بھی چھوڑ دیا کیونکہ آخر سوال تربیت کا تھا، وہ کس طرح اپنی ماں کو قصوروار ٹھہرا سکتی تھی۔

اس دن کے بعد وہ بھی ماں کے لئے بنائی جانے والی ابلی سبزیاں، دالیں اور پرہیزی کھانا کھانے لگی، جب انہوں نے اسے ٹوکا تو اس نے بڑی خوبصورتی سے انہیں ٹال دیا، انہوں نے نئی نویلی دلہن سمجھ کر زیادہ زور نہ دیا کہ کہیں برا ہی نہ مان جائے اور یہ کیسا عجیب اور ذلت آمیز تزکیہ نفس تھا جسے کرتے کرتے وہ نڈھال ہوتی جاتی تھی۔

بہت دفعہ یوں ہوتا کہ ماں کی ٹانگیں دباتے اور ان کے سونے سے پہلے والی معمولات نمٹاتے نمٹاتے اپنا رات کا کھانا بھول جاتی اور گئی رات

اپنے کمرے میں بھوک سے بلکتے ہوئے اسے بے تحاشا رونا آتا، کئی مرتبہ وہ سوچتی کہ جا کر کچن سے کھانا نکال لائے مگر پھر وہ خوف اس کے ذہن میں پنجے گاڑ لیتا کہ اگر کسی نے دیکھ لیا تو وہ کیا سمجھیں گے کہ وہ اس قدر بھوکی تھی کہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر کھانا کھاتی تھی۔

پھر بہت بار ایسا ہوا کہ اس نے سوچا کہ کیوں نہ وہ پہلے سے اپنے کمرے میں کچھ رکھ لے، کوئی خشک کھانے والی چیز، کوئی پھل وغیرہ مگر یہ سوچ بھی عمل سے محروم رہی کیونکہ اسے ڈر تھا کہ اگر کسی کو پتہ چل گیا تو؟ اور یہ کس قدر عجیب بات تھی کہ وہ ''شیش محل'' کے اکلوتے وارث کی بیوی تھی اور اس کے پاس خرچ کے نام پر ایک روپیہ تک نہ تھا، شادی میں جو سلامیاں اسے جمع ہوئیں وہ اس نے جوں کی توں اپنی ساس کے آگے رکھ دیں اور اس کے بعد کسی بات کا اتا پتہ نہ تھا، حیدر شادی کے بعد دو دن کے لئے گھر آئے تھے اور انہوں نے بھی اس متعلق اس سے کوئی بات نہ کی اور نہ ہی کوئی نوٹس لیا تھا، ان کے پاس اپنے ہی بکھیڑے کم نہ تھے۔

☆☆☆

اس نے سوچا تھا اب کی بار وہ آئیں گے تو وہ قطعاً ان سے بات نہیں کرے گی، لیکن پھر وہ خود ہی اپنی سوچی ہوئی بات پر ہنس پڑی، وہ بھلا اس سے کب کوئی بات کرتے تھے؟ دارین کو یاد نہیں آیا کہ ان دو دنوں انہوں نے ایک دفعہ بھی اس کا حال پوچھا ہو؟

اسے یاد آیا وہ تو اس سے بات ہی نہ کرتے تھے، رات کو جب کمرے میں ہوتے تو سونے سے پہلے کا سارا وقت سگریٹوں اور موبائل کی نظر ہو جاتا، اسے بہت عجیب لگتا، سگریٹ کے دھوئیں سے اس کا دم گھٹتا تھا مگر وہ احتجاج کا ایک لفظ بھی بولنے کی مجاز نہ تھی، وہ جیسے اس کے وجود سے قطعاً بے خبر ہوتے تھے اور وہ کروٹوں پہ کروٹیں بدلتی نڈھال سی ہو جاتی سارے دن کی تھکن کے بعد نیند سے بند ہوتی آنکھیں لئے وہ کبھی کسی چیز پر نظریں جما کر سوچتی کہ آخر ان کی نظر کرم کب ہو گی اس پر اور اکثر یوں ہوتا کہ جب وہ نیم غنودگی میں چلی جاتی تو یکدم سے ان کا فون بجنے لگتا اور وہ بڑے انہماک سے فون اٹھا کر انگلش میں بات کرنے لگتے، نپا تلا، شستہ اور خوبصورت لہجہ۔

وہ حیرانی سے سنتی رہتی خواہ اسے سمجھ نہ آتی تھی مگر پھر بھی وہ انہیں سنتی رہتی اور ہر بات اپنی یادداشت میں محفوظ کرتی جاتی تھی، اسے ان کی آواز بہت اچھی لگتی تھی، خواہ وہ کسی اور سے ہی کیوں نہ محو گفتگو ہوتے اور جب وہ موبائل ایک طرف رکھ کر کمرے کی روشنی بند کر کے اس کے قریب آتے تو اندھیرے میں اس کا دل ڈوبنے لگتا، اسے اندھیروں سے وحشت ہوتی تھی مگر یہاں بات خواہش اور ضرورت یا احساس کی کب تھی یہاں صرف ان کی مرضی چلتی تھی، وہ صرف ایک بے جان پتلی تھی۔

دونوں میں بے پناہ فرق تھا، وہ صرف ان سے عمر کے لحاظ سے ہی چھوٹی نہیں تھی بلکہ وہ قد و قامت کے لحاظ سے بھی ان کے آگے ننھی گڑیا سی تھی بمشکل ان کی کہنیوں سے کچھ اوپر تک آتی تھی دبلی پتلی سی اور چہرے پہ بے انتہا معصومیت لئے وہ ان کے پہلو میں کھڑی ہوتی تو کیا قیامت ڈھاتی۔

اور یہ کتنی عجیب بات تھی کہ اتنی کم عمری و معصومیت لئے جب وہ ان کے بازوؤں میں ہوتی تو ان کے انداز میں کوئی نرمی یا احتیاط نہ ہوتی تھی، وہ مزاجاً کرخت اور سرد مہر تھے، یا شاید صرف اسی کے لئے تھے، اسے کچھ پتہ نہ تھا، وہ

اتنے انجان اور اجنبی تھے کہ بہت دفعہ وہ سوچتی اگر وہ مر جائے تو شاید تب بھی وہ اس اجنبیت سے ماں سے کہیں گے۔

''کوئی بات نہیں ماں، اس طرح کے چھوٹے موٹے حادثے زندگی میں ہوتے رہتے ہیں۔''

اور یہ سوچ اسے لرزا دیتی اور پھر وہ سوچتی اس کی شادی حیدر چوہدری سے کب ہوئی تھی اس کی شادی تو اس گھر سے ہوئی تھی اور وہ بخوبی اس گھر سے اپنا رشتہ نبھا رہی تھی، ہاں واقعی اسے بس شیش محل سے بیاہا گیا تھا۔

وہ اتنی بے خبر تھی کہ نہیں جانتی تھی کہ انہیں کیا پسند تھا اور کیا ناپسند؟ وہ کون سا رنگ پہننا پسند کرتے تھے کیا کھانا پسند کرتے تھے اور کیا سوچتے تھے؟ وہ اسے کیسا دیکھنا چاہتے تھے؟ اسے بس اتنا پتہ تھا کہ انہیں اس کا بننا سنورنا پسند نہیں تھا اور بس اس سے زیادہ وہ کچھ نہ جانتی تھی۔

اس نے نم آنکھوں سے ڈائری بند کر دی اور پھر بے جان ہاتھوں سے ایک تصویر اٹھا لی، اس میں اسلام آباد کے پہاڑی علاقے کا خوبصورت منظر تھا، اس تصویر کے پیچھے بھی ایک مکمل کہانی تھی، اسے یاد آیا جب بڑے ماموں کے بڑے بیٹے یعنی سجاول بھائی کی شادی ہوئی تھی تو وہ نگینہ بھابھی کو گھمانے کے لئے اسلام آباد اور مری لے کر گئے تھے، یہ اسی جگہ کی تصویریں تھیں اور جب اسے پتہ چلا تھا کہ اس کے ہونے والے شوہر بھی اسلام آباد میں تعینات تھے تو اس نے چپکے سے ان کی تصاویر میں سے ایک تصویر نکال لی تھی، اس تصویر میں صرف اس پہاڑی علاقے کا منظر تھا اور پس منظر میں ڈھیر ساری عمارات تھیں، وہ شادی سے پہلے اکثر اس تصویر کو دیکھ کر سوچا کرتی تھی کہ وہ بھی انہی عمارتوں میں کہیں رہتے ہوں گے اور یہ سوچ اس کے اندر ایک عجیب سی خوشی بھر جایا کرتی تھی۔

اس نے سوچا تھا کہ وہ ان سے ضرور فرمائش کرے گی کہ وہ اسے بھی اسلام آباد لے کر جائیں، وہ بھی چاہتی تھی کہ وہ ایک حویلی سے نکل کر ساری دنیا نہ سہی اس کی ایک جھلک تو دیکھے مگر۔

ہم نے چاہا تھا کہ تقدیر نگوں ہو جائے

کے مصداق فرق پتہ نہیں کہاں تھا کہ یہ ممکن نہ ہو سکا تھا۔

کہیں باہر لے کر جانا تو دور کی بات تھی وہ تو اسے اپنے گاؤں تک میں نہ لے کر گئے تھے وہ صرف شیش محل میں آئی تھی اور اس کے باہر کی دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا اس کی قسمت میں صرف شیش محل کے اندھیرے آئے تھے اور یہ کتنی عجیب بات تھی کہ جب بھی اس کی اپنی ماں سے بات ہوتی وہ بہت یقین سے مسکرا کر انہیں اپنے خوش ہونے کا ثبوت دیتی تھی اور فون بند کرنے سے پہلے ہمیشہ ''سب ٹھیک ہے'' کا کلیرنس سرٹیفکیٹ ان کے ہاتھ میں تھمانا نہ بھولتی تھی، اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہ تھا۔

اب جو ہوا تھا وہ اس پر جتنا بھی روتی، ماتم کرتی کم تھا اب کی بار اس نے اپنا مان اپنی تکریم اور عزت نفس کھو دی تھی، بس اتنا ہی تو کہا تھا ان سے کہ ابھی مت جائیں اور وہ قصوروار ٹھہرا دی گئی، اس کے والدین کی تربیت کو قصوروار ٹھہرا دیا گیا، وہ تو جیتے جی مر گئی تھی، بھلا اس سے بڑھ کر ذلت کیا کم تھی کہ انہوں نے وقار سے گر جانے کا طعنہ دے دیا تھا، وہ بار بار ان کے الفاظ یاد کرتی اور نئے سرے سے رونے لگتی اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی ڈائری کے صفحات بھرتے چلے جاتے۔

☆☆☆

کیا تم نے دیکھا ہے
کبھی کوئی ایسا بچہ؟؟؟
جسے اس کے ماں باپ
روتا چھوڑ کر چلے گئے ہوں!!!

دارا اور وہ تب سے بیٹھے رو رہے تھے، ماں نے اسے مارا تھا کیونکہ وہ بار بار اپنے بابا کا پوچھتی تھی جو کہ انہیں چھوڑ کر کہیں چلے گئے تھے، اب وہ ساری بات دارا کو بتا کر اس کی ہمدردی سمیٹ رہی تھی، جو کہ اسے چپ کرواتے ہوئے خود بھی رو پڑا تھا۔

شہزادی کو قید کر دیا گیا، اس کا جرم بہت بڑا تھا، اس نے دیوزاد کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

حکم کیا تھا؟

وہ اسے ہنستا دیکھنا چاہتا تھا، ہر وقت ہر صورت اور وہ معصوم شہزادی کیسے ہنستی؟ اسے تو جدائی رلاتی تھی اپنے ماں باپ سے دوری کی جدائی۔

☆☆☆

سردی کی خون سرد کر دینے والی سردی اور دھند بھرے دنوں کے باعث ہونے والی چھٹیوں میں وہ بنا اطلاع کے اچانک چلے آئے۔

یہ مغرب کا وقت تھا جب کہ وہ معمول کے مطابق ماں کے پیروں اور ٹانگوں پر مالش کر رہی تھی جب دروازے پہ ان کے سلام کی آواز نے انہیں چونکا دیا، ماں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

وہ ان کے پاس آ کر ذرا سا جھک گئے، ماں نے دونوں بازو پھیلا کر انہیں سینے سے لگا کر ان کا ماتھا چوما تھا، دارین نے مدھم سا سلام کیا، وہ جواب دیتے ہوئے ماں کے ساتھ بیٹھ گئے، دارین کے ہاتھ ذرا سے کانپے مگر وہ وہاں سے اٹھی نہیں، اس نے اسی طرح اپنا کام جاری رکھا، اب وہ ماں سے محو گفتگو تھے، بڑے مودب و نرم لہجے میں محبت سے بھرپور انداز میں ان کو ان کے سوالوں کے جواب دیتے ہوئے وہ کتنے مختلف لگ رہے تھے، دارین کی نظر بار بار ان پر اٹھ رہی تھی، تبھی ماں نے اسے یہ کہہ کر ٹوکا تھا کہ وہ حیدر کے لئے کچھ لے کر آئے، مگر وہ کپڑے بدلنے کا کہہ کر خود بھی اٹھ گئے، ماں نے اسے بھی فوراً پیچھے جانے کا اشارہ کیا تھا، وہ خاموشی سے ان کی بات مان کر اٹھ گئی، کمرے میں آ کر انہوں نے ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں کی تھی، اس نے انہیں شلوار کرتا نکال کر دے دیا اور وہ نہانے چلے گئے، جب وہ نہا کر لوٹے تو ان کا موبائل بج رہا تھا، وہ بال بنانے میں مصروف تھے جبھی انہوں نے دارین کو موبائل پکڑانے کا اشارہ کیا تھا، دارین نے بہت ڈرتے ڈرتے ان کا خوب بڑا سا سیاہ رنگ کا موبائل دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور ان کی طرف بڑھا دیا۔

وہ موبائل کان کے ساتھ لگا کر بات کرنے لگے اور دارین ان کا سامان سیٹ کرنے لگی، جتنی دیر وہ بات کرتے رہے وہ بھی مصروف رہی جیسے ہی انہوں نے فون کان سے ہٹایا وہ پھر سے ان کے نزدیک آ گئی۔

''کھانا نہیں کھاؤں گا میں، بس چائے لے آؤ۔'' انہوں نے کہتے ہوئے عادتاً سگریٹ نکال کر سلگایا اور بیڈ پر نیم دراز ہو گئے، وہ سر ہلاتے ہوئے باہر نکل گئی، اس کا مطلب یہ تھا کہ آج کا کھانا پھر گیا۔

جب وہ چائے لے کر آئی تو پھر سے فون پر مصروف تھے، وہ ان کے قریب چائے رکھ کر پھر سے باہر نکل گئی، کچھ دیر بعد واپس آئی تو ایک بدلے ہوئے لباس اور دھلے ہوئے چہرے کے

ساتھ تھی، کمرے میں ایک بار پھر سگریٹ کا دھواں، ان کی انگلش اور مدھم روشنی تھی، وہ آہستہ سے بیڈ پر بیٹھ گئی، دونوں ہاتھ سر پر لے جاتے ہوئے اس نے انہیں دیکھا جو کہ فون بند کر کے اب مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہو چکے تھے، پھر انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے پاس بلالیا، وہ اٹھ کر ان کے پاس چلی آئی، انہوں نے ایک ہاتھ سے سگریٹ بجھاتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اسے قریب کرلیا اور روشنی مدھم کر دی، دارین نے اس نیم تاریکی میں بہت غور سے ان چہرے کو دیکھا، نجانے کیوں اسے لگا ان کی آنکھوں میں سرخی اتری ہوئی تھی اور پھر سارے کمرے میں یہ سرخی پھیل گئی تھی۔

اگلی صبح وہ جاگ ہی نہ سکی، ماں کی نماز قضا ہو گئی، حیدر کا موڈ سخت برہم تھا، انہوں نے دارین کو ماں کے سامنے اتنا سخت ڈانٹا تھا کہ وہ لرزتی ٹانگوں کے ساتھ روتی جارہی تھی مگر وہاں اس کی وضاحت سننے والا کوئی نہ تھا، ماں نے بھی درمیان میں بولنے کی کوشش نہ کی تھی، شاید حیدر کے غصے کی وجہ سے وہ بھی خائف تھیں۔

جب انہوں نے اسی غصے سے اسے وہاں سے جانے کا کہا تو وہ بھاگنے کے سے انداز میں وہاں سے نکل گئی، اپنے کمرے میں آکر اس نے بمشکل اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے اپنا حلیہ ٹھیک کیا تھا، یہ ناشتے کا وقت تھا اور اگر ناشتے میں تاخیر ہو جاتی تو شاید نا قابل معافی ہوتی، جبھی وہ خود پر قابو پا کر ناشتے کی تیاری میں لگ گئی، ناشتے کی ٹرے اٹھا کر جب وہ ماں کے کمرے کی طرف گئی تو اندر سے اٹھنے والی بلند آوازوں کے باعث اسے رک جانا پڑا۔

''دارین ایک لاپرواہ اور غیر ذمہ دار لڑکی ہے ماں، آپ ابھی کا واقعہ دیکھ لیں، میں نہیں سمجھتا کہ وہ اس قابل ہے کہ ایک بچے کی دیکھ بھال کر سکے، اس لئے آپ ابھی اس موضوع کو بند رہنے دیں اور پوتے کو فی الحال بھول جائیں۔'' ان کا لہجہ تلخ سرد اور دوٹوک تھا، اسے لگا چاروں طرف سے اس پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی گئی تھی، یوں جیسے اس کے سر پر آسمان ٹوٹ پڑا، یہ کیا کہہ رہے تھے وہ؟ وہ یعنی دارین چوہدری ان کی شرعی بیوی اس قابل نہ تھی کہ ان کی اولاد پیدا کر سکتی؟ سارا دن اس کا دماغ جیسے کسی خلا میں معلق رہا، وہ بھاگ بھاگ کر سارے کام کرتی رہی، کبھی ماں کو وضو کروانا، کبھی سر میں مالش کرنا کبھی ان کے لئے یخنی بنانا دوسری طرف حیدر کے کام بھی ایسے ہی کرتی رہی، پتا نہیں کیوں وہ خود کو ذمہ دار ثابت کرنا چاہتی تھی، دسمبر کی سرد رات میں ایک بارش اس کے اندر اتر آئی تھی۔

وہ حیدر چوہدری کے نزدیک اس قابل نہ تھی کہ اس کے ساتھ چند پل تو گزارہ کیا جاتا مگر اس قابل نہیں تھی کہ ان کا وارث پیدا کر سکتی۔

''اتنا تضاد؟ ایسی منافقت؟'' اس کا دل چیخ چیخ کر رونے کا چاہا مگر ہمیشہ کی طرح اس نے ہونٹ بھینچ کر ضبط کے بند باندھ لئے۔

ضبط غم آسان نہیں عالی
آگ ہوتے ہیں وہ آنسو جو پیے جاتے ہیں

یہ آگ بھی اس کے اندر اتر گئی، اس کو اپنے سرخ شعلوں سے جھلسا کر اس کا کلیجہ جھلسا گئی۔

حیدر کے سونے کے بعد بھی وہ جاگتی رہی، یہ خوف بہت بھاری تھا کہ اگر آج بھی وہ نہ جاگ سکی تو؟ اس خوف نے اس کی نیندیں اڑا دیں اور تہجد کی اذان ہوتے ہی اس نے بستر چھوڑ دیا۔

☆☆☆

دارا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے واپس بٹھا دیا، وہ بہت ناراض تھی، سب سے ناراض اور

خفا۔

''پتا ہے دارا، میرا دل کیا چاہتا ہے؟''

''کیا؟''

''میرا دل چاہتا مجھے اچانک سے کوئی بہت بڑی بیماری لگ جائے اور پھر سب میرے پاس آ جائیں، میری بات سنیں، میری فرمائشیں پوری کریں، مجھے پیار کریں اور پھر...... میں مر جاؤں لیکن تم از کم کچھ روز کے لئے ہی سہی سب کا پیار اور توجہ تو حاصل کر سکوں۔'' وہ حسرت سے کہہ رہی تھی، دارا سفید چہرہ لئے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ایسا کیوں کہہ رہی ہو، سب پیار کرتے ہیں تم سے؟'' وہ افسردگی سے کہہ رہا تھا، انداز کسی قدر کمزور مگر یقین دلانے والا تھا۔

''جھوٹ ایک دم جھوٹ کوئی پیار ہیں کرتا مجھ سے۔'' وہ چلا کر کہتی رونے لگی۔

''میں تو پیار کرتا ہوں نا تم سے۔''

''مگر تم تو بھائی ہو میرے، تم تو کرتے ہو مجھے پتا ہے، مجھے سب کا پیار چاہیے۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی اور یہاں آ کر دارا بے بس تھا۔

☆☆☆

دسمبر کی سردی بہت سخت تھی اور کھلے علاقے کی وجہ سے دھند بھی خوب چھائی ہوئی تھی، مگر اس کے باوجود وہ پچھلے صحن میں گرم چادر لپیٹے ماں کے زیر استعمال جائے نمازیں دھو رہی تھی اور پاس کھڑے عیشاں صرف اس کا منہ دیکھ رہی تھی، وہ اسے کچھ کرنے ہی نہ دیتی تھی، اس کے بعد اس نے برآمدے میں خشک ہونے کے لئے ڈلوائے اور پھر کچن کی طرف بڑھ گئی، ملازماؤں کو ضروری ہدایات دینے کے بعد اس نے کھانا لگوانا شروع کر دیا، ماں اور حیدر اور بابا کو کھانے کا کہہ کر وہ لباس تبدیل کرنے کمرے میں آئی تھی، اس کی آستین گیلی تھیں اور اس لباس میں وہ قطعاً میز پر نہیں جا سکتی تھی۔

مگر سامنے حیدر کو دیکھ کر ٹھٹک گئی، پتہ نہیں وہ کمرے میں کب آئے، وہ تھوڑا سا آگے بڑھی تھی جب ان کی آواز پر رک گئی۔

''ادھر آؤ دارین۔'' انہوں نے کہا تو وہ ان کے قریب آ گئی۔

''یہاں بیٹھو۔'' انہوں نے اس کا بازو پکڑ کر اسے بیڈ پر بٹھا دیا، جبکہ خود وہ موبائل پکڑ کر اس کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

''اب ادھر دیکھو۔'' انہوں اپنی طرف اشارہ کیا، اس نے الجھی ہوئی نظروں سے دیکھا جب انہوں نے بٹن دبایا، کیمرے کا فلش چمکا اور تصویر موبائل میں قید ہو گئی، انہوں نے رک کر ایک لمحہ تصویر کا جائزہ لیا اور پھر سر ہلاتے ہوئے اسے جانے کا اشارہ کر دیا، وہ اسی الجھن کا شکار اٹھ کر اندر کی طرف بڑھ گئی، پتا نہیں انہوں نے کیا کیا تھا؟ وہ تو اسی بات پر شکر منا رہی تھی کہ انہوں نے گیلی آستین نہیں دیکھی تھیں ورنہ اسے یقیناً بہت سخت ڈانٹ پڑتی۔

کھانے کی میز پر وہ پھر سے ابلی سبزیاں سیاہ مرچ میں پکی ہوئی چپاتی کے ساتھ کھا رہی تھی جب ماں نے اسے ٹوکا۔

''بہو خانم! ٹھیک سے کھانا کھایا کرو، یہ کیا تم میری طرح بیماروں والا کھانا کھاتی ہو۔'' ان کی نظریں اس کی پلیٹ پر تھیں، سب کے سامنے اس طرح ٹوکے جانے پر وہ بری طرح شرمندہ ہوئی تھی اور اس سے زیادہ گھبرا گئی تھی۔

حیدر کی کڑی نظروں کا گھیرا خود کے گرد دیکھ کر اس کی آواز بھی حلق میں گھٹ گئی تھی، ورنہ شاید وہ کوئی وضاحت دے دیتی۔

اور اس رات وہ بہت دیر تک لباس تبدیل

کرنے کے بہانے چھپ کر روتی رہی پتہ نہیں کیوں آج دل چاہ رہا تھا وہ حیدر کے پاس نہ جائے اور جب وہ کمرے میں آئی تو وہ حسب معمول موبائل پر مصروف تھے۔

وہ سست روی سے بیڈ کے ایک سرے پہ ٹک گئی، اسے اس بات کا اندازہ تھا کہ اپنے کاموں سے فارغ ہو کر جب وہ اس کی طرف متوجہ ہوں گے تو روشنی گل ہو جائے گی اور یہ ایک لحاظ سے اس کے لئے بہتر ہی تھا، شاید وہ اس کی سوجی آنکھیں دیکھ کر مزید برہم ہوتے اور سوالات کرتے اور جن کے جوابات یقیناً اس کے پاس نہ ہوتے، ویسے بھی اب وہ اسے مسکرانے کو نہیں کہتے تھے، یہ بھی ایک طرح کی آزادی ہی تھی ورنہ اگر مسکرانے کی کوشش میں اس کی آنکھیں چھلک پڑتیں تو کتنا برا ہوتا، اسے کتنا دکھ ہوتا اگر وہ اسے پھر سے جھڑک دیتے اور ان کی آنکھوں میں وہ سرخی اتر آتی جس سے اسے انتہائی ڈر لگتا تھا۔

اس کے ہاتھ انتہائی ٹھنڈے تھے اس نے کمبل کھول کر پھیلا دیا پھر دونوں ہاتھ کمبل میں چھپا لئے، ساتھ ہی دزدیدہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا جن کو سردی کا کوئی اثر ہی نہ تھا، پھر اس نے آگے بڑھ کر کمبل ان کے اوپر بھی ڈال دیا، سبز شال اوڑھے ہوئے سرد ہاتھوں سے جب وہ ان پر کمبل درست کر رہی تھی تو انہوں نے ہاتھ پکڑ وہیں روک لیا تھا، اس نے یکدم نظریں اٹھا کر دیکھا تو دونوں کی نظریں ملی تھیں اور حیدر کے تاثرات یکدم بدل گئے، ان کے چہرے پر الجھن اور آنکھوں میں حیرانی تھی، انہوں نے الوداعی کلمات کہتے ہوئے فون بند کر دیا تھا، فون انتہائی عجلت میں بند کرنے کی وجہ نامعلوم کیا تھی اور دارین اندر سے انتہائی پریشان ہو گئی تھی، اسے احساس ہو گیا کہ وہ پکڑی جا چکی تھی۔

فون بند کر کے ایک طرف پھینکتے ہوئے ان کا انداز بہت جارحانہ تھا، ان کے بدلتے موڈ نے اس کی دھڑکنیں بدل دیا کرتے تھے۔

''کیا ہوا ہے؟'' اس کا ہاتھ چھوڑ کر انہوں نے اسے شانوں سے تھام لیا تھا، دارین کا رنگ بدل گیا۔

اس نے آہستہ سے نفی میں سر ہلا دیا، اس کے اس طرح سر ہلانے پہ حیدر کا رنگ بدل گیا تھا، انہیں اس کا سر ہلانا بے حد گراں گزرا تھا۔

''تم جانتی ہو تم کس سے بات کر رہی ہو؟'' انہوں نے طیش میں آئے بغیر سوال کیا تھا مگر لہجہ اتنا زہر خند تھا کہ دارین کا دل کہیں اندر ہی ڈوبا تھا اس کا سر کچھ مزید جھک گیا۔

''یہ کیا طریقہ ہے بات کرنے کا؟ اخلاقیات کا پتہ نہیں ہے تمہیں؟'' اس بار انداز اور بھی سخت تھا اور یہ کہتے ہوئے یکلخت انہیں احساس ہوا کہ وہ لرز رہی تھی، انہوں نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر اسے اٹھایا تو اس کی آنکھیں بھری ہوئی جھیلیں بنی ہوئی تھیں جو کسی بھی لمحے چھلک پڑنے کو تیار تھیں، انہوں نے نرمی سے انگلی اس کی آنکھ پر پھیری تو وہ یکدم چھلک گئی اور ان کے ہاتھ کی پشت پر آنسوؤں کے قطرے ٹپک پڑے، وہ چند لمحے اسے دیکھتے رہے، اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں اور رونے کے سبب اس کی ناک سرخ ہو رہی تھی، مگر مجال تھی کہ اس کی کوئی سسکی اس کے لبوں کی قید سے آزاد ہو پاتی۔

''مجھے میری اماں یاد آ رہی ہیں۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں بمشکل کہا تھا، وہ اس کی بات پر ایک دم چونک گئے۔

''تو تم ان سے فون پر بات نہیں کرتی؟'' وہ

حیرانی سے استفسار کر رہے تھے۔

''کرتی ہوں مگر میں ان سے ملنا چاہتی ہوں۔'' اس نے گڑگڑاتے ہوئے عرضی پیش کی تھی۔

''یہ ممکن نہیں دارین، تمہاری یہاں پر موجودگی ازحد ضروری ہے، کیونکہ ماں کی ساری ذمہ داری تم پر ہے۔'' انہوں نے بہت ٹھنڈے لہجے میں انکار اس کے منہ پر مارا تھا۔

دارین کے دل پر ایک خنجر سا لگا تھا، اس ایک لمحے کو نظریں اٹھا کر ان کو دیکھا پھر سر جھکا دیا۔

''جی!'' وہ سر ہلا کے بولی تھی، حیدر کے چہرے پر عجیب سی چمک تھی۔

''جاؤ شاباش میرے لئے چائے بنا کر لاؤ۔'' وہ اس کا گال تھپک کر بولے تھے، وہ میکانکی انداز میں اٹھ گئی، کچن میں آ کر اس نے چائے بناتے ہوئے نل سے کوئی دس مرتبہ منہ دھویا تھا، مگر آنسو تھے کہ رکتے ہی نہ تھے، چائے بنا کر مگ میں ڈالتے ہوئے اس نے آخری بار منہ دھویا اور ان کے کمرے کی طرف آ گئی۔

وہ بیڈ پر نیم دراز تھے، اس کے آہستگی سے دروازہ بند کرنے پر وہ اس کی طرف متوجہ ہو گئے، اس نے چائے ان کے پاس میز پر رکھ دی اور پھر خود دوسری طرف آ گئی، کمبل اوپر لیتے ہوئے اس نے انہیں دیکھا، وہ چائے کا کپ اٹھا رہے تھے۔

''آپ سے ایک بات پوچھ سکتی ہوں؟''

اس کی آواز میں واضح ہچکچاہٹ اور ڈر تھا۔

''ہاں بولو۔'' انہوں نے چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے اجازت دی تھی۔

''میں جاہل ہوں، بہت غیر ذمہ دار اور لاپرواہ ہوں، مجھے بولنے کی تمیز نہیں، مجھے کچھ نہیں آتا، مگر آپ مجھے بتائیں، مجھے سکھائیں، آپ مجھے کیسا دیکھنا چاہتے ہیں؟ میں ویسا بننے کی پوری پوری کوشش کروں گی۔'' وہ بہت اٹک اٹک کر بول رہی تھی، پور پور احساس کمتری میں ڈوبا لہجہ۔

''بہت بے وقوف ہو تم۔'' وہ ہنس پڑے۔

''میں تو مرد ہوں، میں تو ایسا ہی رہوں گا کبھی نہیں بدل سکتا، چاہوں بھی تو بھی نہیں بدل سکتا، میرے سامنے تم سونے کی بھی بن کے آ جاؤ گی میں تب بھی خامی ڈھونڈ لوں گا۔'' وہ مذاق اڑا رہے تھے، دارین کا دل کہیں اتاہ گہری میں ڈوبتا جاتا تھا۔

''اس لئے کہتا ہوں میرے پیچھے مت بھاگو۔''

''اللہ سے دعا کیا کرو کہ تمہیں ایسا بنا دے کہ تم اسے پسند آ جاؤ۔'' انہوں نے بہت خوبصورتی سے بات سمیٹ کر چائے کا مگ ایک طرف رکھا، روشنی گل کی اور اس کو نزدیک کر لیا، وہ بہت سرد ہو رہی تھی، حیدر نے کمبل اس کے اوپر کرتے ہوئے اس کو اپنے بازو پہ لے لیا، پھر اس کی آنکھیں کو چومتے ہوئے اس کو سینے سے لگا لیا، پھر اس کو ایک گڑیا کی طرح بازوؤں میں لے کر اپنی مرضی سے توڑنے موڑنے لگے، مگر وہ کانچ کی گڑیا نہ تھی جو ذرا سی ٹھیس لگنے سے ٹوٹ جاتی وہ تو ربڑ کی گڑیا تھی، جتنا بھی توڑ لو، جتنا بھی استعمال کر لو، جتنی بھی اذیت دے لو واپس اسی حالت میں آ جاتی تھی۔

اور اگلی صبح بہت عجیب واقعہ ہوا، وہ نہا کر نکلی تو بہت دیر تک خود کو آئینے میں دیکھتی رہی، اس کی آنکھوں کے گرد گہرے حلقے نظر آ رہے تھے، پھر سر جھٹک کر اپنے کمرے کی طرف آ گئی، ابھی وہ بستر سے کچھ دور تھی جب یکدم ہی اس کا سر گھومنے لگا، اس نے سہارے کے لئے کسی چیز کو پکڑنے کی کوشش کی مگر بے سود، وہ پورے وزن

کے ساتھ زمین پر گری تو حیدر کی آنکھ کھل گئی تھی۔

وہ ایک دم سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھے تھے، انہوں نے اسے گرے دیکھا تو ایک لمحہ کو ان کا رنگ بدلا تھا پھر انہوں نے خود کو سنبھالتے ہوئے آگے بڑھ کر اسے اٹھایا اور بیڈ پہ لٹا کے اس پر کمبل درست کرتے ہوئے اس کی نبض دیکھی تھی اور پھر اس کے چہرے پہ پھیلے بال پیچھے کر دیئے، اس کے چمکیلے بال گیلے تھے، یقیناً وہ نہا کر نکلی تھی، انہوں نے اس کا تنفس دیکھا، اس کا سانس اٹک رہا تھا، ان کے چہرے پر تشویش لہرا گئی، اس کا ہوش میں آنا ضروری تھا، وہ اسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگے اور کچھ دیر بعد اسے ہوش آ گیا، اس کی مردہ نظر آتی آنکھیں کچھ دیر چھت پر جمی رہی تھیں پھر جیسے اسے ماحول کا ادراک ہوا اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا، اب اس کی نظریں جو حیدر پر پڑیں تو وہ قدر گھبرا گئی، اس نے بے ساختہ اٹھنے کی کوشش کی مگر وہ اس میں ناکامی رہی، اس کی کہنی میں بری طرح درد ہو رہی تھی اور اٹھنے کی کوشش میں جب اس نے کہنی پر دباؤ ڈالا تو ایک کراہ کے ساتھ واپس لیٹ گئی، وہ آہستگی سے اس کے پاس آ گئے، اس کا بازو پکڑ کر انہوں نے آستین اوپر کی تو کہنی پر نیل تھا، یقیناً اسے گرتے وقت یہی کہنی دباؤ میں آ گئی تھی، وہ اٹھ کر مرہم نکال لائے اور مالش کرنے لگے، پھر اس کی آستین برابر کر کے اس کے سامنے بیٹھ گئے۔

''اب ٹھیک ہو؟'' ان کا لہجہ نرم تھا۔

دارین نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا، اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار تھے۔

''کیا ہوا تھا؟'' وہ پوچھ رہے تھے۔

''پتہ نہیں چلا، میں بس ادھر آ رہی تھی تو ایک دم سے آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا اور میں گر گئی۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

ان کے چہرے پر تشویش کے رنگ تھے اس کا یوں بے ہوش ہونا ٹھیک نہیں تھا، انہوں نے اس کا چہرہ دیکھا، اس کی آنکھوں کے گرد نیلے گہرے حلقے تھے اور وہ بہت کمزور لگ رہی تھی، انہوں نے نظر اس پر سے ہٹا لی۔

اور دوپہر میں جب وہ ماں کے پاس بیٹھے تھے تو انہوں نے دبے دبے انداز میں ماں کو سب بتا دیا، وہ خاموشی سے ان کی بات سنتی رہیں پھر دھیرے دھیرے انہیں سمجھانے لگیں۔

''دارین اچھی لڑکی ہے حیدر، بے وقوف ہے مگر کام سنبھال لیا ہوا ہے اس نے یہاں کا، تھوڑی لاپرواہ ہے اور اسی وجہ سے کھانے پر توجہ نہیں دے پاتی اور شاید اسے عادت ہی نہیں مرغن غذاؤں کی، جو بھی صورت حال ہے، میں کوشش کروں گی کہ اس کی خوراک کا خاص دھیان رکھوں اور تم بھی اسے تاکید کر دینا۔'' وہ سر ہلا کر اٹھ گئے، آج ان کا یہاں آخری دن تھا، کل وہ واپس جا رہے تھے، رات سونے سے پہلے عیشاں ان کے کمرے میں دو بڑے گلاس دودھ کے رکھ گئی، دارین نے حیرانی سے یہ منظر دیکھا اور جب حیدر نے اسے دودھ پینے کو کہا تو وہ حیرت سے تقریباً گر جانے والی ہو گئی تھی، ان کے بالکل سامنے بیٹھ کر اس نے گھونٹ گھونٹ دودھ پیا اور پھر گلاس رکھنے چلی گئی۔

واپس لوٹی تو وہی خاموشی اور تاریکی اور سگریٹ کا دھواں اس کا منتظر تھا اور اس نے دروازہ بند کیا اور ان کے برابر آ گئی، بے خیالی میں انہوں نے اسے ساتھ لگا لیا جب کہ سگریٹ ان کی انگلیوں میں سلگ رہا تھا اور وہ ان کے بازوؤں میں ایک ننھی لڑکی کی مانند سمٹی ہوئی تھی، کمرے کی فضا بوجھل اور غیر یقینی تھی، اس نے سر

ان کے سینے پر رکھا ہوا تھا اور پتہ نہیں مگر اس کا دل چاہا تھا وہ آنکھیں بند کر کے سو جائے، وہ آہستہ آہستہ اس کے گال سہلا رہے تھے، اسے پتہ تھا انہیں یہ کر کے پتہ نہیں کیا تسکین ملتی تھی کہ وہ اکثر ایسا کیا کرتے تھے۔

"کہیں اور تو چوٹ نہیں لگی تھی؟" انہوں نے سگریٹ راکھ دان میں بجھاتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"نہیں، اب ٹھیک ہوں۔" وہ آہستہ سے بولی تھی، اس کی آنکھیں بند تھیں پھر اس نے ذرا سا سیدھا ہوئے اپنا ہاتھ ان کے سینے پہ رکھ دیا، جہاں ان کا دل تھا، حیدر نے ایک نظر اسے دیکھا پھر اس کے ہاتھ کو جو سانس کی جنبش سے بہت مدھم سا اوپر نیچے ہو رہا تھا، وہ سو چکی تھی اور حیدر کے ماتھے پہ ایک شکن گہری ہوتی جاتی تھی۔

☆☆☆

اور ایک بار پھر وہ روتے ہوئے دارا کو کہانی سنا رہی تھی، جو گنگ سا اس کی باتیں سنی جاتا تھا اور بار بار بے یقینی سے یہی پوچھتا تھا۔

"کیا واقعی؟ انہوں نے ایسا کہا؟" وہ آنسو بہاتے ہوئے سر ہلا کر اسے بتا رہی تھی کہ ہاں واقعی ایسا ہی کہا تھا۔

"پھر کیا ہوا؟" اس نے بے تابی سے پوچھا، کہانی اپنے عروج پر تھی اور درمیانی وقفہ اسے بالکل پسند نہ تھا۔

"پھر شہزادی نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور دیوزاد کے غضب کو آواز دے دی، وہ ہر روز ایک زہریلا تیر شہزادی کے جسم میں گھونپ دیتا، یہ اس کی سزا دی۔" وہ زرد چہرے کے ساتھ انہیں بولتے ہوئے یوں محسوس کر رہا تھا جیسے وہ کیل اس کے جسم میں اتارے جا رہے تھے۔

☆☆☆

بہترین طرز کے سلے ہوئے تھری پیس میں ٹائی لگائے ہاتھ میں موبائل تھامے داخلی گزرگاہ کی طرف جاتے ہوئے انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے ڈرائیور کو دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا تھا، وہ مستعدی سے دروازہ کھول کر ان کا منتظر تھا، انہوں نے اندر بیٹھتے ہوئے دروازہ بند کیا اور گاڑی چل پڑی، اس نے کھڑکی کی درز سے ان کو جاتے دیکھا اور مایوسی سے پیچھے ہٹ گئی، وہاں دور افق میں ایک وہ سمت تھی جس کے رخ کو اس کے گھر کا راستہ جاتا تھا۔

اور جہاں اس کی ماں تھی، اس کی آنکھوں میں ٹھہری سی نمی تھی، جو نہ بہتی تھی نہ جمتی تھی، بس کھڑے پانیوں کی طرح جامد تھی، وہ آنکھوں کو مسل کر اپنے بستر پہ آ گئی، وہ یہاں پر چار دن رکے تھے اور ان چار دنوں کی روداد چار صدیوں پر محیط تھی۔

وہ اپنی ڈائری اور اپنے صفحات نکال لائی، کمرہ مقفل کیا اور پھر ایک بار پھر سے اس کی رکی انگلیاں حرکت میں آ گئیں، کورے ورق بھرنے لگے اور جب اس کے ہاتھ رکے تو حیدر چوہدری کی ایک اور تصویر صفحہ قرطاس پہ نمودار ہو چکی تھی۔

ہو بہو حیدر کے نقش اور وہی ماتھے کی شکن اور اس کے پرتاثر آنکھیں پھر اس نے سرخ رنگ اٹھایا اور جب واپس رکھا تو حیدر کی آنکھوں میں وہی گہری سرخی تھی، اس کی مٹھیاں بھینچ گئیں اور آنکھوں میں ٹھہری نمی مزید گہری ہو گئی۔

ہم کو تیری سرد مہری کی ہوا یخ کر گئی
اوڑھ کر احساس محرومی کی چادر سو گئے

پھر اس نے وہ ڈائری اٹھا لی۔

"پتہ نہیں حیدر اسے اتنا کم عقل، جاہل اور غیر ذمہ دار کیوں تصور کرتے تھے، شاید اس لئے

کہ وہ کم پڑھی لکھی تھی، صرف میٹرک پاس، مگر اس میں اس کا کیا قصور تھا، ابھی وہ اسی لحاظ سے کم عمر بھی تو تھی اور ابھی اگر امی اسے مزید پڑھنے کے لئے شہر میں لڑکیوں کے کالج بھجواتی تو وہ بھی ان کی طرح پڑھی لکھی اور سمجھدار بن جاتی شاید۔

مگر پھر اس کی شادی ہو گئی اور تب ہی اسے پتہ چلا کہ اس کا نام دراصل دارین نہیں تھا بلکہ جاہل، کم عقل، غیر ذمہ دار اور بے وقوف تھا، وہ کس قدر احمق تھی کیونکہ وہ ان کی طرح انگلش نہیں بولتی تھی۔

اس نے دم گھٹتے آنسوؤں کے ساتھ اپنے گال صاف کیے اور ذہن کو پیچھے کی طرف دوڑایا اور اسے ان کی ایک ایک بات یاد آ گئی، پھر اس کا قلم چلنے لگا، وہ ان کی وہ سب سنی ہوئی باتیں لکھ رہی تھی وہ سب باتیں جو انہوں نے دوسروں کے ساتھ کی تھیں، کیونکہ اس کے حصے میں ان کی توجہ نہیں آئی تھی، نہ ان کی باتیں آئی تھیں، اس کے حصے میں صرف خاموشیاں اور اندھیرے آئے تھے، وہ ان کی انگلش لکھ رہی تھی پھر وہ حیدر کی لائبریری سے انگلش کی بڑی سی ڈکشنری اٹھا لائی جسے اس نے ٹانگوں پہ رکھ کر کھول لیا، اب وہ حیدر کی انگلش ٹرانسلیٹ کر رہی تھی، ایک ایک لفظ کی اردو اور پھر با محاورہ ترجمہ اور وہ باتیں کیا تھیں؟ ان کے آفس کے معاملات تھے، ان کی ذاتی باتیں تھیں اور ان کی باتوں میں کہیں پر وہ بھی تھی، اس کا قلم تھمنے لگا۔

مگر رات کے آخری پہر جب کے صحن میں دھند کے قافلے اتر رہے تھے اس نے اپنا کام مکمل کر لیا تھا۔

ایک بار پھر سے وہی معمول شروع ہو گیا، وہ اسی طرح جاگتی، ماں کا خیال رکھتی، گھریلو معاملات میں حصہ لیتی اور پھر رات کی تنہائی میں تکیہ بھینچ کر سو جاتی، حیدر نے کہا تھا وہ بے وقوف اور کم عقل تھی، وہ اپنی بے وقوفی کو کم کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ کتابیں پڑھتی، اس کے لئے حیدر کی لائبریری کام آتی تھی، جس میں دنیا زمانے کی ہر کتاب جمع تھی، کتابیں پڑھنے کا موقع اس کے پاس رات کو ہی میسر ہوتا تھا، جس میں اس نے ابتدائی طور پر انگلش کے ذخیرے میں سے شیکسپیئر کا ڈراما ہیملٹ اور اردو میں مستنصر حسین تارڑ کی ہنزہ داستان منتخب کی تھی، جس رات اس نے ہنزہ داستان ختم کی اس سے اگلے دن وہ بہت گم صم اور خیالوں میں گم رہی، اس کا دل چاہتا وہ بھاگ کر ہنزہ چلی جائے مگر اس کے گرد شیش محل کی فصلیں بہت مضبوط تھیں۔

اس رات ان دو کتابوں کو واپس رکھ کر اس نے اشفاق احمد کی زاویہ اور ایلف کشف کی فورٹی رولز آف لو اٹھا لی، انگلش کی کتابیں وہ ہمیشہ ڈکشنری ساتھ رکھ کر پڑھتی تھی، اگرچہ اس کے باوجود اسے بہت سی چیزیں کنفیوژ کر دیتی تھیں، مگر پھر بھی یہ چیز اس کی دلچسپی کم نہیں کر پاتی تھی، وہ اپنے ذہن میں با محاورہ ترجمہ بنانے کی کوشش کرتی تھی اور اس کے بعد چھوٹے چھوٹے جملے اپنے ذہن میں بنانے کی کوشش کرتی تھی، اگر کسی چیز کی سمجھ نہ آتی وہ ڈکشنری سے تلفظ دیکھ کر لکھتی اور پھر اسے بولنے کی پریکٹس شروع کر دیتی، وہ غیر ارادی طور پر حیدر کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ وہ بھی ان کی بات سمجھ سکتی ہے۔

☆☆☆

”ہاں مجھے ایسی ہی بیوی چاہیے تھی، میرے انڈر رہنے والی جو آنکھ کے اشارے سے بات کو سمجھے اور مجھے اپنی عقل مندی دکھانے کی کوشش نہ کرے، مجھے تیز تیز بولنے والی بدتمیز لڑکیاں نہیں پسند۔“ ہلکی سی ہنسی، پھر قہقہہ۔

"اگر اس نے ایسا بننے کی کوشش کی تو میں اسے شوٹ کر دوں گا۔" مذاق اڑاتا اور دھمکی دیتا انداز۔

"ہاں بیوی ایسی ہی اچھی لگتی ہے، آپ کے کاموں میں مصروف، اسے اس کے لئے وقت نہیں ملنا چاہیے ورنہ وہ اپنی حیثیت بھول جائے گی۔" وہ پرغرور اور تکبر میں ڈوبا لہجہ۔

اس نے کانپتے ہاتھوں اور زرد چہرے کے ساتھ قلم نیچے رکھا اور بستر پر اوندھ گئی، اس کے سر میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔

تو حیدر چوہدری کے دارین اپنی بیوی کے متعلق یہ خیالات تھے، وہ سکتہ کی کیفیت میں تھی۔

☆☆☆

دن گزرتے جاتے تھے، اس دفعہ وہ بہت زیادہ مصروف تھے، گھر آ ہی نہ سکے ماں سے فون پر بات ہو جاتی اور بات تو اس سے بھی ہوتی تھی، وہ رسمی حال چال ہوں ہاں اور ماں کا خیال رکھنے کی تاکیدیں۔

وہ دم گھٹتے سانس اور جمے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ سنتی رہتی اور دل میں سوچتی وہ اس قابل نہ تھی کہ ان کی اولاد پیدا کر سکتی اس لئے اس نے ماں کو ہی اپنا بچہ سمجھ لیا تھا، انہیں نہلاتی دھلاتی، ان کے کپڑے بدلواتی، ان کے سر میں مالش کرتی، ان کو وضو کرواتی اور پھر ان کی وہیل چیئر دھکیل کر باہر لے جاتی، انہیں گھر کے کاموں میں شرکت کرنے کو کہتی اور پھر جب اس محل کے دیگر افراد جن میں سرفہرست فردوس خانم تھیں اس پر رشک کرتی تھیں اور اشاروں کنائیوں میں بیسوں بار ماں سے پوچھ چکی تھیں کہ خوشخبری کب دیں گے؟ ماں آگے سے خاموشی اختیار کر لیتی تھیں اور ان کی یہ خاموشی دارین کے اندر زہر سے بھرے کتنے ہی کیل گاڑ دیا کرتی تھی، نگینہ اور شبینہ اس سے پوچھتی تھیں کہ وہ اپنے گھر ماں سے کیوں نہیں جاتی اور اسے حیدر کا منہ توڑ انکار یاد آ جاتا، وہ کس قدر مضبوط تھی اس کا واقعی دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ گھر جائے اور یہ سوچ ہمیشہ اس کے اندر مزید درد بھر دیا کرتی، حیدر کے نزدیک ان کی ماں کس قدر ضروری تھیں کہ وہ لمحہ بھر کو بھی تنہا نہیں چھوڑنا گوارا کرتے تھے اور وہ کس قدر غیر اہم اور جذبات سے عاری تھی جو کہ گزشتہ گیارہ مہینوں سے اپنی ماں سے ملے بغیر زندہ تھی، واقعی وہ کس قدر سخت جان تھی، اس کی زندگی جیسے شیش محل میں ہی ختم تھی، وہ نگینہ شبینہ کو بڑے حوصلے سے کہا کرتی تھی کہ اب یہی اس کا گھر تھا، اب اس کا دل چاہتا تھا کہ ایک صبح آئے جب وہ سب جاگیں مگر وہ سوتی رہے اور پھر عشیان اس کے کمرے میں آئے اسے یہ بتانے کہ آج اس کی وجہ سے ماں کی نماز قضا ہو گئی مگر اسے مردہ جان کر واپس دوڑ جائے اور پھر حیدر کو کتنا دکھ ہو کہ وہ اپنی سرخ آنکھوں کے ساتھ آخری بار ڈانٹ بھی نہ سکے اور پھر اس کی امی آ جائیں، اس کے کفن شدہ وجود لپٹ جائیں اور تب شاید اس کی جلتی روح کو سکون مل جائے اور جب حیدر اس کے جنازے کو کندھا دیں گے تب وہ کس قدر شانتی پائے گی کہ ساری زندگی اس شخص نے اسے اپنے پیروں میں رکھا مگر جب وہ مر گئی تب اسے سر پہ اٹھانے پہ مجبور ہو گئے اور پھر جب اسے دفنا دیا جائے گا اور جب اندھیاری قبر میں وہ تنہا رہ جائے گی تب فرشتے آئیں گے اس کا حساب لینے اور جب وہ سسک سسک کر انہیں اپنے وجود میں گڑے کیل اور زہریلی سوئیاں دکھائے گی رو رو کر انہیں اپنے دل کے زخم اور روح کی جلن دکھائے گی تب فرشتے بھی اس کے ساتھ رو دیں گے۔" اور یکلخت اس کا قلم لرز گیا، اس نے سوچا

اگر حیدر کو یہ سب پتہ چل جائے تو وہ اس کا کیا حشر کریں گے، اس نے جلدی جلدی ڈائری چھپا دی تھی۔

☆☆☆

اس نے چائے کی پیالی اٹھاتے ہوئے کھڑکی سے پار دیکھا، جہاں نوکروں کے کوارٹرز میں ڈھولک بج رہی تھی، آج فیضاں (ملازمہ) کی بڑی بیٹی کی رسم حنا تھی، ماں کو اتنے شور شرابے سے چڑ تھی، ان کا دل گھبراتا تھا جبھی انہوں نے سلیقے سے منع کر دیا تھا اور جب وہ نہیں جا رہی تھیں تو دارین کے جانے کا تو سوال ہی نہ تھا اور باقی سب جا رہے تھے، وہ خاموشی سے ماں کے پاس بیٹھی ان کی باتیں سنتی جاتی تھی، عیشان بھی تو آج ہی اپنے گاؤں گئی تھی۔

"حیدر بچپن میں بہت شرارتی تھا، ہر وقت اپنے پیچھے دوڑاتا رہتا تھا، ڈر لگا رہتا تھا کہ اب گرا کہ تب، خوبصورت بھی بہت تھا، بہت جلد نظر لگ جاتی تھی، مجھے اتنا گھبرایا ہوا دیکھ کر اس کے بابا کہا کرتے تھے کہ تم سے ایک بچہ نہیں سنبھلتا اور میں کہتی تھی کہ اگر آپ میری جگہ ہوتے تو تب پوچھتی، کتنا بھاگنا پڑتا ہے اس کے پیچھے۔" وہ مگن سی بول رہی تھیں۔

دارین نے لاپرواہی اور غیر دلچسپی سے ان کی بات سنی تھی اس کا سارا دھیان ڈھولک کی آواز پر تھا۔

"اور دیکھو اللہ نے مجھے اس کی ذمہ داری سے آزاد ہی کر دیا۔" وہ افسردگی سے اپنی ٹانگوں کی طرف اشارہ کرتی ہوئی بولی تھیں۔

"بہو خانم۔" ان کو اس کی غیر دلچسپی دیکھ کر جیسے دکھ ہوا تھا۔

"جی ماں جی!" وہ ہڑبڑا کر متوجہ ہوئی تھی، اس سے پہلے کہ وہ مزید کوئی بات شروع کرتیں دروازے سے نگینہ، شبینہ، فیضاں اور دیگر افراد اندر آ گئے، ان سب کے اصرار تھا کہ چھوٹی بی بی یعنی دارین کو ساتھ لے کر جائیں گے، دارین نے بہتیرا انکار کیا مگر آخر کار ماں نے اسے جانے پہ آمادہ کر لیا اور جب ماں کا حکم تھا انہوں کہہ دیا تھا تو اس کے بعد وہ کچھ بول ہی نہ سکی تھی، اس لئے چپ چاپ اٹھ کر چلی گئی، کچھ دیر بعد وہ بہت خوبصورت ہلکے پیلے فراک میں ملبوس تھی، لڑکیوں نے شوق اور اصرار سے اس کی کلائیوں میں گجرے بھی پہنا دیئے تھے، جس سے اس کا روپ اور بھی کھل اٹھا تھا، وہ سب مل کر گیت گا رہی تھیں یہ پنجاب کے روایتی گیت تھے جو اس کی شادی پر بھی گائے گئے تھے۔

مگر آج جانے کیوں اسے رونا آ رہا تھا، اسے امی بے حد یاد آ رہی تھیں، پتہ نہیں زندگی ایسی کیوں تھی، کیا ساری شادی شدہ لڑکیاں اسی طرح اپنے والدین کے گھر جانے سے روک دی جاتی تھیں، اسے یاد تھا کہ اس کے ماموؤں کی بیٹیاں تو ان سے ملنے آیا کرتی تھیں اور ماموؤں کی بہوئیں بھی اپنے والدین کے ہاں رہنے جاتی تھیں پھر پتہ نہیں اس کی دفعہ ہی کیوں سارے اصول وضوابط بدل گئے تھے۔

اس نے سر جھٹک کر اپنا دھیان کھانے میں لگانے کی کوشش کی تھی مگر دو نوالے کھا کر ہی اس نے چھوڑ دیا، اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا، اس بے دلی سے ادھر ادھر دیکھا سب مصروف تھے وہ دھیمے قدموں سے چلتی فیضاں کی بیٹی کے پاس آ کر بیٹھ گئی، فیضاں اس گھر کی پرانی ملازمہ تھی، اس کی اہمیت سے بخوبی آگاہ تھی جبھی اس کے پاس آ کر اس سے باتیں کرنے لگی، وہ نیم غائب دماغی سے اس کی باتیں سننے میں مگن تھی جب اس نے محسوس کیا یکدم ہلچل سی مچ گئی تھی، اس نے

کھلی کھڑکی سے پار دیکھا، بیرونی گیٹ سے ایک گاڑی اندر آرہی تھی، اس سے پہلے کہ وہ جان پاتی کہ گاڑی کس کی تھی ایک لڑکی کھڑکی کے آگے آکر یوں کھڑی ہوئی کہ اسے بیرونی منظر نظر آنا بند ہوگیا، اسے بے چینی سی محسوس ہونے لگی، لڑکیاں اب دلہن کو مہندی لگا رہی تھیں کسی ایک نے لاڈ سے اس کا بھی ہاتھ تھام لیا، اس نے بہت چاہا کہ ہاتھ چھڑا لے انکار بھی کیا مگر کسی نے بھی اس کی نہ سنی اور پھر اس کی ہتھیلی پر بھی حنا کی خوشبو اور رنگ بھرنے لگا، اس کی ہتھیلی شاید ابھی آدھی ہوئی تھی کہ یکلخت جیسے کہرام مچ گیا، ایک ملازمہ دوڑتی ہوئی چلاتی ہوئی آرہی تھی۔

''بڑی بیگم صاحبہ چلی گئیں، چوہدرانی جی وفات پاگئیں۔''

☆☆☆

اس کے ہلکے پیلے فراک پر مہندی کے داغ تھے اور اس کی کلائیوں کے گجرے بکھر گئے تھے اور وہاں پھولوں کی جگہ صرف دھاگے تھے جو اس کی کلائیوں کے گرد ہتھ کڑی کی مانند لپٹے تھے، اس کی آنکھیں سوجی ہوئی متورم تھیں اور وہ زمین پر یوں بیٹھی تھی کہ اس کے زانوں ایک طرف جھک آئے تھے اور اس کے پیروں پہ مہندی کے داغ آسانی سے دیکھے جا سکتے تھے، یہ شیش محل کے بڑے کمرے کا منظر تھا اور وہاں کرسیوں پر بڑے بڑے افراد بیٹھے تھے جن کے چہرے تنے تھے اور جن کے ماتھے پر شکن تھے اور جن کی آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں پھوٹتی تھیں اور یہ سب کے سب وہ لوگ تھے جن کے ہاتھ میں اختیار تھا، فیصلے کا اختیار۔

اور ان سب کے درمیان وہ سنہری شہزادہ بھی فروکش تھا، جس کی آنکھوں سے کبھی اس نے روشنی کی کرنیں پھوٹتی دیکھیں تھیں، اسے یوں لگا آج سب ختم ہوگیا تھا، سب کچھ ہاتھ سے نکل گیا تھا۔

آج الزام واضح تھا بلکہ نہیں جرم واضح تھا، اس رات جب دارین ماں کو تنہا چھوڑ کر گئی تو وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کی قسمت اس کے ساتھ کیا کرنے جارہی تھی اور اس کی اک ننھی سی خواہش کیسے اس کے پیروں تلے سے زمین کھینچے گی وہ قطعاً لاعلم تھی۔

یہ پنچائیت حیدر چوہدری کے حکم پر بٹھائی گئی تھی جس کے مطابق دارین چوہدری پر الزام تھا کہ اس نے اپنی ساس یعنی زبیدہ خانم کو سازش کے مطابق قتل کر ڈالا تھا، سازش کچھ یوں تھی کہ اس نے جان بوجھ کر ملازمہ خاص عشیاں کو اس دن چھٹی پر بھیج دیا جبکہ وہ بخوبی آگاہ تھی کہ وہ دل کی مریضہ تھیں، دوسری طرف اسی رات وہ سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق انہیں ان کی دوا دیئے بغیر خود ملازمہ کی بیٹی کی شادی میں شرکت کے لئے چلی گئی۔

حیدر چوہدری کی طرف سے فرد جرم عائد کی گئی تھی کہ وہ چونکہ بخوبی آگاہ تھی کہ ان کی دوا کے اوقات کار کیا تھے اور چونکہ اس روز عشیاں بھی موجود نہ تھی تو اسے ان کے پاس رکنا چاہیے تھا اور اگر اسے جانا ہی تھا تو اسے چاہیے تھا کہ ان کی دوا دے کر جاتی اور سب سے خوفناک بات یہ تھی کہ جس وقت دارین وہاں رسم حنا میں موجود تھی، اسی دوران بن بتائے حیدر آگئے اور جو منظر ان کی آنکھوں نے دیکھا وہ ان کی روح تک کو لرزا گیا، ان کی پیاری ماں جن میں ان کی جان بند تھی، جن کو معمولی سی تکلیف پہنچنے پر وہ اتنے بے تاب ہوا کرتے تھے کہ اڑ کر آنے کو تیار رہا کرتے تھے اب جو انہیں سرپرائز دینے کے چکر میں بن بتائے آئے تو جو سرپرائز انہیں ملا وہ بہت خوفناک

تھا۔

ان کی پیاری ماں زمین پر گری ہوئی تھیں، دارین کے جانے کے بعد ایک دم طبیعت خراب ہونے پر جب انہوں نے گھنٹی بجانے کی کوشش کی تو اس میں ناکام رہیں، ان کا ہاتھ وہاں نہ جاسکا اور اس کوشش میں وہ بیڈ سے زمین پر گر گئیں اور اپنی زندگی بچانے کی ایک ناکام کوشش میں انہوں نے گھسیٹ کر دروازے تک جانے کی کوشش کی، وہ معذور تھیں، چل نہ سکتی تھیں اور اسی کوشش میں درمیان راہ میں انہوں نے جان جان آفرین کے سپرد کر دی تھی اور جب اس پر الزام ثابت ہو گیا تو پنچائیت کی طرف سے اسے صفائی کا موقع دیا گیا تھا، گھٹی گھٹی سسکیوں کے ساتھ وہ اپنی صفائی تو خاک دے پاتی بس یہی بولے چلی گئی کہ عشیاں کو ماں نے خود بھیجا تھا اس نے نہیں اجازت دی تھی، اس وضاحت پر فوری ردعمل دیا گیا تھا، عیشاں سے رابطہ کرنے کی کوشش کی گئی مگر اس کا نمبر بند تھا، صفائی کو کوئی راستہ نہ رہا، بچاؤ کی کوئی تدبیر نہ بچی اور اس کی زندگی کا فیصلہ سنا دیا گیا اور تب ہی تو اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری ہوئی تھی، اس کی ماں آئی تھیں اس کی امی جن سے ملنے کو اس کی روح تڑپتی تھی مگر ستم در ستم اس کی خواہش تا حال ادھوری رہ گئی، اسے اس کی ماں سے ملنے نہیں دیا گیا تھا، اس کی وجہ حیدر چوہدری کا فیصلہ تھا جس میں واضح تھا کہ کسی کو بھی اس سے ملنے کی اجازت نہ ہوگی اور پھر اسے اس تاریک کمرے میں بند کر دیا گیا، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مگر اس سے پہلے اس کے وجود سے سارے زیورات اتروا لئے گئے تھے۔

☆☆☆

حاصل زیست
درد اور تنہائی
اور اک سعی رائیگاں
اور تاریکی
اور اگر یہ مکافات عمل تھا تو
لاؤ...... سجاؤ دربار......!!
لگاؤ کٹہرا......!!!
مجرم حاضر ہو......!!!

اور مجرم حاضر کر دیا گیا، وہی کمرہ تھا، وہی ماحول تھا، وہی گھٹا ہوا اور بوجھل پن اور سنہری شہزادہ اپنے تخت پہ فروکش تھا، وہ دو دن سے اس کمرے میں قید تھی، اس کی آنکھوں کے گرد گہرے حلقے تھے اور اس کا رنگ زرد تھا، اس کا لباس میلا اور مسلا ہوا تھا، وہ بمشکل اپنے پیروں پہ کھڑی تھی اگر اسے دو ملازماؤں نے نہ تھاما ہوتا تو وہ کھڑی نہ ہو پاتی اور جب حیدر کے حکم پر ملازمائیں اسے چھوڑ کر کمرے سے نکل گئیں تو وہ پہلے ذرا سا لڑکھڑائی اور پھر زمین پر گر گئی، نقاہت اور کمزوری حد سے بڑھتی جا رہی تھی، کل رات اس نے باسی روٹی کے چند نوالے کھائے تھے اور تا حال اسے کھانے کو کچھ نہ دیا گیا تھا۔

اسی وقت دروازہ پھر سے کھلا اور شبینہ اندر آ گئی، اس نے دارین کو دیکھا اور اس کے چہرے پر عجیب سی نفرت ابھر آئی، وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ آئی اور پھر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

''مجھے افسوس ہے بھابھی بیگم آپ کی اک ذرا سی لاپروائی ہماری خالہ امی کی زندگی چھین کر لے گئی، اس رات خالہ امی نے بارہا ان کی منتیں کی تھیں کہ بہو خانم مت جاؤ، مجھے طبیعت میں کچھ گرانی سی محسوس ہوتی ہے، مگر آپ تو خدا جانے کون سے منصوبے پر تھیں، کس قدر تلخ اور روکھے لہجے میں آپ نے انہیں کہا تھا کہ۔''

''خدارا آپ پر زندگی کی خوشیاں تنگ مت کی جائیں آپ کون سا کہیں آتی جاتی ہیں، آپ

کو تو اپنی امی کے گھر جانے کی اجازت بھی نہیں، اب آپ پر اور کتنا زندگی تنگ کی جائے گی؟ آپ نے واضح الفاظ میں بے رحمی سے اس کا ذمہ دار ماں کو ٹھہرا دیا تھا، کہ ان کی ذمہ داری کی وجہ سے ہی آپ کی زندگی اتنی سخت اور بے رونق ہے، پتہ نہیں وہ آپ کی جان کب چھوڑیں گی؟ کب آپ کو رہائی ملے گی اور پھر اسی غصے میں آپ بن سنور کر رسم حنا میں چلی گئیں۔'' وہ خاموش ہو چکی تھی۔

حیدر کے چہرے پر حیرت اور بے یقینی ثبت تھی اور دارین کا چہرہ جھکا ہوا تھا، پھر اس نے سر اٹھایا اور شبینہ کو دیکھا۔

''اس دن سے ڈریں شبینہ باجی جب اعمال نامے کھلے ہوں گے اور جب ہر جان دیکھ لے گی کہ اس نے آگے کیا بھیجا؟'' اس کی آواز میں ایسی غراہٹ تھی کہ لمحہ بھر کو حیدر بھی اسے دیکھتے رہ گئے۔

''جو بات سچ تھی وہ میں نے آپ کو بتا دی، سچ جھوٹ کا فیصلہ اب آپ کے ہاتھ میں ہے۔'' وہ اس کو یکسر نظر انداز کر کے حیدر سے مخاطب ہو کر بولی اور اٹھ کھڑی ہوئی، اس کے لہجے میں ایسا اعتماد تھا کہ دارین کے لفظ خالی اور کھوکھلے لگتے تھے۔

پھر وہ آہستہ آہستہ باہر نکل گئی، اس کے پیچھے دروازہ بند ہو گیا اور شاید اس کے ساتھ ہی دارین پر رحم و ترحم کا درواہ بھی بند ہو گیا تھا، وہ کسی تھکے ہوئے چوپائے کی مانند زمین پر گری تھی اور اس کا گلا خشک تھا اور اس کے لفظ ختم ہو چکے تھے۔

حیدر اپنی جگہ سے اٹھے اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے پاس آ گئے، پھر انہوں نے کرسی نزدیک گھسیٹی اور اس پر بیٹھ گئے۔

''کیوں دارین؟ نفرت تھی تمہیں میری ماں سے؟'' ان کی آواز میں سرد مہری تھی، نفرت تھی اور سوال تھا، وہ خاموش رہی۔

''تمہیں آزادی چاہیے تھی اس زندگی سے اور اس آزادی کے لئے تم نے انہیں ہی زندگی کی قید سے آزاد کر دیا؟'' اس بار لہجہ زہر خند تھا۔

وہ اس بار بھی خاموش تھی، وہ سازش کا شکار ہو چکی تھی اس کی کم نصیبی یہاں بھی اس کے پیچھے تھی، اس کے لفظ ہمیشہ کے لئے گم ہو چکے تھے، وہ سردی کی شدت سے کانپ رہی تھی حیدر کا ہاتھ بڑھا ور اس نے دارین کے بال مٹھی میں جکڑ لئے، اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اس نے سسک کر حیدر کو دیکھا جس کا چہرہ بے رحمی اور درندگی کا مظہر تھا اور جس کی آنکھوں میں سرخی تھی۔

''مجھے تمہارا جواب چاہیے۔'' وہ شدت غضب سے پھنکارا تھا۔

''میں نے کچھ نہیں کیا، اللہ کی قسم میں بے گناہ ہوں۔'' وہ سسکتے ہوئے کہہ رہی تھی اس کے بالوں پر حیدر کی گرفت کچھ اور بڑھی تھی۔

''جھوٹ بولتی ہو تم۔'' الٹے ہاتھ کا تھپڑ اور دارین کی چیخ نکل گئی۔

''بولو...... سچ بولو...... صرف سچ۔'' اس کے سر کو جھٹکا دیتے ہوئے انہوں نے ایک اور تھپڑ اسے مارا، بالکل اضطراری طور پر دارین نے اپنے آپ کو بچانے کے لئے اپنے ہاتھ منہ پر رکھنے کی کوشش کی تھی، مگر ایک جنونیت کے عالم میں انہوں نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور پھر اسے اندازہ نہیں ہو سکا کہ اس کے ساتھ کیا بیتی؟ مگر یہ ہوا کہ اگلی صبح جب ملازمائیں اسے اٹھا کرلے کر گئیں تو وہ اپنے ہوش میں نہیں تھی اور جب ملازمہ بلقیس جو اس کے لئے مخصوص تھی اسے پانی پلانے آئی تو اس کی حالت دیکھ کر

کانپ اٹھی، اس کا چہرہ بری طرح نوچا ہوا تھا اور اس کی ساری گردن جلی ہوئی تھی اسے سگریٹ سے داغا گیا تھا، وہ اسے کچھ دیر ہوش میں لانے کی کوشش کرتی رہی، اسے تیز بخار تھا، جو کہ یقیناً اس ٹھنڈے کمرے اور ناکافی سہولیات کی وجہ سے تھا اور جب اسے کچھ ہوش آیا تو اس نے اسے پانی پلایا اور پھر کچھ نوالے چاول کھلائے تھے وہ کراہ رہی تھی وہ بے تحاشا تکلیف میں تھی اور جب ذرا اس کی آنکھ کھلتی تو وہ اذیت سے تڑپنے لگتی، بلقیس کو بے حد افسوس ہو رہا تھا، اگرچہ جس دیہاتی ماحول سے اس کا تعلق تھا وہاں مار کھانا بھی عورت کے فرائض میں شمار ہوتا تھا، ہاتھ اٹھانا مرد اپنا حق سمجھتے تھے اور وہ خود اپنے شوہر سے مار کھا کر رات کو اس کی خدمت کر کے اگلے دن حویلی کام پہ آ کر زخم سہلاتی رہتی، مگر اس نے یہ کبھی نہ سوچا تھا کہ اسے دارین بی بی بھی اپنے جیسی حالت میں ملیں گی، یہ بات حیران کن تھی اس کے لئے، وہ تو سمجھتی تھی کہ چوہدری صاحب پڑھے لکھے تھے، سرکار کے ملازم تھے، وہ بھلا کہاں کچھ ایسا کرتے ہوں گے مگر دارین بی بی کی حالت دیکھ کر اسے احساس ہوا تھا کہ تمام مرد ایک ہی جیسے ہوتے ہیں، وہ جتنا بھی پڑھ لکھ جائیں کتنے بڑے افسر کیوں نہ بن جائیں ان کی جبلت نہیں بدلتی، وہ بڑے دکھ سے ایک پرانا کمبل دارین کو اوڑھا کر دروازہ بند کر کے باہر نکل گئی، چونکہ دارین غنودگی میں جا چکی تھی۔

☆☆☆

اور ایک بار پھر دارا اس کے پاس تھا، وہ روتی جاتی تھی اور وہ بار بار اس کے سر پہ ہاتھ پھیر کر اسے خاموش کرواتا تھا اور اس کا ہاتھ تھام کر اسے تسلی دیتا تھا، مگر ظاہر ہے یہ سب بے سود تھا اور اس کی حالت دیکھ کر تو دارا بھی رونے لگا تھا۔

''میں تمہیں یہاں نہیں رہنے دوں گا، چلو میرے ساتھ۔'' وہ اسے ہاتھ پکڑ کر کھینچ رہا تھا، وہ روتی ہوئی ہاتھ چھڑانے لگی۔

''وہ مجھے مار ڈالیں گے مگر یہاں سے نہیں جانے دیں گے۔'' وہ خوفزدہ تھی۔

''کچھ نہیں ہوگا، میں سب کو دیکھ لوں گا۔'' وہ اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے عزم سے بولا تھا، اس نے دیکھا وہ معصوم اور ننھا سا، اس کے آنسو کچھ اور بھی تیزی سے بہنے لگے۔

''نہیں دارا میرے بھائی تم ابھی بہت چھوٹے ہو، تم ان لوگوں کو اور ان کی درندگی کو نہیں جانتے۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر رو رہی تھی۔

''بس کرو دارین، تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔'' وہ ہٹ دھرمی سے اس کا بازو کھینچ کر بولا تھا۔

''دارا، خدا کے لئے جاؤ، کوئی دیکھ لے گا۔'' وہ منت کرنے لگی تھی، وہ اس بات سے بے خبر تھی کہ پہلے ہی حیدر چوہدری وہاں تھے، وہ دروازے میں کھڑے خاموشی سے یہ تماشا دیکھتے رہے پھر واپس پلٹ گئے۔

☆☆☆

''شیش محل'' سے جانے والا تفتیشی فون اور حیرت انگیز جواب تھا، دارین اکلوتی تھی اور اس کا کوئی بھائی نہیں تھا، ماموں زاد سب اس سے عمر میں بڑے تھے اور ان میں سے بھی کوئی دارا نام کا شخص موجود نہ تھا اور اگلے دن پھر سے اس کی پیشی تھی، وہ ایک بار پھر وہاں تھی، دارین کی حالت آج کل سے زیادہ بری تھی، وہ ایک بار پھر زمین پر بیٹھی تھی اور ادھر سے ادھر چکر لگاتے حیدر چوہدری نے ایک سرسری نگاہ اس پر ڈالی تھی، پھر رک گئے، اسے کچھ دیر دیکھتے رہے۔

''کل تم کس سے باتیں کر رہی تھیں دارین؟'' اس کا لہجہ کرخت تھا، دارین نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔

''کسی سے بھی نہیں۔'' وہ آہستہ سے بولی تھی، حیدر نے دیکھا اس کے چہرے پر حقیقی حیرانی تھی، یا تو وہ سچ کہہ رہی تھی یا پھر وہ واقعی با کمال اداکارہ تھی کہ ایک بار تو ان جیسا زیرک شخص بھی مشکل میں پڑ گیا تھا۔

''یہ دارا کون ہے؟'' انہوں نے سرسراتے ہوئے لہجے میں پوچھا تھا۔

''کک...... کون دارا؟'' اس بار حیرانی زیادہ تھی اور اس میں خوف کی آمیزش تھی۔

''جھوٹ بول رہی ہو پھر سے؟'' وہ دھاڑ اٹھے، مگر دارین آج اور زیادہ ڈر گئی تھی۔

''مجھے نہیں پتہ، میں کسی دارا کو نہیں جانتی، میں جھوٹ نہیں بول رہی۔'' وہ گھبرا کر وضاحتیں دینے لگی، حیدر الجھ گئے، عجیب بات تھی، کل انہوں نے خود اسے باتیں کرتے دیکھا اور آج وہ صاف انکار کر رہی تھی۔

''تو پھر کل کس سے باتیں کر رہی تھیں؟'' وہ اس کے سر پر آ کر کھڑے ہو گئے۔

''میں نے کب باتیں کی ہیں، مجھے نہیں پتہ آپ بار بار مجھے کیوں کہہ رہے ہیں ایسے؟'' وہ خوف و حیرانی کے ملے جلے لہجے میں بولتی آخر رونے لگی، وہ چند لمحے اسے جانچنے والی نظروں سے دیکھتے رہے پھر اسے ملازمین کے ساتھ واپس بھجوا دیا گیا مگر اندر سے وہ خود الجھ رہے تھے۔

اسی شام ملازمہ بلقیس اس کا لباس لینے کے لئے آئی تو کمرے میں چوہدری صاحب موجود نہ تھے، اس نے شکر مناتے ہوئے لباس نکالا اور یکلخت چونک گئی، وہاں تین ڈائریز اور ڈھیر سارے صفحات تھے اس نے یہ سمجھا کہ شاید وہ چوہدری صاحب کے ضروری کاغذ تھے، جبھی اس نے سارا پلندہ اکٹھا کیا اور ان کی میز پر رکھ دیا، اسی وقت دروازہ کھول کر حیدر اندر آ گئے، وہ انہیں دیکھ کر قدرے گھبرا گئی۔

''وہ چوہدری جی یہ آپ کے کاغذ غلطی سے دارین بی بی کی الماری میں چلے گئے تھے، میں نے یہاں رکھ دیئے ہیں، میں ان کے کپڑے لینے آئی تھی۔'' وہ جلدی جلدی وضاحتیں دینے لگی، انہوں نے دھیان دیئے بغیر اسے جانے کا اشارہ کیا تھا۔

وہ موبائل پر کوئی نمبر ملانے لگے، انہیں اپنی چھٹی بڑھوانی تھی، ماں کے دسویں سے تک وہ یہیں رکنا چاہ رہے تھے، وہ تین فون کرنے کے بعد وہ تھکے ہوئے انداز میں لکھنے کی میز پر آن بیٹھے، ذہنی و جسمانی تھکن نے انہیں نڈھال کیا ہوا تھا، کچھ دیر وہ سر ٹکا کر آنکھیں بند کر کے بیٹھے رہے پھر سیدھے ہو کر اپنے سامنے پڑے کاغذات کی طرف متوجہ ہو گئے، پھر چونک سے گئے، سامنے پڑے کاغذات اور ڈائریز تو ان کی نہ تھیں، انہوں نے کچھ تجسس کے عالم میں صفحات کو الٹا اور پھر بے ساختہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

یہ کچی پنسل سے بنایا گیا ایک خوبصورت اسکیچ تھا، مگر جس چیز نے ان کے پیروں تلے سے زمین کھینچی تھی وہ ان کی اپنی تصویر تھی، وہ چند لمحے الجھی و حیران نظروں سے اپنے ہاتھوں میں تھامے اس صفحے کو دیکھتے رہے پھر اسے نیچے رکھ کر باقی صفحات کو دیکھنے لگے اور ہر صفحے نے ان کے سر پر حیرت کا ایک پہاڑ گرایا تھا، انہوں نے تیزی سے ڈائری کھول لی، پہلے صفحے نے ہی ان کو ہلا کر رکھ دیا تھا، وہاں بڑی خوبصورت لکھائی میں درج تھا۔

''دارا اور دارین۔''

یہ یقیناً دارین کی ڈائری تھی اور ان کے سامنے وہ کس قدر معصومیت سے اور صفائی سے مکر گئی تھی، انہیں اس کی اداکاری یاد آئی تو خون کھول اٹھا، اب وہ تیزی سے صفحے پلٹ رہے تھے اور ہر صفحہ ان کے لئے ایک نیا باب کھول رہا تھا، ہر لفظ اک نئی کہانی کا آغاز تھا۔

☆☆☆

آدھی سے مارے ہیں
آدھی سے ڈرتے ہیں

کہیں دور موذن فجر کی اذان دے رہا تھا، جب انہوں نے تیسری اور آخری ڈائری بند کی، ان کی آنکھوں میں گہری سرخی اتری ہوئی تھی، اگر دور کہیں آسمانوں پہ فرشتے نامہ اعمال لکھتے اگر ان صفحات کو پڑھتے تو حیران ہوتے کہ اس نے ان کی خدمت میں ایک اور نامہ اعمال پیش کر دیا تھا۔

ان کا نامہ اعمال، شادی کے بعد دارین کے اک اک احساس کی روداد اور اذیت خانے میں بسر کی گئی وہ درد بھری راتیں، اس کے کرب، اس کے آنسو، اس کے بے رنگ خواب، سب کچھ ان کے سامنے تھا، وہ بھی تو ان کے سامنے تھی۔

انہوں نے بے یقینی سے اس کا ماتھا چھوا، وہ سو رہی تھی، بالکل بے خبر بے سدھ اور وہ یک ٹک اسے دیکھے جاتے تھے، پھر وہ اٹھے تھے اور وہاں سے چلے گئے مگر کوئی آنکھ یہ دیکھ سکی کہ ان کے پیروں پہ کیسی بیڑیاں پڑ چکی تھیں اور ان کی روح کے گرد کیسے آسیب لپٹ چکے تھے۔

سب کچھ ٹھیک نہیں تھا، سب ٹھیک ہو ہی نہیں سکتا تھا، جب اس کی طرف سے کوئی کمی کوتاہی نہ تھی تو پھر آخر اس کے ساتھ یہ کیوں ہوا تھا، وہ پہروں سوچتی رہی اور اگر بلقیس نہ ہوتی تو کیا بنتا، وہ صرف ملازمہ نہیں تھی، وہ اس قید تنہائی میں اس کے لئے ہوا کا اکلوتا روزن تھی، وہ اس کے لئے کھانا لاتی تھی اور اسے باہر کی ساری خبریں دیتی تھیں، وہ اس کی ہمدرد تھی اور کسی حد تک وہ اس پر ترس بھی کھاتی تھی۔

اور جب اس نے دارین کو بتایا تھا کہ چوہدری صاحب کل واپس چلے گئے تو دارین کی آنکھوں میں اندھیرے اتر آئے تھے، اسے پتا تھا اب اس کے کئی مہینے اسی قید خانے میں گزرنے والے تھے اور یہ کس قدر اذیت تھی کہ اس کو اب مزید کسی صفائی کا موقع نہیں ملنے والا تھا، اسے پتہ تھا کہ اب مزید کوئی اپیل نہیں کام آسکی تھی اور نہ ہی وہ اب کبھی کسی کو دیکھ پائے گی، وہ خوف زدگی کے عالم میں دیوار سے پشت ٹکائے سوچتی رہی، تو کیا اب ہر دروازہ اس پر بند کر دیا گیا تھا، وہ بے یقینی سے بند دروازے کو دیکھتی۔

بلقیس آئی تو اسے روتا دیکھ کر مزید افسردہ ہو گئی، وہ جتنی بھی تسلی دے لیتی، وہ جانتی تھی یہ سب بے کار تھا، وہ اس کا دھیان بٹانے کو اسے بتانے لگی کہ کل زبیدہ خانم یعنی بڑی بی بی کا دسواں تھا مگر چوہدری صاحب یہاں سے جا چکے تھے، شیش محل سے سب لوگ ان سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے مگر فی الحال کسی کا بھی رابطہ نہ ہو پا رہا تھا۔

وہ یہ ساری گفتگو بے یقینی سے سنتی رہی، بھلا ایسے ممکن تھا کہ وہ ماں کے دسویں میں شامل نہ ہو پاتے۔

اور اگلی صبح یہ سچ بھی ہو گیا، وہ واقعی نہیں آئے، دارین بند کمرے میں نوافل ادا کرتی مسلسل روتی رہی تھی، اور اللہ کے آگے ہاتھ پھیلا کر روتی ہوئی وہ سوچتی تھی کہ یقیناً اس سے کوئی جانے انجانے میں ایسا گناہ اور ناپسندیدہ عمل ہو

گیا تھا جس کی اسے سزا مل رہی تھی، ورنہ اللہ تو اس قدر مہربان تھا کہ اس کی رحمتوں کے بے کنار سمندر کا ایک قطرہ بلقیس کی صورت میں اب بھی اسے میسر تھا، وہ گڑگڑاتے ہوئے اللہ سے دعا مانگتی رہی کہ صرف اللہ پاک ہی اس راز سے آگاہ تھا کہ وہ بے گناہ تھی اور صرف وہ پاک ذات یکتا و کامل ہی اسے دوسروں کے آگے بے گناہ ثابت کرواسکتی تھی۔

اگرچہ ابھی اس کے زخم تازہ تھے، اس کے چہرہ اور اس کی گردن میں درد کی ٹیسیں اٹھتی تھیں، زخم گہرے تھے، بلقیس کی لگائی گئی مرہم بڑی سستی سے اپنا کام کرتی تھی اور شاید ان زخموں کو بھرتے کئی دن گزر جاتے، رات کو بلقیس اس کے لئے ختم کے چاول لے کر آئی تو دارین دھاڑیں مار مار کر رونے لگی، وہ بار بار دروازے کی طرف لپکتی تھی۔

''مجھے میری اماں کے پاس جانے دو بلقیس، تمہیں اللہ کا واسطہ، میں نے دو سال سے ان کا چہرہ نہیں دیکھا، مجھے ایک بار ان سے ملنے دو۔'' وہ تڑپ تڑپ کر روتی رہی، یہاں تک کہ بے سدھ ہو کر گر پڑی۔

☆☆☆

رات بڑی کریہہ ناک تھی، وہ راتوں کو تڑپ تڑپ کر روتی تھی، اسے تنہائی اور تاریکی ڈراتی تھی اور ان درد بھری ساعتوں میں اس کے پاس کوئی غمگسار، کوئی ہمدرد نہ تھا، مستزاد آج لائٹ چلی گئی، وہ گھٹی گھٹی چیخوں کے ساتھ دروازے کی طرف لپکی اور سرد ہاتھوں سے دروازہ پیٹنے لگی۔

''بہت اندھیرا ہے خدارا، ذرا سی روشنی چاہیے، روشنی کر دیجئے، کوئی ہے میری پکار سننے والا، کوئی ہے؟'' وہ روتے ہوئے چلا رہی تھی، مگر دوسری طرف سے کوئی جواب نہ تھا، رہائشی عمارت یہاں سے بہت دور تھی، وہ اگر چیخ چیخ کر مر بھی جاتی تو کسی کو پتہ نہ چلتا، وہ دروازے کے قریب زمین پر بیٹھ کر سسکنے لگی، خوف اور وحشت سے اس کی جان نکل رہی تھی۔

وہ سر گھٹنوں میں دے کر رونے لگی، یوں لگتا تھا کائنات اندھیروں میں ڈوب گئی تھی، اتنی تاریکی، کہ اس نے محسوس کیا کہ جیسے اس کا دل پھٹ جائے گا، جب یکلخت دروازہ کھلا تھا، وہ ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی، شاید کسی نے اس کی پکار سن لی تھی، کسی کو اس پر رحم آ گیا تھا، اس گھور اندھیرے میں اس نے ایک سائے کو اندر آتے دیکھا، وہ ڈری ڈری سی نظروں سے سر اٹھا کر دیکھنے لگی، لائٹر کی چٹک کے ساتھ ہی سنہرا ایک شعلہ چمکا اور حیدر چوہدری کا چہرا اس سنہری روشنی میں دمک اٹھا تھا، وہ لحظہ بھر کو ساکت ہوئی، اس کے آنسو بھی تھمے، پھر وہ ایک انجانے احساس اور نامعلوم طاقت سے اٹھی اور بھاگتی ہوئی ان کے ٹانگ سے لپٹ گئی۔

''مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا (سسکیاں) مجھے یہاں نہیں رہنا، مجھے اندھیرے ڈراتے ہیں، مجھے یہاں سے لے جائیں۔'' وہ ان کی ٹانگ سے مضبوطی سے لپٹی روئے جا رہی تھی اور اس کا بدن خزاں رسیدہ پتے کی طرح لرزتا تھا۔

مگر وہ اسی طرح خاموش کھڑے تھے، وہ روتی جاتی تھی مگر وہ کچھ نہ بولے، پھر ان کا ہاتھ آگے بڑھا اور اس سے پہلے کہ وہ اسے خود سے الگ کرتے وہ بے سدھ ہو کر زمین پر آ گری۔

☆☆☆

سنبھالا ہوش ہے جب سے
مقدر سخت تر نکلا......!!!
پڑا ہے واسطہ جس سے
وہی تیر و تبر نکلا......!!!

اس کی آنکھ کھلی تو وہ بہت جانی پہچانی جگہ پر تھی، یہ چھت، قمقمے بھاری پردے اور مانوس ماحول، یہ حیدر چوہدری کا کمرہ تھا، جہاں ڈیڑھ سال اس نے مالکن بن کر گزارے تھے، مگر اب حیثیت بدل چکی تھی، بھلا اب وہ کس حیثیت سے ادھر تھی، اس نے سوچا اور پھر ایک ہی سوچ اسے سمجھ آئی، وہ انتقام کی وجہ سے یہاں لائی گئی تھی، مگر پھر اسے زمین پر ہونا چاہیے تھا، وہ اس بستر پر کیوں تھی؟ جس پر اس کا حق ختم ہو گیا تھا، اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی مگر کمرہ خالی تھا، وہ اٹھ کر بھاگ جانا چاہتی تھی مگر ایک چیز اس کی راہ میں رکاوٹ تھی، اس کے ہاتھ میں لگی ڈرپ کی سوئی اور اسٹینڈ پر لٹکتی بوتل۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں، اسے کیا ہوا تھا؟ اسے یہاں کیوں لایا گیا تھا؟ وہ سوچنے لگی مگر فی الوقت اس کے پاس کوئی بھی ایسا نہ تھا جو اسے جواب دے سکتا۔

☆☆☆

گاڑی گیٹ سے نکل کر ابھی کچھ دور ہی گئی تھی جب یکلخت ڈرائیور نے زوردار طریقے سے بریک لگایا، انہوں نے باہر دیکھا تو ایک عورت گاڑی کے آگے کھڑی تھی، جو کہ نجانے کہاں سے نکل کر سامنے آ گئی تھی اور لازماً اسی کی وجہ سے یوں اچانک بریک لگانا پڑی تھی، وہ عورت اب بھاگ کر ان کی طرف آئی اور کار کا شیشہ بجانے لگی، انہوں نے کچھ الجھ کر شیشہ نیچے کیا تو اس نے فوراً اپنی چادر چہرے سے ہٹا دی اور انہیں یہ دیکھ کر جھٹکا لگا کہ وہ عیشاں تھی۔

اس نے تیزی سے ہاتھ ماتھے تک لے جا کر انہیں سلام کیا اور پھر گھبرائی سی بولی تھی۔

''چوہدری جی! مجھے آپ سے ضروری بات کرنا ہے، یہ لوگ مجھے اندر نہیں جانے دیتے، فردوس بی بی نے حکم دیا ہے، میں کل بھی آئی تھی مگر مجھے اندر نہیں جانے دیا گیا، مجھے آپ کو کچھ بتانا ہے۔'' وہ تیز تیز بولتی چلی گئی۔

☆☆☆

معاملات کا الجھاؤ مزید بڑھ گیا تھا، اب کی بار بلائی جانے والی پنچائیت میں ہنگامی فیصلے تھے، عیشاں کے بیان نے ساری بازی پلٹ دی تھی، فردوس خانم کی گہری اور بے داغ سازش، دارین پر الزام لگوا کر اسے راستے سے ہٹانا۔

شبینہ کو حیدر کی زندگی میں داخل کر کے اس پوری جائیداد کا مالک بن بیٹھنا، عیشاں کو اس کے گاؤں بھجوانا اور ہر صورت حیدر سے رابطہ نہ ہونے دینا، اس سازش کی ناکامی کو کوئی امکان ہی نہ تھا، کیونکہ زبیدہ خانم مر چکی تھیں، دارین کو سزا سنائی جا چکی تھی اور رہی عیشاں تو اس کا شیش محل میں داخلہ ممنوع کر دیا گیا، حیدر چوہدری تک لازماً وہی کچھ پہنچتا جو وہ چاہتی تھیں، اگرچہ زبیدہ خاتون کی موت میں ان کا کوئی ہاتھ نہ تھا مگر بعد والے واقعات کا سرا ان سے جا ملتا تھا، جن کو انہوں نے بڑی مہارت سے اپنے حق میں کیا تھا، مگر وہ جو اللہ کہتا ہے نا ''اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے۔'' القرآن

تو اسی کے مصداق اس نے سب کی چالوں اور تدبیروں کو الٹ دیا تھا، حیدر چوہدری نے دارین کے حوالے سے اپنی کھائی ہوئی قسم کا کفارہ ادا کیا تھا اور دارین کو بے گناہ قرار دے دیا گیا، فردوس خانم کو جائیداد میں ان کا حصہ دے کر شیش محل سے رخصت کر دیا گیا۔

اور پھر ایک بار پھر سب ملازمین اور ملازماؤں نے جشن کی تیاری شروع کر دی، اسے دلہن بنایا جا رہا تھا، وہ اب پھر سے حیدر چوہدری کی زندگی میں شامل ہو گئی تھی، اسے اس جشن کے

لئے سجایا سنوارا گیا تھا اور وہ سکتہ زدہ تھی، ایک شور سا مچا تھا، پتہ چلا کہ دارین کو والدہ آئیں تھیں جب وہ ان کے سینے سے لگی تو سکتہ ٹوٹ گیا۔

''امی!'' س کی دلخراش چیخ سے در و دیوار تک لرز اٹھے۔

''میرا کیا قصور تھا؟ مجھے کیوں ایسے خود سے دور کر دیا تھا امی، میں روندی گئی، میں ٹھکرائی گئی۔'' وہ دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔

''اس شخص نے مجھے پیروں کی دھول کر دیا، میری تربیت کو گالی دی امی، میں سب برداشت کرتی رہی، میں نے کھانا کھانا چھوڑ دیا، اس خوف سے کہ مجھے کوئی ندیدہ اور بھوکا نہ سمجھ لے، میں نے ہنسنا بولنا چھوڑ دیا اس ڈر سے کہ کہیں مجھے بدتمیز نہ سمجھا جائے، میں نے راتوں کو سونا چھوڑ دیا اس ڈر سے کہ کہیں مجھے غیر ذمہ دار نہ سمجھ لیا جائے۔'' وہ تڑپ رہی تھی اور وہ اسے سنبھالتے ہوئے نڈھال ہوئی جاتی تھیں۔

''میں ملازمہ بن گئی تھی شاید ان سے بھی بدتر، ان کو بھی تین وقت کھانا ملتا تھا اور میں یہاں بھوکی سوتی تھی۔''

''اور وہ شخص بے خبر تھا، وہ شخص جسے آپ نے میرا مالک اور میرا کفیل بنایا تھا، اسے خبر نہیں تھی، وہ بے خبر تھا۔''

''مجھے کسی سے ملنے نہیں دیتا تھا کہتا تھا، میری ماں کو تمہاری ضرورت ہے، تو میرا کیا، مجھے کسی کی ضرورت نہیں تھی کیا؟ میری ماں کو تو زندہ جیتے جی میرے لئے مردہ کر دیا اس نے۔''

''مجھے ترسا دیا گیا آپ سے ملنے کے لئے، مگر میں نے ضبط کا بندھن نہ ٹوٹنے دیا خاموشی سے سہتی رہی اور وہ مجھے ذلیل کرتا رہا، مجھے کہا گیا میں لاپرواہ اور غیر ذمہ دار ہوں، آپ نے کیا بنایا تھا اسے شوہر تھا نا وہ میرا، کل کن کے اس نے ڈیڑھ سال میں سترہ دن دیئے ہیں مجھے، اور بس مجھ سے بہتر اس محل کی ملازمائیں تھیں، یہاں کی چاکری کرتی تھیں اور رات کو اپنے شوہروں کے پاس چلی جاتی تھیں جو ان سے ان کا حال تو پوچھتے تھے، میرا کیا؟ میں تو ایسی ملازمہ تھی جسے رات ہوتے ہی اس کمرے میں قید کر دیا جاتا تھا اور میرا تو کوئی حال پوچھنے بھی نہ آتا تھا، مجھے کس گناہ کی سزا ملی امی؟'' وہ روتی جاتی تھی اور بولتی جاتی تھی اور اس بار سکتہ میں جانے کی باری ان کی تھی۔

''میری کم عمری کو میری غلطی اور میری کم علمی کو میرا گناہ بنا دیا اس نے۔'' وہ سسکتی تھی، وہ گم صم سی اس کا سر سہلاتی رہیں۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا دارین۔'' ان کا لہجہ امید سے خالی تھا اور جواباً وہ کچھ نہ بولتی تھی، بس خاموشی سے اپنی سسکیاں دبائی تھیں۔

☆☆☆

مرکزی بڑے گیٹ کے پاس وہ انہیں چھوڑنے آئے تھے، انہوں نے سنہری بالوں والے شاندار سے شخص کو دیکھا، وہ ان کا انتخاب تھا، پھر انہوں نے آہستگی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''تم میرا انتخاب ہو اور مجھے یقین تھا کہ میرا انتخاب غلط نہیں ہو سکتا، میں نے تمہیں قصوروار نہیں ٹھہرایا، مگر میں تمہیں یہ ضرور کہوں گی اسے عام لڑکی مت سمجھنا، اس کے پاس رشتے نہیں تھے، تمہیں کچھ نہیں معلوم کہ اس نے تم میں کون کون سے رشتے تلاش کرنے کی کوشش کی تھی، اس نے باپ نہیں دیکھا تھا، اس کا کوئی بہن بھائی نہیں تھا، بچپن سے ہی اکیلی رہی تھی، تمہیں اس میں جو بھی خرابیاں نظر آئیں شاید اسی وجہ سے تھیں۔'' وہ اپنے آنسو ضبط کر رہی تھیں۔

"تم ایک بہترین مرد ہو، مجھے یقین ہے تم اسے سنبھال لو گے، کیونکہ تم میرا انتخاب ہو اور ایک ماں کا انتخاب کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔" انہوں نے آخری بار اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا وہ خاموشی سے انہیں دیکھتے رہے۔

"مجھے یقین ہے تم اس کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو نظر انداز کر دو گے اور میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ اگر تم اس سے نرمی برتو گے تو اسے مکمل طور پر بدلا ہوا پاؤ گے، وہ مایوس ہے حیدر، بہت دکھی ہے، تم اس کی امید بن جاؤ۔" وہ اپنے آنسو نہ روک سکیں۔

"میں آپ کو کوئی دلاسہ تو نہیں دوں گا، نہ کوئی وعدہ کروں گا، مگر مجھے امید ہے جلد ہی آپ حالات کو بدلا ہوا دیکھیں گی، میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا، یہاں اکیلا نہیں رہنے دوں گا۔" انہوں نے پر امید لہجے میں کہا تھا اور وہ ان کے انداز سے پہچان گئی تھیں کہ اگرچہ وہ وعدہ نہیں کر رہا تھا مگر یہ انداز کئی وعدوں پر بھاری تھا، وہ اس کا کندھا تھپتھپا کر گاڑی میں بیٹھ گئیں۔

☆☆☆

کاش تم میرے دوست ہوتے
سچے اور مخلص دوست!
میں تم سے ڈھیروں باتیں کرتی
جنہیں تم اکتائے بغیر سنتے
میں تمہیں تنگ کرتی اور تم
ناراض ہوئے بغیر میری
بے وقوفیوں کو جان کر بھی
میرا ساتھ دیتے......!
میرے ساتھ ہنستے......!
کاش تم میرے دوست ہوتے!
اور کاش......اے کاش!
تمہیں دل دکھانا نہ آتا
سنگدلی اور ناراضی سے
تمہارا کوئی واسطہ نہ ہوتا
محبت اور نرم دلی تمہارا
دم بھرتے......!!!
مہربانی اور احساس تم
سے لپٹے ہوتے......!!!
عشق اور پیار......!
تمہاری دلربائی ہوتے
اور ان تمام خوبصورتیوں سے
سجے تم میرے دوست ہوئے!!!

باقی آئندہ ماہ

الک جہاں اور ہے

سدرۃ المنتہیٰ

سترہویں قسط کا خلاصہ

علی گوہر اور ھالار فقیروں کا لباس پہن کر بھٹائی کے مزار پہ بھیک مانگنے جاتے ہیں، بعد میں قلندر کے مزار پہ دھمال کی کیفیت میں ھالار کی طبیعت بگڑ جاتی ہے۔

امرکلہ اپنی ماں کے ساتھ ایک پرانی بستی میں آ پہنچتی ہے، جہاں سے ماضی اس کے اندر جھانک رہا ہے، اسے لگتا ہے وہیں آ کر اس کا سفر رک گیا ہے۔

امرت لاھوت کو گوہر سے ملانے لے آتی ہے جب وہ نہیں ہوتا عمارہ نئے نمونے کو دیکھ کر بیزار آ جاتی ہے۔

فنکار نواز حسین کو اپنی زندگی کی کہانی سنا رہا ہے جب ایک حوصلہ افزاء راہ نکل آتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

اٹھارہویں قسط
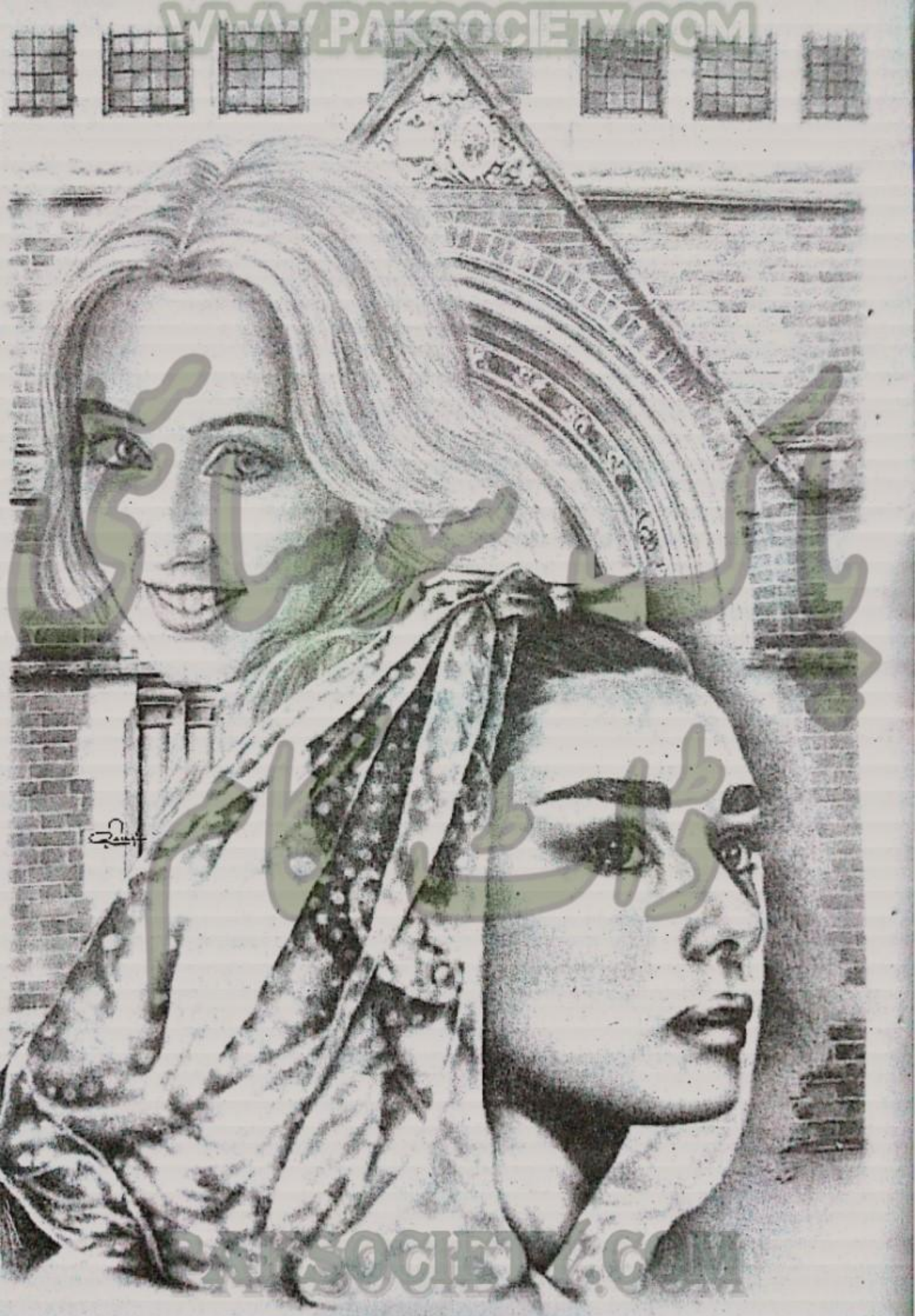
کچھ نہیں تھا، جلنے کا وقت کٹھن ہوتا ہے، وہ جلنے سے بچنا چاہ رہا تھا۔
گوہر بھٹی میں پک پک کر نکلا تھا، پھر جلتا تھا، پھر پکتا تھا، پھر بھٹی دہکا دیتا کہ ابھی جلنا باقی ہے۔

عشق عقل دی گل نہ سن دا
ایہو ویکھ چہرے دا چاہ میاں
نفع نہ نقصان نہ جانے
نہ کہندی نیک صلاح میاں
سب تقدیراں ساڑ سٹے
جیویں کاٹھی ساڑے باہ میاں

ھالی نے گوہر کو گلے لگایا، اتنی چاہ سے، اتنے پیار سے، اتنی محبت سے، اس کی پیشانی چومی بے ساختہ، زندگی میں پہلی بار وہ اتنا اچھا لگا، اتنا پیارا، سب سے پیارا، معصوم سا، اس نے گوہر کی آنکھوں کو پہلی بار بغور دیکھا اور کھونے لگا، اس کی آنکھوں میں رات بھر کا سحر بھرا ہوا تھا وہ کھونے لگا اس نے پہلے معصوم بھولی بھالی محبوبہ کی طرح نظر چرالی، گوہر مسکرایا اور بعد میں ہنس دیا۔
وہ خود ہنس دیا، ایک بار پھر گلے ملے تھے، گوہر نے اسے بہت سمجھایا تھا، بے پناہ سمجھایا تھا، اپنا خیال رکھنے کا کہا تھا، بہت سمجھا کر، اسے خدا حافظ کہا۔
گوہر میلے کے بازار میں گم ہو گیا تھا اور وہ سواری میں بیٹھ کر تھکی تھکی آنکھیں کھول کھول کر کھڑکی سے باہر ایسے دیکھتا تھا جیسے کچھ ڈھونڈ رہا ہو، دھوپ آنکھوں میں چبھ رہی تھی، دھوپ کی تپش آنکھوں کے اندر بیٹھ گئی تھی، آنکھیں جل رہی تھیں، ھالی نے کھڑکی پر پردہ سرکا لیا، آنکھیں موند لیں، دو آنسو لڑھک کر بہہ گئے۔
''اب تو چلے آئے ہو، اب کیوں روتے ہو؟''
عشق نے شکوہ کیا، حالانکہ اسے پتہ تھا کہ عشق جاتے جاتے چنگاری چھوڑ گیا ہے، دہکا گیا ہے۔

☆☆☆

بے چینی ہونے لگی تھی، کیا ہی خوب ہوتی اگر دروازہ دھڑ دھڑ نہ بجتا، عمارہ جھنجھلا کر باہر نکلی، مگر لاھوت نے اشارہ کیا کہ میں دیکھ لیتا ہوں، عمارہ روٹی دیکھنے لگی اور مزا یہ تھا کہ لاھوت دروازے پر کھڑا تھا اور سامنے تھکی ہوئی آنکھوں والا ھالار تھا اور دونوں نے ایک دوسرے کو اجنبی آنکھوں سے دیکھا، دونوں چپ تھے لمحے دو لمحے کی بات تھی، جب امرت اس طرف آتے ہوئے ٹھٹکی تھی سامنے ھالار تھا، وہ اس طرف آ گئی۔
''ھالار کیسے ہو تم؟'' اس کی آشنائی دیکھ کر لاھوت پیچھے ہٹ گیا اور ھالار اندر آ گیا۔
''انکل اماں اور عمارہ کہاں ہیں؟'' ھالار کو پورا گھر خالی دکھا، سوائے کچن کی کھٹ پٹ کے جو کہ سنائی دی، عمارہ نے کھڑکی سے جھانکا۔
''ھالار آ گئے تم لوگ، وہ آوارہ کہاں ہے؟'' عمارہ کچن سے نکل آئی چنگیر میں روٹی لئے، اور

ھالی ابھی تک گومگوں کی کیفیت میں تھا، صبح کو اعتدال ہوتا شام کو ٹھہراؤ، شام سے رات تک جب کیفیات دھمال کرتی تو اشتیاق کے ساتھ ساتھ انتشار بڑھتا اور شدت کو اعتراض تھا۔

وہ چیخنے لگتا کہ گوہر یہاں سے چلو...... خدا کے لئے چلو علی گوہر، علی گوہر اس سے کیا کہتا جو رات کے انتظار میں صبح سے شام کاٹتا تھا۔

اور پھر رات تو ہوتی اس کی عید، یہاں عشق اس سے روز ملنے کے لئے آتا تھا۔

سر طور ہو، سر حشر ہو، ہمیں انتظار قبول ہے
وہ کبھی ملیں وہ کہیں ملیں وہ کبھی سہی وہ کہیں سہی
کبھی کبھی تو عشق ملنے کے لئے آتا ہے
کبھی کبھی تو محفل جمتی ہے
کبھی کبھی تو ہول اٹھتے ہیں
کبھی کبھی تو عاشق کو بن دیکھے معشوق مل جاتا ہے

''ارے سال میں دو دفعہ تو عید ہوتی ہے۔'' گوہر بس یہی کہہ سکا۔

''اور وہ عید بھی سیر سپاٹوں کی نظر ہو جاتی ہے۔''

ارے عید تو منانے دو، یہاں بن پیئے سرور ہے
محبوب کو دیکھ بغیر ہی محبت مسرور ہے

''تھوڑا اور ھالی، یقین جانو میری یہ عید پہلی بار ہوئی ہے، یہ عید گزر جائے گی، سب ٹھہر جائے گا، پھر تھکن سے گھر جا کر سو جانا ہے، ابھی موج کرنے دو۔''

مگر ھالی کا دل پھٹ رہا تھا، وہ کہہ رہا تھا۔

''علی گوہر! مجھ سے یہ سب نہیں برداشت ہو رہا، میرا دل پھٹ جائے گا اس نشے کی طاقت سے، دماغ شل ہو رہا ہے، بات بڑھ رہی ہے علی گوہر، بات بڑھ رہی ہے۔'' وہ امر کلہ کی طرح بول رہا تھا۔

علی گوہر کی طرح عشق معصوم کی مالا نہیں جپتا، امر کلہ تو جا کے اب تھکی تھی، مگر وہ تو ابتداء میں تھکا ہوا تھا

''ھالی چلے جاؤ، گھر چلے جاؤ، جب دل تنہائی سے ڈرنے لگے تو لوٹ آنا۔''

''میرے گھر والوں کو کہنا کہ گوہر کو عرصے بعد سکون آیا ہے، وہ کچھ دن اور جی لے پھر آ کر مزدوری کر لے گا۔''

''میں اکیلے کیسے جاؤں گوہر؟'' وہ جیسے بچہ بنا ہوا تھا۔

آج اس نے فقیروں کا لباس اتار پھینکا تھا، آج وہ سوٹ میں ملبوس تھا اور شیو بنائی، بال بنوائے، قدرے انسان لگ رہا تھا، اپنی نظر میں، گوہر کو پتہ تھا اس کا اب یہاں رکنا محال ہے۔

''کتنے بڑے بڑے سفر اکیلے کیے ہیں تم نے اب تک، جاؤ ھالی، شیو کرالی ہے، کپڑے بدلے، حلیہ بدلا، گویا تیاری پوری ہے، گھر جا کر آرام کر لینا اور پہنچتے ہی بخار کی دوائی لے لینا۔''

ھالی کے اندر حرارت تیز تھی، ہلکا بخار کب سے بڑھ رہا تھا، یا وہ بخار کے اندر پک رہا تھا، کیا

امرت نے آلو کے چپس، گوشت کا بچہ ہوا سالن اور سلاد لے آئی تھی باہر۔
''اسے سانس تو لے لینے دو عمارہ، بیچارہ ہانپ رہا ہے، پسینہ پسینہ ہے۔'' امرت کو رحم سا آیا۔
''اس نے کہا تھا میں کچھ دن جینا چاہتا ہوں، اس لئے مجھے جینا دیا جائے، میں خود ہی آ جاؤں گا۔''

''چلو یہ اور سنو۔'' عمارہ نے برآمدے میں دستر خوان لگایا ایک جگہ ان دونوں کے لئے اور اپنے اور امرت کے لئے کھانا الگ کر لیا تھا۔
''تم فریش ہو کر آ جاؤ کھانا کھانے۔'' عمارہ نے ھالار کو جو اپنائیت دکھائی تھی وہ خاصی خوش کن تھی، یہ امرت کو لگا، کیونکہ تبھی وہ مسکرائی تھی۔
''نہیں میری بہن میں پہلے کھانا کھاؤں گا، تھکا ہوا ہوں پھر سو جاؤں گا اور سو کر اٹھوں گا تو فریش ہو لوں گا۔'' وہ لاھوت کے ساتھ بیٹھ گیا پھر وہی سوالیہ نشان؟ یہی انداز کہ تم کون ہو؟ دونوں کا ایک سا انداز، لاھوت کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایک بار پھر کارڈ دکھا دے مگر امرت نے آنکھوں ہی آنکھوں میں تنبیہ کی تھی۔
''ھالی! لاھوت یہاں پڑھ رہا ہے، سندھ یونیورسٹی میں، گاؤں سے آیا ہے، میرے چاچا کا بیٹا ہے۔''
خون کی ایک اپنی ہی کشش ہوتی ہے جو دکھ رہی تھی۔

☆☆☆

زندگی سورج کا گولہ بنی ہوئی تھی، سورج آگ کا الاؤ تھا، اس نے زندگی سے آنکھ ملانے کی کوشش کر لی۔
ناکام گئی، زندگی سے آنکھ ملانے کی کوشش ادھوری تھی، سورج کی تپش سے آنکھ چراتے ہوئے اس نے آگ سے جھلستے کمرے کی دیوار کے سامنے میں پاؤں رکھا اور ادھ کھلے ٹوٹے کواڑ والے دروازے سے اندر آ گئی، گرمی تھی مگر سورج کی تپش اور حبس ذرا باہر رہ گیا تھا، اس کی ماں سلور کی تھالی سے ڈھکے سالن پر بار بار نگاہ کرتی پھر سے ڈھک دیتی، کھانے کی خواہش کو اس نے شدید بوکھلا کے باوجود بھی دبا رکھا تھا کہ امرکلہ کے آنے کے بعد نعمت نصیب کی جائے، جو ہے، جتنا ہے، جیسا ہے، نہ ہونے سے ہونا غنیمت ہے، صبر اس کے اندر آ گیا تھا، شکر کی منزل دور تھی۔
''آؤ امر تمہارا انتظار کر رہی تھی، آؤ کھانا کھا لیں۔'' اس کے چہرے کی تھکن اور پسینہ پسینہ وجود سے نظریں چراتے ہوئے اس نے شدید بے چینی سے کہا تھا۔
امرکلہ نے کالی چادر اتار کر ایک طرف رکھی، ایک چھوٹا سا دوپٹہ گلے میں ڈال لیا اور چوکڑی مار کر بیٹھتے ہوئے اس نے سفید بوتل جس کی رنگت میل کی وجہ سے زرد ہو چکی تھی، اس کا ڈھکن کھول کر منہ سے لگا لی جب گلاس سامنے نہ دیکھا، آدھی بوتل خالی کرنے کے بعد اسے احساس ہوا کہ اس کی ماں نے پانی شاید نہ پیا ہو، بوتل رکھ کر دوپٹے کے پلو سے چہرہ صاف کر کے اس نے سلور کی تھالی ہٹائی جس کے نیچے اسٹیل کے ڈونگے میں مچھلی کا سالن شوربے والا پڑا تھا۔
مصالحہ مصالحہ الگ، اسے یاد آیا اسے مچھلی کا سالن پسند نہیں تھا وہ تلی ہوئی مچھلی کم کم کھاتی تھی،

سالن کھاتے ہی جو بو کا احساس تازہ ہوتا، وہ ذائقے کو نگل لیتا تھا، اس نے خود کو بے ساختہ ٹوکا تھا اور ہاتھ چنگیر میں رکھی روٹی کی طرف بڑھائے جو خاصی سوکھ چکی تھی، مکھیوں کے خیال سے گھبراتے ہوئے اس نے روٹی کو چھید چھید کر ڈالا اور چپاتی کو اکھاڑ اکھاڑ کر کھانے لگی، یہ اس کی پرانی عادت تھی جو لوٹ آئی تھی۔

اس کی ماں کو یاد آیا، اس نے دل میں کہا امرکلہ تم ذرا نہیں بدلیں، ایک شفیق سی مسکراہٹ اس پر پھینکتے ہوئے وہ اسے دیکھتی رہیں۔

''کیا دیکھ رہی ہیں؟'' امرکلہ نے ان کی توجہ محسوس کرتے ہوئے کہا تھا۔

''تمہیں دیکھ رہی ہوں، تم ذرا نہیں بدلیں۔''

''کچھ بھی نہیں بدلا، حالات بھی نہیں، سب کچھ زیادہ خراب ہو گیا ہے، صبر تو تھا، مگر شکر کہاں سے لاتے، حالات کی تنگی میں، میں نے سمجھا تھا حالات سدھر جائیں گے، میں ساری زندگی اس آس پر ہی جیتی رہی، مگر کچھ اچھا نہیں ہوا۔''

''تم کہاں تھی امرکلہ، اتنا عرصہ اتنے سال کہاں تھیں، کس کے پاس، تم کیسے بچ گئیں، کیا تم نے چھلانگ نہیں لگائی تھی، پھر نہر کنارے کس کی کالی چادر ملی تھی، وہ کون تھی جس نے خودکشی کی، وہ چادر اور اس میں اٹکی ایک بالی، ویسی ہی جیسی تم پہنتی ہو، تمہاری بالیاں؟'' انہوں نے امرکلہ کے خالی کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

امر کو کھانسی ہونے لگی، کانٹا چبھ گیا، اٹک گیا، پانی کی بوتل منہ سے لگالی، دو گھونٹ بچائے پھر سے اگر کانٹا اٹکتا تو پانی کم تھا، اس لئے کھانے سے ہاتھ کھینچ کر روٹی کا سوکھا ٹکڑا چباتی رہی۔

''تمہیں کس نے بچایا امرکلہ؟ چادر تو تمہارے پاس ہے۔''

''مجھے اسی نے بچایا جس کو بچانے کی طاقت تھی۔''

''عیسیٰ مسیح۔'' ماں کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''ہاں، ہو سکتا ہے، وہ مردوں کو خدا کے حکم سے زندہ کر سکتے ہیں تو بچا بھی سکتے ہیں۔'' اس نے دانستہ خدا کے حکم کا حوالہ دیا تھا، انہیں پتہ لگ گیا کہ یہ واقعہ مسلمانوں کے منہ سے سنا ہوگا۔

''پھر تم کہاں گئیں امر، میری بچی، میں کتنا روتی رہی، تمہیں یاد کر کے۔''

انہیں یاد آیا وہ ہر وقت کہتی تھیں۔

''یسوع مسیح میری امرکلہ لوٹا دے میں اسے لاڈلی کر کے رکھوں گی، میں اس کی تکلیفیں پی جاؤں گی، میں اس کا خیال رکھوں گی، میں اسے ڈانٹوں گی بھی نہیں، تمہاری جدائی نے مجھے آدھا پاگل کر دیا امرکلہ، مگر تمہیں ماں کی یاد نہ آئی، باپ بھی نہیں، چاہے چور تھا، بدمعاش تھا، نکما تھا، مگر تھا تو تمہارا باپ، چور تھا اسے پھانسی ہو گئی امرکلہ۔'' وہ کہتے ہوئے رو دیں۔

امرکلہ کے حلق میں اب جو کانٹا پھنسا وہ نکلنے کا نہیں تھا، اس کی آنکھوں سے خاموش آنسو بہنے لگے۔

''اس بار اس نے قتل کیا تھا، واردات میں پکڑے جانے پر، قتل کیا تھا، وہ مر گیا، تم مر گئیں، تمہارا بھائی گھر سے بھاگ گیا، میں اکیلی کیا کرتی کیسے رہتی، ماں کے پاس آ گئی، ماں کو بھی بیماری

نکل گئی تھی، ماں کے بعد اس بستی میں پناہ ملی، پہلے لوگوں کے گھروں میں کام کرتی تھی، پھر یہاں آ گئی تو اور کام کرنا پڑا، سکھی بہت اچھی عورت ہے وہ مجھے سکون کے لئے در در پھراتی رہی، پچھلے ہفتے مزار پر حاضری دینے کے بعد اس کا ویزہ لگ گیا، اسے ایک کوٹھی والے نے عمرے پر بھیجا ہے، وہ مجھے بھی بھیجنے لگی تھی، مگر میں نے کہا میں عیسائی ہوں۔''

اس نے یہ نہیں کہا کہ محمد ﷺ اور عیسیٰ کا خدا ایک ہے؟ امرکلہ کی آنسوؤں سے تر آواز نے پوچھا۔

''تم محمد ﷺ کے بعد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتی ہو، ایسے مسلم کہتے ہیں وہ اپنے پیغمبر کا نام ایسے لیتے ہیں، تم مسلمانوں کے ساتھ رہی ہو؟'' انہیں خدشہ ہو گیا۔

''سکھی بھی تو مسلمان ہے آپ ان کے ساتھ رہی ہیں۔''

''سکھی اتنی اچھی مسلم نہیں ہے، وہ زیادہ مذہبی نہیں ہے، بس مزاروں پہ جانے کا اسے بہت شوق ہے، وہ تو ہندو بھی بعض دفعہ جاتے ہیں۔''

''ان مسلمانوں کی یہی خصوصیت ہے کہ یہ مذہبی دکھتے نہیں مگر اندر سے پکے مذہبی ہوتے ہیں۔''

''مطلب یہ نرا دھوکا ہیں، ان کو ہر حالت میں اپنا ٹھپہ لگانا تھا، ان پر اپنی مرضی کا جعلی اسٹیمپ، باہر سے جعلی نکلی اندر سے مال پکا، کھرا، سفیدے جیسا، تیز...... رنگ دینے والا، سفید لیپ کے اندر ساری کالی کوری دیوار ڈھک جاتی ہے، نیت کا بھید بندوں کا خدا جانے مگر بہت دفعہ مال اصلی ہوتا، بات پرکھ کی ہے، بات سمجھ کی ہے، بات ہے شناخت کی۔''

''تم پہ پہلے ہی مسلوں کا رنگ چڑھا تھا۔''

''میں انسانوں کے ساتھ زیادہ رہی ہوں۔''

''یہاں ہر کوئی نام کا مسلمان، نام کا ہندو، نام کا عیسائی ہے، دل سب کے کھوٹے ہیں۔''

''مگر ہم اچھے پیروکار بننے کی کوشش کر سکتے ہیں۔''

''ہم روز گرجا جائیں گے، یہاں سے تھوڑی دور ہے تو کیا ہے، روزی روٹی کے لئے بھی تو ہاتھ پاؤں چلاتے ہیں۔''

''مجھے کسی گرجا، مسجد، سندر نہیں جانا۔''

اس نے سلور کی تھالی سے آدھا سالن ڈھک دیا۔

''اسے باہر ڈبے میں پھینکنے سے پہلے پوچھ لیجئے گا، اگر کسی کو ضرورت ہو تو دے دیں۔''

''اسے رات کے لئے رکھ لیتے ہیں۔'' انہوں نے تھالی کے نیچے کا ڈونگا سنبھال لیا۔

''میں رات میں نہیں کھاؤں گی، آپ کھا لیجئے گا۔''

''سنو امرکلہ! آج کچھ پیسے لائی ہو؟'' خاصہ جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

امرکلہ نے دو سو روپے دوپٹے کے پلو سے چھڑا کر ان کی ہتھیلی پر رکھ دیئے۔

''دن نکل جائے گا، کل میں بھی مزدوری پہ جاؤں گی۔''

''کل صبح سویرے چلیں گے، امرکلہ کمائی زیادہ ہو گی۔''

اس کا چہرہ دھوپ کی تمازت سے جھلس گیا تھا، چار دنوں میں، یہاں سے یہ دیہات کچھ دور تھا، جہاں علاقے کی عورتیں کھیتوں میں بوائی چنائی کے وقت جاتی تھیں، ابھی کپاس کی چنائی کا دور تھا، امرکلہ نے اپنی زخمی انگلی کے پور کو قدرے رحم سے دیکھا جو کانٹا چبھنے سے زخمی ہو گیا تھا۔

اس کی آنکھوں میں سورج ایک مرتبہ پھر سے جھانکنے لگا، اسے لگا جیسے سورج نے کانٹا پھینکا ہو، آنکھ میں کانٹا، حلق میں کانٹا، جسم میں کانٹے، کیا کچھ اتار پھینکتے نظر، چہرہ، حلق، جسم، روح نے کہا جسم اتار پھینکو، اس کو اس فرمائش پر رونا کیوں نہ آتا، جبکہ آنسوؤں نے تھکن کے مارے آنکھوں کے اندر ڈیرا کرنا چاہا مگر جو ایک بے قرار ہوا وہ بائیں آنکھ کے کونے سے ڈھلک گیا۔

اتنے کانٹے تھے، ایک شہد کا قطرہ تھا، زندگی کا ذرہ تھا، ابھی بہت کچھ باقی تھا۔

☆☆☆

سکون کی ایک لہر اسے چھو کر گزری جب ان سے ہنگامہ آرائی کا سبب پوچھا تھا اس نے اندر آتے ہوئے۔

وہ ابھی گھر آئی تھی، سامنے بہت ساری چیزوں کو بکھرا دیکھ کر کچھ الجھن سے پوچھا، نقطہ بڑا عام سا تھا کہ یہ کیا ہوا مگر اس لفظ کے اندر بعض اوقات قیامت بہت بڑی پوشیدہ ہوتی ہے۔

انہوں نے گہری مایوسی اور دکھ سے اسے دیکھا، جیسے خبر سنانے سے پہلے انسان کو رویہ کے ذریعے تیار کرتا ہے، امرت دو لمحے کے لئے چپ رہ گئی جیسے ذہن کسی بار کو لینے کے لئے خود کی آمادگی ظاہر کرتا ہے۔

حنان نے شادی سے انکار کر دیا ہے، یہ جملہ تھا، انہوں نے اپنے تئیں بم پھوڑا تھا، ان کا لہجہ شکستہ تھا۔

امرت نے خود کو صوفے پر چھوڑ دیا، بیٹھتے ہوئے دو لمحے کو آنکھیں موند لیں، لگ رہا تھا جیسے پہاڑ سرک رہا ہے مگر بیماری جاتے جاتے جو روح کھینچ کر جاتی ہے اس کی تکلیف کی تھکن کا اثر تو رہ جاتا ہے نا، اس نے اس ایک لمحے میں خود کو بہت تھکا ہوا محسوس کیا تھا۔

''انہوں نے ساری چیزیں بھجوا دی ہیں واپس اور اپنی چیزیں مانگی ہیں۔'' ان کی آواز میں نمی تھی۔

''چیزیں واپس کر دیں ان کو، اسی طرح پڑی ہیں، پیکنگ بھی نہیں کھولی۔'' امرت کا لہجہ خالی تھا۔

''امرت اسے منالو، اسے فون کرلو، یا گھر یہ بلالو، بات سنبھل جائے کسی طرح۔'' امرت نے آنکھیں کھول کر ماں کی طرف دیکھا، بے یقینی سے نہیں، بس افسوس سے۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے، وقار صاحب نے ٹھیک موقع پر اپنے ہونے کا ثبوت دیا تھا، باپ اسی موقعوں کے لئے ہوتے ہیں۔'' اس نے وقار صاحب کو افسوس نہیں بے یقینی سے دیکھا تھا۔

''بس بہت ہو گیا، میری اور میری بیٹی کی زندگی کھلونا نہیں ہے میں ابھی بات کرتی ہوں، ان سے کہ یہ کیا مذاق ہے شادی کی ڈیٹ رکھنے کے بعد یہ کون سا کھیل کھیلا ہے آپ نے۔'' وقار صاحب نے قدرے بے بسی سے اپنی باغیانہ فطرت والی بیوی کو دیکھا اور ہر بار کی طرح اپنے فیصلے

پر پچھتایا۔

امرت خاموشی سے اٹھی اپنی الماری سے وہ چند چیزیں جن میں کچھ جوڑے، جیولری اور ایک میک اپ باکس جو حنان کی فیملی نے منگنی کی رسم کے وقت اور بعد میں بھجوایا تھا، یہ ساری چیزیں ویسی کی ویسی پڑی تھیں اسی شاپرز میں بھر کر باہر لے آئی۔

اسے اس وقت باپ کی ضرورت تھی، بھائی کی ضرورت تھی جو اس کی طرف سے جا کر ان سے بات کر لے۔

لڑے یا برا بھلا کہے، دوسرے معنوں میں اپنی بھڑاس نکالے یا زیادتی پر چیخے، مگر نہ بھائی تھا نہ بہن، بہن جو دکھ اور احساس سمجھتی ہے، اسی موقع پر رشتوں کی اہمیت کا ٹھیک اندازہ ہوتا ہے۔

ایک ماں جو ضدی بھی حد کی، باغی بھی حد کی اور اپنی عقل کی خواہش پر چلنے والی۔

"یہ چیزیں بھی لوٹا دیں ان کو۔" اس نے وہ چیزیں جو آدھی استعمال شدہ اور آدھی ضائع کرنے کے قابل تھیں اس حد تک استعمال میں لائی جا چکی تھیں، کئی چیزوں کا وجود غائب تھا جو وقفے وقفے سے صنوبر بیگم ان کی طرف بھجواتی رہتی تھیں۔

اس نے وہ ساری چیزیں اٹھا کر ڈسٹ بن میں پھینک دیں اور وہ ہمیشہ کی طرح چیختی چلاتیں سمجھاتی رہ گئیں۔

سمجھانے کا عمل بھی چیخنے چلانے میں آجاتا تھا۔

"دیکھو امرت پوری زندگی کا معاملہ ہے ایسا مت کرو، اس سے ایک بار بات کر لو، صرف ایک بار۔" انہوں نے بازو پکڑ لیا۔

"یہ تعلق ایک کھلونا تھا، ٹوٹ گیا، بہت دیر سے ٹوٹا ہے، بہت تکلیف دے کر ٹوٹا ہے، آدھی توانائی ضائع کر کے۔" امرت بہت تھکی ہوئی تھی، دل سے بھی، ذہن سے بھی، کمرے میں آکر دروازہ بند کیا نیند کی گولی کھائی۔

کچھ بھی سوچنا اور سمجھنا فی الحال دشوار تھا، ذہن پر تھکن سوار تھی، انہوں نے کئی بار دروازہ پیٹا، اندر سے کوئی آواز نہ آئی۔

"دیکھا اسے منگنی ٹوٹنے کا دکھ ہے، وہ کچھ کر نہ لے وقار اسے کہو دروازہ کھول دے۔"

"کچھ نہیں کرے گی، وہ سونا چاہتی ہوگی، اسے سونے دو، تم نے دیکھا نہیں وہ تھکی ہوئی ہے، اس پر رحم کرو صنوبر وہ بیٹی ہے تمہاری سگی بیٹی، اسے ختم مت کرو، اسے جینے دو۔" وہ افسردہ سے کمرے کی طرف جانے لگے۔

"تم بھی یہیں سمجھتے ہو، سارے لوگ یہی سمجھتے ہیں، سب مجھے ہی غلط سمجھتے ہیں۔"

"جو غلطی کرتا ہے وہ چیختا ضرور ہے۔" وہ بھی چیخ رہی تھیں اور امرت لمبی تان کر سو گئی، پیچھے اس کا نصیب سر پٹخ رہا تھا، وہ صنوبر بیگم کا خیال تھا۔

☆☆☆

وہ رات کو دیر سے اٹھی کمرے سے باہر آئی، صنوبر بیگم جانے کب سے جاگ رہی تھیں، اسے رحم سا آیا، مگر اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کیا کہے۔

''کھانے کو کچھ ہے؟'' اس نے سر پہ کھڑے ہو کر پوچھا وہ تعجب سے دیکھنے لگیں۔

''تمہیں دکھ نہیں ہوا امرت؟''

''مجھے اب چھوٹی چھوٹی سی باتوں پر دکھ نہیں ہوتا۔'' وہ کہتے ہوئے کچن کی طرف چلی گئی، دال اور چاول نکالے اور گرم کیے بغیر باہر لے آئی اور کھانے لگی۔

''آپ نے کچھ کھایا ہے؟'' اس نے سرسری سا پوچھا۔

''امرت تمہیں کیا ہو گیا ہے، تمہاری پوری زندگی کا معاملہ ہے، سنجیدہ ہو جاؤ۔''

''کیا میں یہاں بیٹھ کر کھانا کھا سکتی ہوں۔'' اس کے اندر تلخی آ گئی، بہت زیادہ تلخی، اسے لگا کھانے میں مرچیں ہیں، کڑوا زہر جیسا لگا، کبھی کبھار زندگی کو سنبھالنا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا کسی کو مطمئن کرنا ہوتا ہے۔

''آج کے بعد یہ ذکر پھر نہیں ہونا چاہیے، اگر آپ چاہتی ہیں، میں عام انسانوں کی طرح رہوں، اٹھو، بیٹھو، ہنسو، بولو، بات کرو، سوؤ، جاگو اور یہاں رہو، تو پھر نہیں، اب نہیں، قطعی نہیں۔''

اس نے سیل فون سے عبدالحنان کا نمبر ایسے ڈلیٹ کیا جیسے اسے سیل فون سے نہیں زندگی سے ڈلیٹ کر دیا ہو اور پھر بار بار اس کے نام کی ٹون جو بار بار بج رہی تھی اسے کوفت میں مبتلا کر رہی تھی۔

''تم اپنے اور میرے ساتھ بہت برا کر رہی ہو امرت، تمہیں میرا ذرا احساس نہیں ہے، تمہیں لوگوں کی باتوں کا احساس نہیں ہے، تمہاری اتنے سالوں کی منگنی اتنی آسانی سے ٹوٹ جائے گی، لوگ کتنی باتیں کریں گے، کچھ تو سوچو، تمہارے کردار پر۔''

''امی خدا کے لئے۔'' اس نے تیزی سے کاٹا بات کو۔

''لوگ جو کہیں گے، وہ آپ نے کہہ دیا اور میں نے سن لیا، کاش میرا کوئی ٹھکانہ ہوتا، کاش میرا کوئی گھر ہوتا، کہ جہاں میں سکون سے رہ سکتی، اللہ کی اتنی بڑی دنیا میں میرا کوئی گھر نہیں ہے، کوئی نہیں ہے، اللہ سے شکوہ بے ساختگی اور بے بسی میں ہی نکلتا ہے۔'' اس نے کچھ نہ لیا، سب وہیں چھوڑا، سر پہ ایک چادر تھی بیگ اٹھایا، سیل بھی میز پر پڑا تھا۔

''اللہ کی اتنی بڑی دنیا میں کوئی ایک کونا ایسا ہو گا جہاں مجھے چار گھنٹوں کا سکون مل سکے، میں کھاؤں نہ کھاؤں، بولوں نہ بولوں، چیخوں نہ چلاؤں کوئی مجھ سے سوال نہ کرے، چار گھنٹوں کی زندگی۔'' وہ تیزی سے کہتی ہوئی اپنے اندر کے آنسو دھکیلتی ہوئی باہر نکلی تھی۔

''امرت رکو، میری بات سنو امرت۔'' پیچھے سے آواز دیتی وہ باہر تک آئیں مگر دروازہ باہر سے بند ہو چکا تھا، وہ اندر کی طرف بھاگیں۔

''وقار...... وقار اٹھو۔''

''کیا ہوا؟'' کہنے کو چھوٹا سا لفظ، بات بڑی تھی۔

''وقار وہ چلی گئی، وہ منہ اندھیرے چلی گئی، پتہ نہیں کہاں چلی گئی، اٹھو دروازہ بھی باہر سے بند ہے۔''

''کہاں چلی گئی؟'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔

''پتہ نہیں کہاں، میں کیا کروں۔'' وہ رو دیں، رونا آسان تھا، انسان جب کچھ نہیں کر سکتا تب بھی روتا ہے اور جب کچھ کر چکا ہوتا ہے تب بھی روتا ہے، وہ کمال کرنے کے بعد روئیں۔

''دیکھو بیٹھو، بات کرو، اپنے ساتھ کچھ لے کر گئی ہے؟''

''نہیں، کچھ نہیں لے کر گئی۔''

''پھر آ جائے گی فکر مت کرو، جلدی آ جائے گی، کیا کہہ کر گئی ہے؟''

''کہہ رہی تھی چار گھنٹوں کا سکون، میرا کوئی گھر نہیں، دیکھا وہ اس گھر کو اپنا گھر نہیں سمجھتی، دیکھ لیا، تم نے چار گھنٹے بھی اسے سکون سے رہنے نہ دیا، چار گھنٹے بھی رحم نہ کیا اس پر، ارے صنوبر، کچھ تو ٹھہر جاتیں، اسے سکون سے رہنے دیتیں، تم سمجھتی ہو اسے فرق نہیں پڑا، اسے پڑا ہے، وہ دکھ کو پینے کی کوشش کر رہی تھی، اس کی ہمت جمع ہونے دیتیں، پھر چیختیں تو بات بنتی، اسے نارمل تو ہونے دیتیں، جب وہ سونے لگی تو تم نے دروازہ پیٹا، وہ کتنی دیر بعد سوئی ہو گی، جب وہ سو کر اٹھی تو پتہ نہیں تم نے اسے کچھ کھانے میں دیا یا نہیں، شروع ہو گئیں، اپنی بھڑاس نکالنے کے لئے، تم نے اس کے لئے نہیں سوچا اور اب رو رہی ہو۔'' وہ کتنے دکھ اور افسوس سے کہہ رہے تھے۔

''اب خدا کے لئے یہ مت کہنا کہ سب مجھے غلط سمجھتے ہیں، تم چھرا گھونپ کر کہتی ہو کہ کوئی قتل کیا ہے، تم نے زندگی کو مسئلہ بنا دیا ہے، الجھن بنا دیا ہے، عجلت بنا دیا ہے، مشکل بنا دیتی ہو، سانس لینے کا موقع کیوں نہیں دیتیں، یہاں تمہارے ساتھ نہیں سب کے ساتھ برا ہوتا ہے، منگنی ٹوٹنے پر تمہیں دکھ ہوا، جس کی ٹوٹی اسے کیسے نہیں ہوا ہو گا، یاد ہے یہ منگنی اس نے اپنی خوشی سے کی تھی اور اتنے سال اسے رکھا، پروا کی اور آج اتنی عجلت میں ٹوٹی تو وہ کیسے نہیں ٹوٹی ہو گی، بجائے اس کا دل بہلانے کے، تم اس پر برس پڑیں۔'' صنوبر بیگم کو پہلی بار چپ لگی تھی، زندگی میں کبھی کبھار چپ لگ ہی جاتی ہے۔

''میں کیا کروں وقار، اس کا انتظار۔'' وہ ٹوٹی ہوئی آواز میں بولیں، کمزور سی آواز میں۔

''وہ لوٹ آئے گی مگر دعا کرنا اب کی بار اس کا دل بھی لوٹ آئے، وہ برے دل سے مجبور ہو کر یہاں سے گئی ہے، وہ لوٹی تو بھی دل شاید ہی لوٹے۔''

''ایسا مت کہو، مجھے برا بھلا کہہ دو وقار، مگر یہ مت کہو، میرا دل کٹ جاتا ہے، میں اسی کے لئے جیتی ہوں۔''

''وہ بھی تمہارے لئے جیتی رہی ہے، وہ محنت کر کے کماتی رہی ہے، وہ راتوں کی نیند حرام کرتی رہی ہے وہ روپیہ روپیہ جوڑ کر گھر چلاتی رہی ہے قسم لے لو صنوبر بیگم اگر میرا عدنان ایسا ہوتا تو میں اس کا کتنا مشکور ہوتا، صنوبر ماں باپ سارے اچھے ہوتے ہیں اولاد کا اچھا ہونا بہت بڑی بات ہوتی ہے، اولاد کا بڑا بننا بہت مشکل ہوتا ہے، وہ جب بڑی بنے تو اسے گنجائش دو، ہم ماں باپ بن کر سارے حق اپنے پاس رکھتے ہیں مگر اولاد کو ایک حق کیوں نہیں دیتے، اپنی زندگی کے فیصلے کرنے کا، یا خوش رہنے کا، صنوبر بچے کیوں گھر سے بھاگتے ہیں کبھی سوچنا، وہ چار گھنٹوں کے لئے سکون کے لئے ترستی ہوئی گھر سے نکلی ہے، وہ کتنی بے چاری ہے، کتنی بے بس ہے جو اتنا عرصہ گھر سے نہیں نکلی اور تم نے اسے کتنا مجبور کر دیا، اس کے اندر کے طوفان کو چھیڑ دیا، ہوا دے دی۔''

آواز نم تھی، لہجہ نم تھا، دل بھی نم تھا۔

''بس کر دو وقار، بس کر دو، مجھے لفظوں کی مار مت مارو۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگیں اتنی شدت سے، پہلی بار پتہ چلا رلانا آسان ہے، رونا مشکل ہے، وقار صاحب نے لب بھینچ لئے۔

''امرت لوٹ آؤ، تمہیں اللہ کا واسطہ لوٹ آؤ۔'' وہ بچوں کی طرح رونے لگیں۔

وقار صاحب نے اسے سہارا دیا، اسے پانی پلایا، اسے رونے دیا اور پھر جیسے بیچ میں صدیوں کی چپ حائل ہو گئی اسے گھر سے نکلے چوتھا گھنٹہ شروع ہو چکا تھا، صبح صادق کا وقت ہو رہا تھا اور وقار صاحب نے نماز کے لئے نیت باندھی، کرسی پر بیٹھے بیٹھے، وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہیں۔

کہنا چاہتی تھیں میرے لئے دعا کرو، یا امرت کے لئے، مگر کہہ نہ سکیں، زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا کہ وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ کہہ نہ سکی ہوں۔

ورنہ زندگی میں اب تک جو سوچا، اس کی صورت مکمل ہونے سے پہلے کہہ دیا، پھینک دیا۔

احساس یا علم کا ایک نکتہ بھی جب کھلتا ہے تو بدلنا اتنا ہی دشوار ہو جاتا ہے۔

یہ کوئی علم والوں سے پوچھے، جن پر لمحے کے لئے نکتے اترتے ہوں وہ صرف حیران ہونا جانتے ہیں اور حیران ہونا چاہتے ہیں۔

☆☆☆

اپنی ذات کی منزلیں طے کرتے ہوئے وہ کتنی بار الجھی تھی۔

وہی نہیں ہر کوئی الجھتا ہے، ماضی میں جھانکنا بھی ہر کسی کی عادت ہے اور بعض اوقات ماضی سے بھاگنا بھی، حال سے مگر بھاگا نہیں جا سکتا، وہ اس ساری صورتحال سے بھاگ نہیں سکتی تھی، ہمیشہ ایک چیلنج سے بھاگتے ہوئے انسان کو دوسرا چیلنج ملتا ہے۔

وہ بس بیکے اچھالتی رہی اور بھاگتی رہی یہاں تک کہ تھک گئی، اب میدان تپا ہوا تھا، دن میں سورج کی تپش تھی اور رات میں گرمی کا حبس، اس پر مچھر، اس کی ماں کمرے میں چرچراتے اسٹینڈ فین کی گرم ہوا میں مزے سے سو رہی تھی اسے وہ گرم ہوا چیونٹیوں کی طرح چبھ رہی تھی۔

وہ کمرے سے باہر لکڑی کی بالکونی میں ادھڑی ہوئی ریلنگ کے پاس آ کھڑی ہوئی، ریلنگ پر ہاتھ رکھتے رکھتے بے ساختہ ہٹی اسے لگ رہا تھا یہ ادھڑی لکڑیاں چھونے سے بھی گر کر ٹوٹ جائیں گی یہ الگ بات کہ انہی پر وزنی کھیس رلیاں اور چادریں ٹنگی ہوئی تھیں، جو دن میں تیز دھوپ اور رات کی اوس میں بھیگ کر گیلی ہو جاتیں، دھوپ اور سرد آمیزش ایک عجیب بو کی صورت تاثر چھوڑتی تھی، بھنبھناتے مچھروں نے ریلنگ سے توجہ ہٹائی اور وہ ہاتھ کا پنکھا جھلتے ہوئے اردگرد دیکھنے لگی جب نچلے صحن میں ایک عورت مچھروں کو برا بھلا کہتے ہوئے شوگر مل والوں کو گالیاں دے رہی تھی، اس کا خیال تھا اگر شوگر مل نہ چلے پاس والی تو سارے مچھر یہاں نہ روڑیں لگائیں وہاں کے دھوئیں سے بھاگ کر۔

کسی حد تک یہ خیال درست تھا۔

گندگی کے ڈھیر ان سب کی مجبوریوں کا حصہ تھے، اتنی گھٹن میں اسے صبح کے کام کا تصور اور حراساں کر دیتا تھا، دھوپ کی تمازت سے جلتا ہوا دن جس کا سورج روشنی تو اپنی جگہ مگر انگارے بھی پھینکتا تھا، پیٹ بھرنے کے لئے کھانا کتنا مشکل ہے، پچھلے کئی سال کی زندگی میں اسے پیٹ کی فکر ذرا نہیں رہی تھی، دیگر فکروں نے نڈھال کر دیا تھا، اندر کی بھوک، باطن کی بھوک، بے چینی، تشنگی، سراب، مگر پیٹ کی بھوک جو جان لیوا ہوتی ہے اس کے ہوتے ہوئے کوئی دکھ وا ہمیت نہیں رکھتا، وزن کھو دیتا ہے۔

اس کے ہونٹوں پر خود کے لئے نہ سہی ان سارے لوگوں کے لئے ایک رحم کا جذبہ تھا۔

نیچے نگاہ کیے ایک بستی کی ٹمٹماتی روشنی کا چھوٹا سا شعلہ نظر آیا، یہ ننھی سی کرن کون جلا رہا ہے، دور اتنی سی روشنی میں کس کا کام ہو رہا ہے۔

چاند کی ہلکی سی چاندنی میں ریلنگ سے نیچے جھانکنے پر ایک گول سا سر جس پر بالوں کا لچھا تھا گھنے گھنے چھوٹے چھوٹے بالوں کا ڈھیر، وہ بچی تھی، امر کلہ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی، یہ سادھنا ہی تھی شاید۔

ان کی پڑوسن سونا کی چھوٹی بیٹی، میلی فراک پہنے بے ترتیب بالوں کا جھنڈ لے کر ہر وقت گلی میں پھرتی تھی اور جب ماں کے تھپڑ پڑنے سے پٹتی تو اس کی چیخ و پکار چھوٹے محلے کے ہر صحن تک پہنچتی تھی۔

اب بھی کوئی ایسا ہی سین ہونے والا تھا کہ اس کی ماں سونا نے آگر پیچھے سے ایک دھموکا جڑ دیا تھا اور اس کی چیخ کراہ کی صورت برآمد ہوئی تھی اس کا کلیجہ ہول گیا۔

''مار پڑے یہ کون ہے؟'' ساتھ والے گھر سے کراہ ابھری شدید کرخت لہجے میں۔

''سادھنا نوں کٹ پڑی ہے۔'' عورت کی بیٹی نے چہکتے ہوئے اعلان کیا، امر کلہ کی نا چاہتے ہوئے ہنسی چھوٹ گئی۔

سادھنا کی چیخیں اور ماں کا تھپڑ برسانا ظالمانہ مضبوط گرفت والا سخت چمڑے کا ہاتھ قہر برسانے لگا تو اس سے رہا نہ گیا۔

''سونا اسے مت مارو، اسے کیوں مار رہی ہو خدا کا خوف کرو کچھ تو۔''

''یہ ہے ہی اسی لائق، تجھے سب پتہ ہے، ہر وقت بستی میں لور لور پھرتی ہے کمینی۔''

''تو کیا کرے گی بچاری۔'' امر کلہ کو اس کے اعتراض پر حیرت ہوئی۔

''یہ پورا گھر سنبھالنے سے تو رہی۔''

''پورا گھر نہ سنبھالے پر ساتھ تو چل سکتی ہے نا، کام تو کر سکتی ہے ناہڈ حرام، ساری ساری رات جناور (جانور) کی تصویریں بناتی رہتی ہے، لے تصویروں سے کوئی روزی روٹی ملنی ہے کمینی کو۔'' کہتے ہوئے ایک اور تھپڑ مارا اور اس بار سادھنا کی چیخ گھٹ گئی، البتہ وہ سسکیاں لے رہی تھی۔

امر کلہ نے کرب سے آنکھیں بھینچتے ہوئے کھول کر اسے آواز دی تھی۔

''سادھنا، او سادھنا بچے ادھر آ جاؤ میرے پاس۔'' وہ کہتے ہوئے سیڑھیاں اتر کر نچلے صحن

کے ساتھ بنے گھر کے اندر داخل ہوئی، عورت ابھی بھی سر پہ کھڑی تھی اس کے، اس نے سونا کو دیکھے بغیر سادھنا کو ساتھ لگایا۔

''میں اسے لے جا رہی ہوں تھوڑی دیر کے لئے۔'' اس نے کہتے ہوئے اس کی طرف ایک لمحے کو دیکھا بغیر اس کی بات کے جواب کے انتظار کے سادھنا کو تھامے اسے ساتھ لے جانے لگی۔

''پراں مر بھنا گی۔'' سونا نے بچی کو کوستا دیتے ہوئے اندر کا رخ کیا۔

''صدا کے لئے لے جا چوک چنڈال کو۔'' یہ عورت کیسے کیسے لفظ بولتی ہے، امرکلہ نے دکھ سے سوچا۔

سادھنا کی سسکیاں گھٹ کر ہلکی ہو گئی تھیں، وہ ریلنگ کے پاس بیٹھ گئی، اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا، جس کے پردے کو چیرتی ہوئی ہوا کے جھونکے نے لمحے کو ہلکا کیا اور کچھ لمبی ٹھنڈی سانسیں چھوٹیں تھیں۔

سادھنا نے سر اٹھا کر امرکلہ کی طرف دیکھا اور اس کا ہاتھ اٹھا کر اپنے گال پر رکھ دیا، اس کے سارے آنسو امرکلہ کے ہاتھ میں جذب ہو گئے، اسے بے حد پیار آیا بچی پر۔

اس نے ہاتھ سے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا، کئی بار اس پر پیار تو آیا ہی تھا اور بے طرح آیا تھا، مگر کیوں، اس نے سادھا کی جھیل جیسی آنکھوں میں جھانکا تو وہ مسکرا دی۔

دس گیارہ سال کی بچی مسکرا دی، اس کی مسکراہٹ اور آنکھوں کے نیچے پڑتے ڈمپل، بالکل امرت کے چہرے کی مسکراہٹ سے جیسے چرایا تھا اس نے۔

وہ دنگ رہی گئی، تو اسی لئے وہ اس کی طرح کھینچتی تھی۔

''امرت؟'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا، بچی نے نا سمجھی سے دیکھا۔

''امرت......میری امرت۔''

اس کی ماں جاگی ہوئی ہوتی تو قہر بھری آواز ابھرتی کہ تو ابھی تک اس میسنی بکری کو نہیں بھولی، امرت کو وہ غصے سے جانے کیا کیا کہتی تھی جن القابات میں سے میسنی بکری ایک تھا۔

''امرت!'' کوئی تیسری بار نام لیا تھا، امرکلہ کی نظر دھندلا گئی۔

سادھنا ابھی تک اپنے چہرے کو ان ہاتھوں کی تحویل میں دیئے حیرانی اور نا سمجھی سے دیکھ رہی تھی، جب امرکلہ اسے خود سے بھینچ کر بے ساختہ رو دی۔

''امرت میں تمہیں نہیں بھولی، امرت تم مجھے یاد ہو۔'' اس کی کیفیت نے پیغام ڈیلیور کر دیا جب لمحوں میں کسی کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

مزار کی اوٹ میں سخی عبدالوہاب کے پاس، دل کا ایک جھمکا لگا تھا۔

''امرت؟'' کسی کی صدا دل کے اندر ابھری، کون اسے یاد رکھے ہوئے ہے، اس نے خدا جانے کیوں بے ساختہ امرکلہ کہا تھا اور ساتھ ہی اس کی آواز میں نمی اتر آئی۔

امرکلہ نے دوسری جانب آسمان کی طرف نگاہ ڈال دی، ہم جب بھی کچھ ڈھونڈتے ہیں تو بے اختیار آسمان کو کیوں دیکھتے ہیں، جبکہ خزانہ تو ہمیشہ زمین میں دفن ہوتا ہے۔

☆☆☆

صبح سویرے عمارہ کا فون بجنے لگا، وہ اپنے لئے چائے بنا رہی تھی، رات اس نے اکیلے گزاری تھی، اماں ابا نہیں آسکے تھے، مگر اس نے تسلی کے لئے انہیں پیغام دے دیا تھا کہ وہ اکیلی نہیں ہے، سالار شام میں ہی چلا گیا تھا اپنے گھر، یہی ضروری تھا، وہ گھر پہ اکیلی تھی اسے مناسب نہیں لگا، امرت کو اس نے یہ کہہ کر بھیج دیا تھا کہ اماں ابا آجائیں گے وہ رات بھر سوتی رہی، جیسے صدیوں کی نیند ہو، بڑی تسلی سے، اس لئے فجر پر آنکھ کھلی، نماز پڑھ کر اٹھی ہی تھی کہ ٹیکسٹ کی بھرمار اور پھر فون امرت کے نمبر سے، ٹیکسٹ لکھنے کا انداز ہٹ کر تھا، اس نے کال بیک کی فوراً، توقع کے مطابق آواز بھی دوسری تھی۔

''جی خالہ خیریت ہے؟ امرت ٹھیک ہے؟'' وہاں سے وہ بوکھلائی ہوئی تھیں، آواز سے نمی دور تھکن واضح تھی۔

وہ بتا رہی تھیں کہ امرت منہ اندھیرے گھر سے نکل گئی ہے اور پتہ نہیں کہاں ہے، اس نے بھونڈے لفظوں کی تسلی دی کہ تلاش کرتے ہیں، یا آجائے گی خود ہی، مگر ان کے لہجے کو ٹوٹا ہوا دیکھ کر اس نے یقین دلایا کہ وہ اسے ڈھونڈتی ہے

فون رکھنے کے بعد چند منٹ تو وہ سوچتی رہی کہ حنان سے منگنی ٹوٹنے کا اتنا صدمہ ہوا ہے اسے، یہ کیسے ہوسکتا ہے، اس نے سب سے پہلے حنان کے نمبر پہ کال کی جو ادھ سوئی جاگی کیفیت میں تھا، غالباً رنگ کی آواز پر جاگا تھا اور اس نے کہہ دیا جو جو دل میں آرہا تھا۔

بہت برا بھلا کہنے کے بعد اس نے اسے اچھی خاصی دھمکیاں بھی دیں اور پھر امرت کے گم ہوجانے کی ذمہ داری بھی اس پہ ڈالی کہ اب اگر اسے کچھ ہوا تو اس کا ذمہ دار وہ ہوگا، یہ لوگ مل کر اسے لاک اپ کروادیں گے۔

وہ اپنی آگ پھینکنا ہی چاہ رہا تھا کہ اس نے لائن کاٹی اور ہیلپ لائن پر کال کرکے اس کا نمبر بلاک بھی کروادیا کہ اب نہ اس کیا ٹیکسٹ موصول ہوگا نہ ہی کوئی کال۔

اپنا دل ہلکا کرنے کے بعد اسے یاد آیا کہ امرت کو ڈھونڈنا بھی ہے۔

''لو اب گوہر کے بعد اسے بھی آوارہ گردی کا دورہ پڑ گیا ہے، جب کوئی گھر سے فرار ہوجاتا ہے تو مجھ پر ہی کیوں مصیبت آتی ہے، اسے تلاشنے کی۔'' وہ بڑبڑائی چائے بناتے ہوئے۔

''مگر وہ گئی کہاں، اب اس وقت سواری ملنا بھی مشکل تھا، پھر وہ کہاں جائے۔'' اسے سوچنا پڑا۔

جو کام وہ بہت کم کرتی تھی، مگر بہر حال ھالی کا خیال آیا اس نے فوراً اس کا نمبر ملایا اور اسے جلدی پہنچنے کو کہا۔

وہ بھاگم بھاگ پہنچا جب عمارہ چائے پی کر کپ خالی کر چکی تھی۔

''دیکھو میں چائے پی چکی ہوں، تمہیں پینی ہو تو بنا دوں۔'' وہ کتنی تسلی سے پوچھ رہی تھی۔

''مجھے نہیں پینی، بتاؤ کیا ہوا؟ وہی کیا ہوا، وہی مصیبت۔''

''امرت نے بھی گوہر والا دھندہ اپنا لیا، یک نہ شد دو شد، اس کی غیر موجودگی کا احساس اب نہیں ہوگا۔''

''مطلب کیا ہے سادہ بات کرو۔'' اسے الجھن ہوئی تھی عمارہ کے اس انداز سے۔

''سادہ بات یہ ہے کہ وہ منہ اندھیرے گھر سے چلی گئی ہے، منگنی ٹوٹنے کا صدمہ لے کر، اب خالہ پریشان ہو رہی ہیں، کوئی کرے تو کیا کرے، اب کہاں جا کر ڈھونڈیں۔''

''وہ کہاں کہاں جا سکتی ہے؟''

''یا میرے گھر، یا پروفیسر غفور کے پاس اور ادبی بورڈ کے دفتر جانے کا وہ وقت نہیں ہے۔''

''رات کے پچھلے پہر اگر وہاں کوئی گیٹ کھولنے والا ہوتا تو وہاں بھی جا سکتی تھی۔''

''اف اوہ...... ابھی یہاں تو نہیں آئی پھر کہاں ہو گی۔''

''پروفیسر غفور کے پاس ہو گی، تو وہاں جا کر دیکھ لیتے ہیں۔'' حالی کو اکتاہٹ ہو رہی تھی۔

وہ دونوں وہاں پہنچے تو وہ وہاں نہ تھی، عمارہ نے گھر کال کر کے ایک دفعہ پھر تصدیق چاہی، وہ گھر نہیں آئی تھی۔

''تو کہاں جا سکتی ہے۔'' عمارہ پہلی بار سنجیدہ ہوئی تھی سارے دن میں۔

''مجھے کیا پتہ۔'' پروفیسر غفور خود بھی گھر پہ نہ تھے کس سے پوچھا جاتا۔

''چلو حنان کو پریشان کرتے ہیں سب اسی کی وجہ سے ہو رہا ہے اس نے حالی کے نمبر سے کال کر کے دوبارہ اسے ہراساں کرنے کی کوشش کی اور پھر حالار کو لے کر خالہ کے پاس آ گئی۔''

وہ خاموش تھا اور صنوبر بیگم بھی خاصی بدحواس لگ رہی تھیں، وقار صاحب چپ چپ تھے۔

عمارہ کو اچھی خاصی پریشانی اب لاحق ہوئی، اس نے امرت کے سیل فون سے لاھوت کا نمبر ملایا، آدھے گھنٹے بعد وہ بھی وہاں آ پہنچا تھا۔

☆☆☆

اس دنیا میں پیٹ کی بھوک سے بڑا شاید ہی کوئی دکھ ہو، کتنے دن آوارہ پھرتا جتنے دن اللہ والوں کے در پہ پڑا رہا روزی اور روٹی کی فکر نے نہ چھوا، رزق بے مانگے ملتا رہا پھر زندگی کی حقیقت میں جا کر کام کرنے کا حکم ملا۔

''دنیا انسان کے لئے ہی بنی ہے، گوشہ نشینی تو بس درویشوں کو جچتی ہے ہم جیسے نکمے اگر بہت عرصہ بیٹھ کر کھاتے رہیں نواز حسین تو وہ کھوکھلے ہو جاتے ہیں، بالکل ناکارہ سے، ناکام سے، اپنے لئے کھانا تھا، کام کرنا تھا۔''

''سوچا تھا مزدوری کروں گا پر نہ کر سکا، سیدوں کے گھرانوں کے لاڈ نے دماغ خراب کر دیا تھا، دو دن کام کرتا تو ہاتھ میں چھالے پڑ جاتے دو دن کماتا تو چار دن بیٹھا رہتا، محبت ناکام، شادی ناکام، کم سن بیٹی کی یاد، دل کرتا اسے جا کر دیکھوں مگر کیسے، اس کے لئے میں کیا کر سکتا تھا، کچھ نہیں، سوچا اسے کچھ نہ دے سکا، جھوٹا پیار دے کر کیا کروں گا، زندگی کے اس مشکل موڑ پر مجھے صدیقہ ملی، صدیقہ میری یونیورسٹی فیلو رہ چکی تھی، اس نے لینگویج اتھارٹی کے دفتر میں مجھے کام دلوایا، ہم دونوں کو اک دوسرے سے اس لئے بھی ہمدردی ہوتی تھی کہ دونوں ایک سے حالات سے گزرے تھے، اس نے بھی گھر چھوڑ کر شادی کی اور میں نے بھی، اس نے بھی خود کو داؤ پر لگایا اور میں نے، وہ بھی سید خاندان سے تھی اور میں بھی، وہ بھی روایتوں کی باغی تھی اور میں بھی، اس

نے بھی زنجیر توڑی اور میں نے، مگر اس کے بعد ایک جگہ غلط ہوا، اس نے بھی غلط آدمی سے محبت کی اور میں نے بھی، اس نے بھی اسی آدمی پر زندگی کا جواء کھیلا اور میں نے اس عورت پر۔''

''اور پھر یہ ہوا نواز حسین کے اس کے شوہر نے اسے چھوڑا اور میری بیوی نے مجھے، اس کا شوہر فیملی کے پاس چلا گیا جائیداد کے لالچ میں اپنی کزن سے شادی کر لی اور صنوبر نے اپنے کزن سے، میں بھی شاکڈ رہا وہ بھی کتنی ملتی جلتی کہانیاں تھیں۔''

''ہم جب شام میں چائے پیتے تو اکثر ایک دوسرے پر ہنستے تھے، یونیورسٹی کے زمانے کی باتوں پر، ٹین ایج کی محبت پر، گھر اور خاندان چھوڑنے کی بغاوت پر۔''

''نئی زندگی بنانے کے خواب پر، بہت ہنستے، اس کی بھی اپنے خاندان میں اور گھر میں کوئی گنجائش نہ تھی نہ میری میرے خاندان میں گنجائش تھی۔''

''وہ اپنے سارے دکھ مجھے سناتی تھی نواز حسین سارے دکھ، اچھے دوست ہم شروع سے تھے پھر اچھے بن گئے وہ مجھ سے بہت بہتر تھی، مجھے خود سے ایک اختلاف ہوا مرد چاہے خود کو جتنا ذمہ دار کہے مگر اولاد کی ذمہ داری ایک عورت جھیلتی ہے، جیسے میں نے آسانی سے اپنی بیٹی صنوبر کے سپرد کر دی ویسے ہی اس کے شوہر نے اپنا بیٹا اسے دے دیا مگر وقتی طور پر وہ اسے دھمکی دیتا رہتا تھا، کہ بڑا ہونے پر وہ لے جائے گا اپنا بیٹا اپنے پاس۔''

''اور وہ ہنستے ہنستے ایک دن مجھ سے پوچھنے لگی، عبدالہادی یہ بتاؤ بچہ عورت پالے، دودھ وہ پلائے کھلائے نہلائے، کہانی سنا کر وہ سہلائے، مگر جب بچہ بڑا ہو تو باپ لے جائے، یہ کہاں کا انصاف ہے۔''

''میں نے کبھی اس نقطے پر نہیں سوچا پروفیسر صاحب۔'' نواز حسین نے تاروں بھرے آسمان سے نیچے گرتی ہوا کو محسوس کرتے ہوئے سوچا، روٹی کھالی تھی، پیٹ بھر چکا تھا۔''

''بھوک پیٹ کسی اور نقطے پر سوچنا محال ہے۔''

''تم دن بھر تانگہ چلا چلا کر جب کمر سیدھی کرنے کے لئے لیٹتے ہو گے تو سوچیں کہاں تمہیں متوجہ کر پاتی ہوں گی۔''

''نہیں سر! ایسا نہیں ہے، جو دکھ ہم پر گرتا ہے، جو مسئلہ ہمارا ہوتا ہے، اسے ہم محسوس کرتے ہیں، جو دکھ ہمارا نہیں ہوتا اسے ہم محسوس نہیں کر سکتے یا کرنا نہیں چاہتے، یا کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔''

''جو ماں نو مہینے بچہ پیٹ میں پالے، پھر پیدا کرنے کی تکلیف سے گزرنے سے لے کر پالنے کی مشقت تک سفر کرے اور جب پھل پک کر پکا ہو جائے تو کوئی اور لے اڑے، میں سوچ رہا ہوں شکر ہے ہم عورت نہیں ہیں۔'' انہوں نے ماحول کو ہلکا کرنے کی کوشش میں کہا۔

''اچھا ہوتا کہ ہم انسان ہی نہ ہوتے تو درد بھی نہ محسوس کر پاتے۔'' نواز حسین کا لہجہ خالی تھا۔

''دو سال کی آوارہ گردی کے بعد جب کچھ سنبھلا اور قابل ہوا تو اس دن میں نے فیصلہ کیا نواز حسین کہ میں بھی اپنی بیٹی پر اپنا حق جتانے کے لئے نہیں جاؤں گا، مجھے امپرو ہونے میں عرصہ لگ گیا تھا، ایک عرصے بعد میں کس منہ سے جاتا، کیسے جاتا، بیچ میں سالوں کا نہیں صدیوں کا

فاصلہ آگیا تھا، جسے کاٹنا دشوار تھا۔"

"اس کے بعد صدیقہ صاحبہ کہیں غائب ہوگئیں۔"

"نہیں نواز حسین، وہ غائب ہونے والوں میں سے نہ تھی، وہ دوست مخلص تھی، ہم میں یہ بھی خوبی یکساں تھی کہ ہم دوست مخلص تھے، ہم آخری سانس تک دوستی نبھاتے تھے۔"

"اسی کے استاد نے سہارے نے مجھ کمزور کو نئی زندگی کی جہت دی، میں کمیشن کا پرچہ کلیئر کیا، مجھے لیکچرر شپ مل گئی، میں گائک، مصور، کہانی کار، نغمہ نگار سے ایک استاد بن گیا، غفور بھی میرے ساتھ اسی کالج میں پڑھاتا تھا، غفور کی بیوی کے ساتھ روز لڑائی ہوتی تھی اور روز صلح بھی، اس کی بیوی بہت چڑچڑی تھی، خفا ہوکر ماں باپ کے گھر جا کر بیٹھ گئی، وہ بھی عجیب تھی۔"

"مگر پروفیسر غفور سے کچھ کم ہی ہوگی۔" وہ مسکرایا۔

"ہاں کہتے تو ٹھیک ہو۔" وہ بھی مسکرائے۔

"پتہ ہے میں جب ان کے گھر جاتا تو وہ کہتی دیکھو حادی بھا گھر میں آٹے کی جگہ آڑ ہو آنے لگے تو آپ کا غصہ ہوا نہیں ہوگا۔"

"میں اس کی ہاں میں ہاں ملاتا اور غفور مجھے گھور کر کہتا، آج آگیا ہے آئندہ مت آنا اور میں ہر دوسرے دن اس کے گھر پہ ہوتا تھا۔"

"صدیقہ کہاں گئیں؟" نواز حسین کو بے چینی ہوئی تھی۔

"بہت بے صبرے ہو نواز حسین، حسین نام کا اثر کہاں جاتا ہے تیرے اندر سے، نام حسین والے تو صابرین ہوتے ہیں۔"

"سر صابرین ہوتے ہونگے مگر لٹکا کر رکھنے والے نہیں، نام حسین والے حسین کے نام کی برکت سے خیمے گاڑ دیتے ہیں۔"

"واہ نواز حسین، واہ، تم بھی بولتے ہو تو تول دیتے ہو، یہ نام حسین کا اثر ہوسکتا ہے، جو نواز کو نوازتا ہوگا۔"

"ٹھیک کہتے ہو، صدیقہ بہت مشقت کاٹ رہی تھی، دوہری مشقت، وہ بچے کو بہلاتی تھی حالا ررو ئے جاتا، بس چند ماہ کا تھا اسے سنبھالنا دشوار تھا۔"

"غفور نے مجھے اور اسے اپنے گھر میں ایک دن بلایا، دو لوگوں اور قاضی کے پہنچنے پر اچانک دھما کہ کیا کہ تم دونوں کا نکاح ہے قبول ہے تو ٹھیک ہے، ورنہ انکار کردو۔"

"یہ کیا طریقہ تھا دھاوا بول دینے کا، وقت اتنا کم اور ذہن شل، اس نے کہا دیکھو، ایک دوسرے کو جانتے ہو سمجھتے ہو، اچھے دوست ہو۔"

"پھر اس نے کچھ صدیقہ کے کان میں کہا اور کچھ میرے کان میں، مجھے کہا اس عورت کو تمہارے نام کی ضرورت ہے اسے نام دے دو وہ دوست مخلص ہے۔"

"اور اسے جو کہا وہ صدیقہ نے مجھے بعد میں بتایا کہ اس کمزور انسان کو تمہاری ضرورت ہے، اس کی ذمہ داری میں تمہیں سونپتا ہوں۔"

"ہم دونوں نے ایک ہی وقت میں باری باری نکاح نامے پر دستخط کر دیئے، اس وقت نہ کچھ

سمجھ آ رہا تھا، نہ سمجھنا چاہ رہے تھے، بعد میں غفور نے میں نے اور اس نے پوری خاموشی کے ساتھ کھانا کھایا، صدیقہ اپنے فلیٹ پر چلی گئی اور میں اس رات صبح صادق تک سڑکوں پر آوارہ گردی کر رہا، فجر کے بعد غفور کے ساتھ ناشتہ کر کے کالج چلا گیا، واپسی پر غفور نے مجھے صدیقہ کے فلیٹ چھوڑا۔''

''وہ پہلی شام تھی جس دن چائے پیتے ہوئے نہ وہ ہنسی نہ میں نے قہقہہ مارا، نہ کوئی پرانی بات نہ مستقبل کے اندیشے، نہ شعر نہ لطیفہ، نہ کہانی نہ گیت، بس خاموشی تھی اور خاموشی کیا باتیں کرتی تھی یہ اس وقت سمجھنا دشوار تھا۔''

فضا میں جتنی خوش گواریت تھی اس قدر چپ نے مداخلت کی، نواز کو لگا بہت سال پیچھے وہ بھی اسی میز کے کسی کنارے کے ساتھ موجود ہے۔

(جاری ہے)

عید سروے

ماہ جولائی کا شمارہ عید الفطر سے پہلے آئے گا، عید نمبر میں قارئین کی دلچسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے مصنفین سے ''عید سروے'' بھی شامل ہوگا۔

سروے کے سوالات:

۱۔ عید کی خوشیاں منانے کا اہتمام آپ کس طرح سے کرتی ہیں؟ روایتی انداز میں یا کچھ ہٹ کر؟

۲۔ تحفہ دینے یا لینے کے متعلق کوئی خوشگوار واقعہ، جسے یاد کر کے آپ آج بھی مسکراتی ہوں؟

۳۔ عید کے حوالے سے کوئی خاص ڈش جو آپ بناتی ہیں اور کھانے والوں سے داد وصول کرتی ہیں، ترکیب بھی بتائیں؟

۴۔ کوئی ایسا شعر، نظم یا غزل جو اپنے کسی خاص پس منظر کی وجہ سے یاد رہتا ہو؟

۵۔ بطور عیدی کوئی ایک جملہ ''حنا'' کے لئے؟

اس سروے کے جوابات آپ ہمیں پندرہ جون تک ارسال کر دیں، شکریہ۔

تحسین اختر

لڑکیاں بھی عجب ہوتی ہیں
ان کہی باتوں میں داستانیں ڈھونڈ لیتی ہیں
ایک مسکراہٹ کو اثاثہ حیات سمجھ لیں گی
ہیں عادتیں عجب ان کی
بے معنی جملے کے معنی کو اخذ کرنے میں
رات کو بتا دینا
بارش کے ایک قطرے سے قوس قزح بنا لینا
ذرا جھنجھلائے لہجے پر ٹوٹ کر بکھر جانا
سونے کی اداکاری میں تکیے بھگو دینا
ٹوٹے خواب کو خوش گمانیوں سے سجا دینا
پھر ایک مسکراہٹ پر سب تلخیاں بھلا دینا
امیدیں پھر جگا لینا
اور کھل کے مسکرا دینا
ہیں چاہتیں عجب ان کی
ذات اپنی بھلا دیں گی
دعا میں ہاتھ جب اٹھائیں گی
رو رو کر بھی مانگیں گی
کبھی مانگ کر رو دیں گی
اپنی عمر کے سب لمحے
اپنے پیاروں کو دان دینے کی
دعائیں ہیں عجب ان کی
ستم سارے خود پر جھیل لینے کی
آنسو سب چھپا کر مسکرانے کی ہیں
راحتیں عجب ان کی
اک اجنبی ساتھی کو اپنا مان لینے کی
شریک روح بنانے کی
پھر مر کے بھی نبھانے کی
ہیں خواہشیں عجب ان کی
سچ کہا
سمجھ سے باہر ہوتی ہیں
یہ لڑکیاں بھی عجب ہوتی ہیں

☆☆☆

ہماری گاڑی فیصل آباد سے چنیوٹ کی جانب رواں دواں تھی، ہم سب نے بڑی مشکل سے فاران بھائی کو پکنک کے لئے منایا تھا، فاران بھائی پنجاب میڈیکل کالج میں زیر تعلیم تھے ان کی اتنی مشکل پڑھائی اجازت نہ دیتی تھی کہ وہ ہم سب کزنز کے ساتھ کوئی ہلا گلا کرتے، کچھ ان کی پڑھائی ایسی تھی اور کچھ ان کا مزاج بھی ایسا خشک اور بور تھا کہ وہ ہم سب شیریروں کی ٹولی سے حد درجہ اجتناب کرتے تھے، مگر چونکہ پیپرز کے بعد وہ کچھ دنوں کے لئے فارغ تھے اور ہم نے زبردستی انہیں ساتھ لے کر یہ ٹرپ ترتیب دیا تھا، سو اب بڑے ابا کی گاڑی جو فاران بھائی کے توسط سے ہی ہم کو ملی تھی اس چلتی ہوئی گاڑی میں موج مستی تھی، شرارتیں تھیں، ہلا گلا تھا اور خوب تھا، حارث اور جواد کو تو رب ایسے موقع دے ان کے دماغ میں ایسے نئے نئے پلان آتے تھے کہ ہم سب بہت محظوظ ہوتے تھے۔

''پہلے جنت دوزخ دیکھیں گے۔'' نائرہ چلائی تھی۔

''پہلے چنیوٹ آتا ہے پھر چناب نگر، اس

دیکھیں گے۔" حارث کو نائرہ کی ہر بات کی نفی
لئے جنت دوزخ جو چناب نگر میں ہے وہ بعد میں
کرنے میں خوب ہی مزہ آتا تھا، وہ حارث کو منہ
چڑا کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔
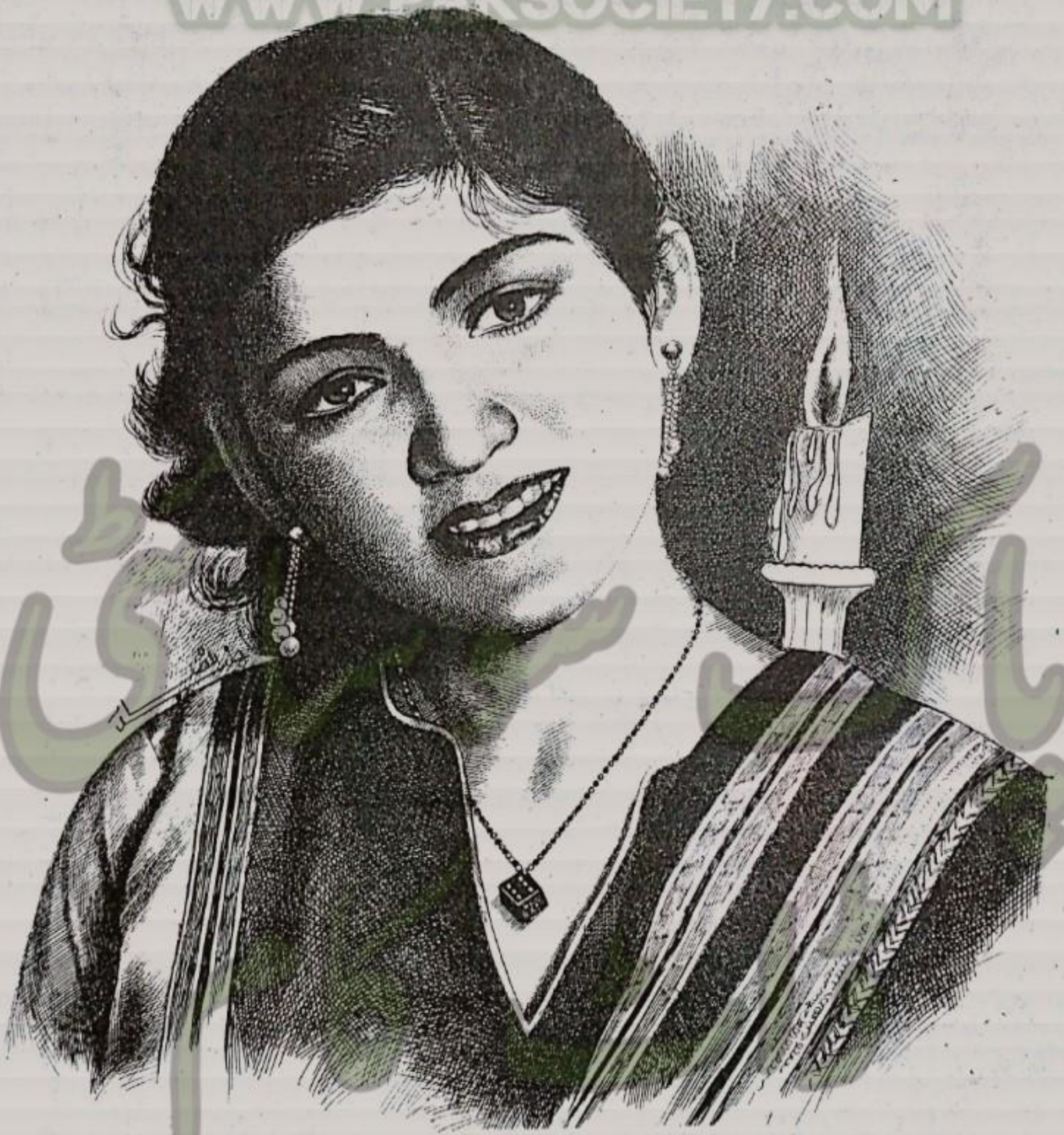
"یہ وہ جگہ ہے جہاں تانبے، لوہے اور
سونے کے ذخائر ملے ہیں۔" سڑک کے کنارے
بڑا سا "رجوعہ سادات" کا بورڈ دیکھ کر فاران نے
سب کو بتایا تھا۔

"واؤ کتنا خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کی
زمینوں سے یہ سب ملا ہے، کاش میں بھی ان
زمینوں کی مالک ہوتی تو آج میں کروڑ پتی تو کیا
ارب پتی ہو چکی ہوتی۔" کومل کے خیالات سب

سے بلند تھے وہ دنوں میں امیر ہونے کے خواب دیکھا کرتی تھی، ان لہلہاتی سرسبز زمینوں کو دیکھ کر اس کے منہ میں پانی بھر آیا تھا۔

''شکر ہے تم ان کی مالک نہیں ہو۔'' حارث نے جلدی سے کہا۔

''تم نے ہر کسی بات میں لازمی ٹانگ اڑانا ہوتی ہے۔'' کومل اس کے پیچھے پڑ گئی تھی۔

''اتنی لمبی ٹانگ ہو تو یونہی ہر معاملے میں اڑ اڑا جاتی ہے۔'' جواد نے اس کے لمبے قد پر چوٹ کی تھی اور سب قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے۔

''سنا ہے یہ جگہ گورنمنٹ نے خرید لی ہے۔'' نائرہ نے فاران سے پوچھا تھا۔

''ہاں چونکہ وہ ذخائر زمین میں کافی گہرائی پہ ہیں ان کو خام حالت میں نکالنے اور پھر اصل حالت میں لانے کے لئے کافی لاگت اور محنت کی ضرورت ہے یہ فرد واحد یا کسی ایک گروہ کا کام نہیں، گورنمنٹ مختلف کمپنیوں کو ٹھیکے دے کر ان سے یہ خدمات لے گی۔'' فاران نے تفصیلاً بتایا تھا اور سب عقل مندوں کی طرح سر ہلانے لگے تھے۔

چنیوٹ شہر کا وہ مقام بہت خوبصورت ہے جہاں نیچے دریائے چناب بہتا ہے اور اوپر فلک شگاف پہاڑ فخر سے کھڑے ہیں، ان کی منزل بھی یہی مقام تھا، انہوں نے مین روڈ سے ہٹ کر گاڑی ایک طرف کھڑی کی اور سب پکنک پوائنٹ کی طرف آ گئے تھے جہاں جھولے بھی لگے تھے، پارک بھی تھا اور کھانے پینے کی دکانیں بھی، بہت سے لوگ سیر و تفریح کے لئے وہاں آئے ہوئے تھے غرض ایک میلے کا سماں تھا۔

''آؤ کشتی میں بیٹھیں۔'' حارث نے ہانک لگائی تھی اور سب اس کے پیچھے پیچھے چل پڑے تھے۔

''تم بھی آؤ نا۔'' نائرہ ایک بڑے سے پتھر پر پانی سے دور ہٹ کر بیٹھ گئی تھی، کومل نے اسے پکارا تھا۔

''نا بابا مجھے بہت ڈر لگتا ہے، تم لوگ جاؤ، میں یہاں سے بس تم سب کو دیکھوں گی۔''

''یہ کیا بات ہوئی اتنی دور آ کے بھی بندہ انجوائے نہ کرے، آؤ نا ہم سب تمہارے ساتھ ہیں، پھر کس چیز کا ڈر۔'' حارث نے اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا تھا، حارث کی نائرہ کے ساتھ بنتی نہ تھی مگر اسے اس کے بغیر کسی چیز میں مزہ بھی نہ آتا تھا۔

''کہا نا مجھے پانی سے ڈر لگتا ہے، میں کشتی میں نہ بیٹھوں گی۔''

''اگر وہ نہیں بیٹھنا چاہتی تو اسے کیوں مجبور کر رہے ہو، بلکہ ایسا کرو تم سب لوگ جاؤ میں نائرہ کے پاس ادھر ہی بیٹھتا ہوں۔''

''فاران بھائی یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی، پہلے نائرہ اور اب آپ، پھر ہم بھی نہیں جاتے۔'' کومل منہ بسور کر بولی تھی۔

''تم بھی کچھ بولو نا، تم تو یوں لاتعلق ہو کر کھڑی ہو جیسے ہم میں موجود نہیں ہو۔'' میں جوان سے واقعی لاتعلق ہو کر بیٹھی تھی میری ساری توجہ تو پہاڑوں کی طرف تھی، میں ان نظاروں میں اتنی محو تھی کہ مجھے کسی کی موجودگی کا احساس نہیں ہو رہا تھا، تبھی کومل نے مجھے ساتھ شامل کیا تھا۔

''میں کیا بولوں، تم لوگ کیا کم ہو بولنے کے لئے۔'' میں نے ہنستے ہوئے ان سب پر چوٹ کی تھی۔

''آ جاؤ جو آنا چاہتا ہے۔'' میں سب سے پہلے کشتی کی طرف بڑھی تھی، میرے پیچھے حارث، جواد، کومل اور احد بھی آ گئے تھے، فاران بھائی اور نائرہ وہیں بیٹھے رہ گئے تھے، کشتی والا کوئی بہت ہی

باذوق انسان معلوم ہوتا تھا، اس نے اپنی کشتی کو بیل بوٹوں سے بہت ہی پیارا سجایا ہوا تھا، جیسے ہی ہم کشتی میں بیٹھے اس نے کشتی میں تیز میوزک بھی لگا دیا بس پھر کیا تھا میٹھے گیت کے بول تھے، ہم موج مست لوگ تھے اور ساتھ چناب کا ہموار پانی تھا۔

بہت مزہ آیا، سب دریا کے کنارے پر چٹائی بچھا کر بیٹھ گئے تھے۔

''کشتی میں تم لوگ بیٹھے تھے اور ادھر دل میرا گھبرا رہا تھا۔'' نائرہ اور فاران بھائی بھی ہمارے پاس آ کر بیٹھے تو نائرہ بولی تھی۔

''تمہارے جیسے ڈرپوک لوگ کبھی بھی زندگی کو انجوائے نہیں کر سکتے۔'' کومل نے اس سے کہا تھا۔

''اچھا اب نائرہ کے ڈر کے بخیے ادھیڑنا بند کرو اور لڈو کی ایک ایک بازی ہو جائے۔'' حارث نے ایک بڑے سے تھیلے سے لڈو نکالتے ہوئے بولا تھا، سب نے اس کی بات کی تائید کی تھی جبکہ میں اٹھ کر اونچے نیچے پتھروں پر ٹہلنے لگی تھی۔

''زیست ذرا اس ٹھیلے والے سے بھنے ہوئے دانے تو لانا، گرما گرم ہوں۔'' احد جس کی توجہ ہمہ وقت کھانے پینے پر رہتی تھی اس نے لڈو کی بازی لگاتے ہوئے مجھی کہا تھا کیونکہ میں اِدھر اُدھر ٹہل رہی تھی اس لئے بلا کسی حجت کے ٹھیلے والے کے پاس چل پڑی تھی۔

''اوہ۔'' میں اپنے دھیان میں مگن جا رہی تھی جب مجھے لگا تھا پاؤں میں کچھ چبھا ہے میں پاؤں پکڑ کر بیٹھ گئی تھی، وہ واقعی شیشے کا ایک ٹکڑا تھا جو میری کھلی چپل سے میری ایڑی میں لگ گیا تھا، سرخ سرخ خون کے قطرے پاؤں کی ایڑی سے زمین پر بہنے لگے تھے، میں نے تکلیف برداشت کرتے ہوئے شیشے کا ٹکڑا کھینچ کر ایڑی سے نکالا تھا۔

''زخم بہت گہرا نہیں ہے۔'' وہ جو کوئی بھی تھا، مجھے زمین پر بیٹھتے اور پھر شیشے کا ٹکڑا پاؤں سے نکالتے دیکھ کر تیزی سے میری طرف بڑھا تھا اور اب وہ میرے پاس زمین پر بیٹھا میرے پاؤں کا معائنہ کر رہا تھا۔

''افسوس میرے پاس رومال نہیں۔'' اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ٹشو میرے پاؤں پر رکھتے ہوئے کہا تھا، میں کیا کہتی میں اس اجنبی کو بس دیکھ کر رہ گئی تھی، تھوڑی دیر بعد خون رسنا بند ہو گیا تھا اور میں اٹھ کر آہستہ سے چل پڑی تھی۔

''اتنی دیر لگا دی۔'' احد نے میرے ہاتھ سے دانے لیتے ہوئے کہا تھا۔

''یہ دیکھو میرے پاؤں پر شیشہ لگ گیا تھا۔'' میرے کہنے پر سب میرے پاؤں کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

''شکر کرو بچت ہو گئی، زخم زیادہ گہرا نہیں ہے۔'' فاران بھائی نے پاؤں کو اچھی طرح دیکھ کر کہا تھا۔

''ہاں شکر ہے۔'' میں بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئی تھی، وہ سب کھیل کھیل کر تھک گئے تھے اور اب گھر سے بنا کر لائے کھانوں کے ڈبے کھلنے لگے تھے، فضا میں ایک دم سے بہت مزیدار خوشبو پھیل گئی تھی، جس نے ہماری بھوک مزید بڑھا دی تھی، کھانا کھانے کے بعد ہم پہاڑ کے دامن میں واقع چھوٹے سے دربار پر بھی گئے تھے اور دعا مانگی تھی۔

''یہ رہی سیدھے راستے سے بھٹکے ہوئے لوگوں کی جنت دوزخ۔'' احد نے گاڑی چناب نگر کے علاقے میں لا کھڑی کی تھی، ہم سب جنت دوزخ کو دیکھنے لگے تھے، زمین پر خدا کا

شرک بنا کر اس تصور کو قائم کرنے والے جانے کن حالوں میں تھے ہم تو بس یہ دیکھ رہے تھے کہ قبریں دھوپ اور ویرانے میں تھیں اور کچھ سبزے اور چار دیواری کے اندر، اس جگہ کی تاریخ بہت کچھ کہتی ہے، فاران بھائی ہمیں بتانے لگے تھے اور ہم توبہ واستغفار کرتے سنتے رہے تھے۔

شام کے سائے منڈلانے لگے تھے جب ہم نے ایک بھرپور اور خوش گوار دن گزار کر واپسی کے لئے رخت سفر باندھا تھا، پہاڑوں پر سیاہ رات کے سائے گہرے ہونے لگے تھے اور ہماری گاڑی تیزی سے واپسی کے سفر پر گامزن تھی۔

خوب انجوائے کیا، سب کی اپنی اپنی بولی تھی مگر میرے سر پر تو نیند سوار ہو گئی تھی، میں ایک ہی چیز کی شدائی تھی اور وہ تھی نیند کی، نیند مجھ سے برداشت نہ ہوتی تھی، اس لئے سب خوش گپیوں میں مگن تھے اور میں نے سر سیٹ کی پشت سے لگا کر آنکھیں موند لی تھیں۔

☆☆☆

گھر میں عجیب سی ہلچل مچی ہوئی تھی، چچی جان کو کومل کے رشتے کی جلدی پڑی ہوئی تھی اور آج اسی سلسلے میں کچھ مہمان آ رہے تھے، گھر کی ساری لڑکیاں، خواتین اور ملازم سب صفائی ستھرائی میں مگن تھے اور کچھ نے کچن سنبھالا ہوا تھا، لڑکوں اور مرد حضرات کو جو چھٹی کی وجہ سے گھر پر ہی تھے، اخبار اور مالٹوں کی ٹوکری تھما کر باہر لان کی طرف روانہ کر دیا تھا تاکہ وہ گھر کے کاموں میں بکھیڑا نہ ڈالیں۔

سردیوں کا یہی تو فائدہ ہوتا ہے، ہر کوئی کمروں سے نکل کر سنہری دھوپ کا لطف لینے کے لئے باہر کی طرف بھاگتا ہے، سو مرد حضرات نے بھی خوشی خوشی لان میں قبضہ جما لیا تھا۔

''بس کرو اور کتنا رگڑو گی اپنے چہرے کو۔'' کومل نے کوئی چوتھی بار عجیب و غریب قسم کا ماسک چہرے پر لگایا تو زیست نے عاجز آ کر کہا تھا۔

''یار وہ سنا نہیں فرسٹ امپریشن از دی لاسٹ امپریشن۔'' وہ آنکھیں بند کر کے سکون سے بیٹھتے ہوئے بولی تھی۔

''محترمہ لڑکا تو ساتھ نہیں آ رہا جس پر تم اپنا جادو چلانا چاہتی ہو۔''

''کوئی بات نہیں لڑکا نہ سہی، اس کے گھر والے تو آ رہے ہیں نا، وہ پسند کریں گے تو بات لڑکے تک جائے گی نا۔''

''شرم کرو کچھ ہمیں نہیں پتہ تھا محترمہ کومل صاحبہ کو شادی کروانے کی اتنی جلدی تھی۔''

''یہ تو ہر لڑکی کا خواب ہوتا ہے۔'' وہ ڈھٹائی سے بولی تھی اور زیست پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

شام کو مہمان آ گئے تھے، خواتین اور مرد حضرات مہمانوں کے پاس بیٹھ گئے تھے اور لڑکیاں چائے پانی سرو کرنے لگی تھیں۔

مہمانوں میں آیا ایک شخص ایسا تھا جسے زیست نے پہلی نظر میں ہی پہچان لیا تھا وہ بھی آنکھوں میں شناسائی کے تمام رنگ لئے مسکرایا تھا، دریائے چناب کے کنارے پاؤں میں لگی چوٹ اور اس پر ٹشو پیپر رکھتا وہ وجیہہ شخص اگر دوبارہ یاد نہیں آیا تھا تو بھولا بھی کب تھا، آج دنیا گول ہے اس محاورے کی سچائی پر دونوں کو یقین آ گیا تھا، عالیان کو تو زیست کے معصوم سے تصور نے کئی راتیں جگایا تھا، ہر دوسری لڑکی پر اسے اسی چوٹ والی لڑکی کا گمان ہوتا تھا اور وہ اس کی معصوم صورت کھوجنے لگتا تھا، آج عثمان کے لئے لڑکی دیکھنے آیا تو وہم میں بھی نہیں تھا کہ اس سے

آمنا سامنا ہو جائے گا، وہ دل میں ہزار دعائیں مانگنے لگا تھا کہ عثمان بھائی کا رشتہ اسی گھر میں طے ہو جائے، مہمان بہت خوشی سے رخصت ہوئے تھے، سب کچھ انہیں بے حد پسند آیا تھا۔

''شکر کرو تمہاری اتنے گھنٹوں کی محنت رائیگاں نہیں گئی۔'' زیست خلاف معمول کچھ زیادہ ہی چہک رہی تھی، وہ کومل کے چمکدار اور پر مسرت چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی تھی، مہمانوں کے چلے جانے کے بعد ان سب نے ڈرائنگ روم میں ہی ڈیرا جما لیا تھا اور مہمانوں کے کھانے پینے کی بچی کچی چیزوں پر خوب ہاتھ صاف ہو رہا تھا، زیست عین اس جگہ بیٹھی تھی جہاں عالیان بیٹھا تھا، وہ تصور ہی تصور میں اسے اس جگہ بیٹھے یاد کر رہی تھی، محبت ہوئی نہیں تھی مگر ہونے جا رہی تھی، جس طرح پتھر پہ مسلسل پانی گرنے سے سوراخ ہو جاتا ہے اس طرح اس شخص کی مسلسل یاد اس کے دل پر کچوکے لگانے لگی تھی۔

''میرے حسن سے بچ کر وہ لوگ جاتے تو کہاں جاتے۔'' کومل نے شامی کباب کے ٹکڑے کرتے ہوئے بڑائی سے کہا تھا۔

''شکر کرو خدا کا، اس میں تمہارا تو کوئی کمال نہیں۔'' حادث نے دہی بھلوں کا پورا ڈونگا اپنی گود میں رکھا ہوا تھا۔

''کیا سب شکر میں ہی کروں کچھ تم لوگ بھی کر لو کہ تمہاری کزن اور بہن کے مقدر چمکنے والے ہیں۔'' کومل نے سب کو شرم دلائی تھی۔

''میں تو شکرانے کے دو نفل پڑھنے جا رہی ہوں۔'' نائزہ نے ہانک لگائی تھی۔

''کہ کومل جلدی سے اس گھر سے رخصت ہو آخر تمہارے زیادہ کپڑے وہی تو پہنتی ہے نا جواد۔'' کومل نے اسے گھورا تھا اور سب مسکرانے لگے تھے۔

☆☆☆

سائیڈ ٹیبل پہ چائے کا کپ
ہاتھ میں عشق پہ لکھی گئی ایک داستان کی کتاب
اور دل یہ بھی چاہے کہ چھت پہ جا کے
رات کی تنہائی
چاند کی اداسی
اور لمحوں کی بے بسی کو
اپنے اندر اتار کے
خود کو عشق لاحاصل میں قید کر لیا جائے
اور ایسے میں کسی کی یاد نہ آئے

عثمان اور کومل کا مقدر ایک ساتھ لکھا تھا اور یہ آسمان کا فیصلہ تھا ان کا رشتہ طے پا گیا تھا، اس طرح دونوں گھرانے آزادانہ ایک دوسرے کی طرف آنے جانے لگے تھے، اس عرصے میں زیست اور عالیان کی محبت کا خودرو پودا دونوں کے دلوں میں جڑ پکڑ چکا تھا، وہ ان کی طرف آنے کے بہانے ڈھونڈتا اور وہ خود کو اس کی بے تاب نظروں سے بچانے کی کوششوں میں لگی رہتی، رات کا دوسرا پہر شروع ہونے کو تھا اور وہ تنہا جاگ رہی تھی۔

اس شخص کی یاد کیا خوب تھی کہ چاند کی ٹھنڈی میٹھی روشنی کے ساتھ اس کے دل میں پوری طرح بہہ رہی تھی۔

''پتہ نہیں مجھے وہ ملتا بھی ہے کہ نہیں۔'' دل میں اک خیال آیا تھا اور آنکھ نم ہو گئی تھی۔

''نہ ملنے کا کیا سوال، وہ کوئی دسترس سے دور تو نہیں۔'' دوسرا خیال دل کی تسلی لئے آیا تھا اور آنکھ نے نمی اپنے اندر ہی اندر اتار لی تھی۔

رات اس کی یاد میں بیت گئی تھی، فجر کی اذان ہوئی تو اس نے اپنے آپ کو سمیٹا تھا اور وضو کرنے چل پڑی تھی، دینے والی تو ذات ایک ہی تھی اور اب مانگنا بھی اسی سے تھا۔

☆☆☆

کومل اور عثمان کی شادی کا ہنگامہ جاگ اٹھا تھا، زیست کو اپنی تیاری کی فکر سب سے زیادہ تھی، وہ کسی کی نظر میں سب سے اچھی اور منفرد لگنا چاہتی تھی۔

''زیست تم بہت بدلنے لگی ہو۔'' نائرہ ہر معاملے میں تیز تھی بہت جلد معاملے کی تہہ تک پہنچ جاتی تھی، زیست مست ملنگ سی لڑکی تھی، اس کے لئے نائرہ یا کومل کچھ خرید لاتیں یا اس کی امی، وہ بخوشی پہن لیتی تھی، مگر اس بار تو اس کی چوائس ہی الگ تھی، اس نے ان دونوں سے زیادہ پیارے اور قیمتی ڈریسز بنوائے تھے اور اپنی تیاری سے ابھی بھی مطمئن نہ لگ رہی تھی۔

''کیا موٹی ہو گئی ہوں؟'' وہ جلدی سے بولی تھی۔

''اتنا مت بنو، میں تمہارے انداز کی بات کر رہی ہوں۔''

''میرے انداز کو کیا ہوا؟''

''تم سمجھو تو بہت کچھ ہوا ہے۔'' نائرہ کچھ کچھ معاملہ سمجھ گئی تھی، جس طرح عالیان کے آنے پر وہ کھل اٹھتی تھی، اِدھر اُدھر رہنے کے بہانے تلاشتی تھی وہ اس کی نظروں میں تھا۔

''تم خواہ مخواہ کچھ بنا رہی ہو ورنہ کچھ بھی نہیں ہے۔''

''عالیان ہے تو۔'' نائرہ نے کہا تھا، جہاں زیست راز کھلنے پر ساکت ہوئی تھی وہاں کومل پاگلوں کی طرح دونوں کا چہرہ دیکھنے لگی تھی، اسے کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا۔

''عالیان اس کا یہاں کیا ذکر۔'' زیست نے نظر چرائی تھی۔

''اپنے دل سے پوچھو، ہمیں کیا پوچھتی ہو، ویسے بندہ عالی شان ہے، میں نے اس کی نظروں میں بھی تمہارے لئے محبت ہی محبت دیکھی ہے اور یہ محبت قسمت والوں کو ملتی ہے۔''

''گھنی میسنی، چالاکو۔'' کومل نے اس پر تکیوں کی بارش کر دی تھی، وہ اپنا بچاؤ کرتے ہوئے باہر بھاگی تھی۔

''میں جیٹھانی اور تم دیورانی، مجھے تو اب سٹار پلس کے ڈرامے زیادہ سے زیادہ دیکھنے چاہئیں۔'' کومل ہر جگہ اسے گھیر لیتی تھی۔

''میں تو کبھی نہ بناؤں ایسا رشتہ۔'' وہ اسے چڑاتی تھی۔

''ہاں ورنہ تمہارا دل تو چاہ رہا ہو گا عثمان کے ساتھ ساتھ عالیان بھی بارات لے کر آ جائے۔'' نائرہ نے پیچھے سے آ کر اس کے گلے میں بانہیں ڈالی تھیں۔

''شرم کرو کچھ ہر جگہ شروع ہو جاتی ہو، کسی نے سن لیا نا قیامت آ جائے گی۔'' زیست نے اسے خاموش کروانا چاہا تھا۔

''جاناں! یہ تو محبت کی خوشبو ہے ہر جگہ پھیلے گی، ہر جگہ مہکے گی، کہاں کہاں سے سمیٹو گی۔''

''مروتم۔'' وہ زیادہ تنگ پڑتی تو ان سے روٹھ کر چلی جاتی تھی، تھوڑی دیر بعد دوبارہ سب اکٹھی ہو جاتی تھیں۔

جلد ہی دن آگے کھسکتے گئے اور کومل کی شادی کا دن بھی آن پہنچا، اس شادی کا سارا انتظام بہت اعلیٰ پیمانے پہ کیا گیا تھا، مگر سب سے زیادہ زیست کی چھب نرالی تھی، وہ حسین تھی مگر نفاست سے کیئے گئے میک اپ اور بہترین کپڑوں نے اس کے وجود کو چمکا کر رکھ دیا تھا، بہت سی ماؤں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا اور بہت سے لڑکوں نے اس کے خواب سجائے تھے، مگر وہی جانتی تھی کہ یہ ساری تیاری بس اک نظر کے لئے ہی ہے اور اس نظر نے بھی ہر پل اسے ہی کھوجا

تھا۔

''بہت حسین لگ رہی ہو، نظر تم پر سے ہٹ نہیں رہی۔'' کومل اور عثمان کا نکاح ہوا تو سب ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے تھے، عالیان سب سے ہٹ کر اس کے پاس چلا آیا تھا۔

''اس نظر کو ہٹنا بھی نہیں چاہیے۔'' وہ اترا کر بولی تھی۔

''اگر اتفاقاً یا حادثے کے طور پر ہٹ گئی۔'' وہ بھی شوخ ہوا تھا۔

''تو پھر خیر نہیں۔'' وہ بولی تھی۔

''کس کی؟ نظر کی یا نظر والے کی۔''

''دونوں کی۔'' وہ کھلکھلاتے ہوئے کومل کے پاس جا بیٹھی تھی، جو نکاح ہونے کے بعد اپنا گھر چھوڑنے کے تصور سے اداس تھی۔

یوں ہلکی پھلکی باتوں میں کھانا کھایا گیا اور پھر دودھ پلائی کی رسم آن پہنچی۔

نائرہ اور زیست اس کی کزنز بھی تھیں اور بہنیں بھی، اس لئے دودھ پلائی ان دونوں نے کی تھی، دولھا کی طرف سے عالیان آگے آگے تھا، اس نے دودھ پلائی کا دس ہزار کا بیگ زیست کی ہتھیلی پر رکھ دیا تھا، دونوں طرف سے لڑکوں اور لڑکیوں نے خوب شور مچایا تھا اور ہوٹنگ کی تھی۔

''یار تم کچھ صبر تو کرتے تم نے تو پل میں ہی پیسے اس کے آگے ڈھیر کر دیئے۔'' اس کے دوست نے اس کی خبر لیتے ہوئے کہا تھا۔

''کہیں دال میں کچھ کالا تو نہیں۔'' دوسرے نے دور کی کوڑی لاتے ہوئے کہا تھا، وہ ان دونوں کی بات سنی ان سنی کر کے اِدھر اُدھر ہو گیا تھا، ورنہ یہ دوست تو بال کی کھال اتارنے میں ماہر تھے۔

''یہ پانچ ہزار تمہارا یہ میرا۔'' زیست نے دودھ پلائی کا بیگ آدھا آدھا کرتے ہوئے نائرہ سے کہا تھا۔

''جی نہیں یہ تمہیں ہی ملا ہے تم ہی رکھو۔'' نائرہ جو اس کا راز پہلے ہی جان گئی تھی، اسے چھیڑتے ہوئے خفگی سے بولی تھی۔

''لے لو یار، ورنہ میں سارے رکھ لوں گی، تمہیں تو پتہ ہے جہاں سے یہ پیسے آئے ہیں اس شخص کی خوشبو بھی میں کسی کو نہ دوں، میری بڑائی سمجھو جو اس کے پیسے میں تمہیں دے رہی ہوں۔'' زیست نے اسے چمکارا تھا۔

''تمہیں تو میں ہضم کرنے دیتی ہوں سارے پیسے۔'' نائرہ نے اس سے پیسے چھین لئے تھے اس طرح وقت گزرنے کا پتہ بھی نہ چلا اور کومل کی رخصتی کا مرحلہ آن پہنچا۔

''تم نہیں رونا، تمہارے آنسو میں دیکھ نہیں پاؤں گا۔'' عالیان نے شرارت سے زیست کے کان کے پاس سرگوشی کی تھی۔

''میں کیوں روؤں گی بھلا، رونا تو کومل کو چاہیے شادی تو اس کی ہے نا۔'' وہ اٹھلائی تھی۔

''کومل بھابھی کی شادی ہو رہی ہے تمہاری نہیں، اسی بات پہ تو تمہیں رونا چاہیے۔'' وہ اس کے جھمکے کو چھیڑتے ہوئے بولا تھا اور زیست سرخ چہرے کے ساتھ وہاں سے ہٹ گئی تھی، عالیان تو اس راز کو بھری محفل میں کھولنے کے درپہ ہو گیا تھا اور وہ اس راز کو چھپانا چاہتی تھی۔

☆☆☆

کومل رخصت ہو کر کیا گئی گھر سے ساری رونق اور خوشی بھی لے گئی، شادی کی تیاری و شادی کا جوش اور رونق جو اتنے دنوں سے اک ہنگامے کی صورت برپا تھی اچانک اس کے جانے پر جیسے سمٹ سی گئی تھی، سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں بے سدھ گر پڑے تھے، کچھ اداسی تھی اور کچھ

تھکاوٹ اور سب سے بڑھ کر کومل کی جدائی، گھر کی پہلی بیٹی رخصت ہو کر گئی تھی سب کو محسوس تو ہونا تھا، یہ اس دنیا کی سب سے عجیب رسم ہے اپنے جگر کا ٹکڑا کیسے خوشی خوشی دوسرے کو سونپ دیا جاتا ہے، اپنے آنگن کا پھول کیسے کسی دوسرے کے آنگن میں سجا دیا جاتا ہے، مگر دل سے نہ سہی یہ کرنا پڑتا ہے۔

''تم کیوں اداس ہو رہی ہو، تمہیں کومل کی طرح جدا ہو کر کہیں جانا نہیں پڑے گا۔'' حارث نے نائرہ کے پاس آ کر اسے چھیڑا تھا۔

''حارث پلیز اس وقت کوئی مذاق نہیں چلے گا، میں کومل کو بہت مس کر رہی ہوں۔'' اس کی اور حارث کی ہر وقت ٹھنی رہتی تھی مگر اس وقت وہ بہت سنجیدگی اور دل گرفتگی سے بولی تھی۔

''میں بھی کسی مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں، آئی ایم سیریس، میں تمہیں یہاں سے کہیں نہیں جانے دوں گا۔'' وہ گمبھیر لہجے میں بولا تھا، نائرہ کو اپنے اردگرد خطرے کی گھنٹیاں بجتی محسوس ہونے لگی تھیں، یہ وہ حارث تو نہیں تھا جسے وہ جانتی تھی اس وقت اسے لگ رہا تھا اس کے پاس کوئی اور مرد بیٹھا ہے پور پور اس کی محبت میں ڈوبا ہوا، اس سے اظہار محبت کرتا ہوا، یہ محبت کا بھید بھی عجب ہے جانے کہاں کہاں سے ظاہر ہوتا اور کہاں کہاں جا چھپتا ہے، اس کی اور حارث کی ہمیشہ لڑائی رہتی تھی، آپس میں کبھی نہ بنی تھی، وہ دونوں ہر بات میں ایک دوسرے کے مخالف چلا کرتے تھے، گھر کے سب لوگ ایک کو مشرق کہتے تو دوسرے کو مغرب، پھر یہ کب کیسے اور کیونکر ہوا تھا، نہ سمجھ حارث کو لگی تھی اور نہ سمجھ نائرہ کو آئی تھی۔

''وہ کیوں؟'' وہ جان گئی تھی تب مگر انجان بن کر بولی تھی۔

''وہ اس لئے کہ میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' وہ ایک بار پھر پٹڑی سے اترنے لگا تھا۔

''مگر میرا دماغ ابھی صحیح ہے۔'' وہ تن فن کرتی ہوئی اٹھ کر اپنے کمرے میں جا گھسی تھی۔

☆☆☆

جب سے ہوا تو آنکھوں میں مہمان پیا
اڑتے پھرتے ہیں ہر سو ارمان پیا
پیڑ بھی تم بن اکھڑے اکھڑے پھرتے ہیں
اور راہیں بھی پھرتی ہیں ویران پیا
تو نے کون سا پیچھے مڑ کر دیکھا ہے
ہنستا بستا شہر ہوا سنسان پیا
دکھ میں سب ہو جاتے ہیں انجان پیا
ان باتوں پر کیا ہونا حیران پیا
عقل پہ پردہ پڑتا ہے تو پڑنے دے
جاتا ہے تو جانے دے ایمان پیا

وہ موبائل کان سے لگائے گمبھیر لہجے میں خوبصورت شاعری سے اپنے دل کی آواز زیست کی دھڑکنوں تک پہنچا رہا تھا، دوسری طرف وہ دم سادھے سن رہی تھی، جب کوئی اس طرح سے چاہنے لگے تو دل و دماغ اونچی اڑان بھر کر ساتویں آسمان پر خود ہی پہنچ جایا کرتے ہیں، وہ بھی بہت بلندی پر جا پہنچی تھی۔

''میں کومل بھابھی کو تمہارے گھر والوں کے پاس بھیج دوں کیا۔'' وہ غزل کے خوبصورت الفاظ میں کھوئی ہوئی تھی جب عالیان نے پوچھا تھا۔

''کومل کو مگر کیوں؟'' وہ بوکھلاتے ہوئے کہنے لگی تھی۔

''یار وہ تمہارے اور میرے رشتے کے لئے گھر والوں سے بات کر دیں گی، میں تم سے کوئی دل لگی نہیں کر رہا ہوں اس خوبصورت رشتے کو کوئی خوبصورت سا نام دینا چاہتا ہوں۔''

''مگر وہ......''

''اگر مگر کچھ نہیں، بس وہ کل آئیں گی اور

بات کریں گی۔'' عالیان نے دو ٹوک الفاظ میں کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔

مگر وہ کل آنے سے پہلے ہی کومل اور عثمان کی لڑائی ہو گئی، کومل کی شادی کو چھ ماہ ہونے کو آئے تھے لیکن وہ ابھی تک اپنے شوہر کو نہ سمجھ سکی تھی، وہ اس سے پیار بھی کرتا تھا اس کا خیال بھی کرتا تھا مگر چھوٹی چھوٹی باتوں پر اختلافات پھر بھی ختم نہیں ہوتے تھے، کومل کو ذرا سی غفلت اس کی کوتاہی بن جاتی وہ ٹوکتا، اس کوتاہی کی نشان دہی کرتا تو کومل خاموش رہنے کی بجائے وضاحتیں دینے لگتی، عثمان کو بس عورت کا وضاحتیں اور آگے سے دلیلیں دینا سخت ناپسند تھا اس لئے وہ چڑ جاتا اور نتیجہ یہ نکلتا کہ لڑائی ہونے لگتی، رات بھی اس کی ایک ضروری فائل نہیں مل رہی تھی، اس نے وہ فائل کومل کو سنبھال کر رکھنے کے لئے دی تھی، کومل نے بے خیالی میں وہ اِدھر اُدھر ڈال دی تھی، وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر کھپ گیا تو کومل بجائے اس کی مدد کرنے کے اسے جتانے لگی کہ اس نے وہ خود سنبھال کر کیوں نہیں رکھی، وہ فائل عثمان کے لئے اتنی ضروری تھی کہ اس کے گم ہونے پر ویسے ہی اس کا دماغ گھوما ہوا تھا، اس نے کومل کو ڈانٹنا شروع کر دیا کومل بھی اس کو برابر جواب دے کر منہ پھلا کر بیٹھ گئی تھی۔

''پیاری بھابھی اپنا موڈ صحیح کر لو نا۔'' وہ کومل کے آگے پیچھے پھر رہا تھا۔

''پہلے اپنے بھائی سے کہو کہ وہ مجھ پر غیر ضروری رعب جمانا بند کیوں نہیں کرتا۔'' وہ پہلی ہی بھری بیٹھی تھی۔

''انہوں نے شروع سے ہی بے حد آرگنائزڈ لائف گزاری ہے، بے ترتیبی اور بھول چوک ان سے برداشت نہیں ہوتی اس لئے غصے میں وہ آپ سے لڑنے لگ جاتے ہیں۔''

''تمہارے کہنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ سارا قصور میرا ہی ہے۔''

''میں ایسا کب کہہ رہا ہوں، میں تو کہتا ہوں کہ آپ دونوں اپنے اپنے موڈ کو چینج کریں وہ بھی کچھ ہاتھ ہولا رکھیں اور آپ بھی ان کے مزاج کو سمجھنے کی کوشش کریں۔'' وہ سمجھ داری سے کہنے لگا تھا۔

''میں ان کا مزاج اچھی طرح سمجھ گئی ہوں، وہ مجھے دبا کر رکھنا چاہتا ہے اور بس۔'' وہ غصے سے بھری ہوئی پھر کمرے میں جا گھسی تھی، عالیان نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا تھا۔

☆☆☆

کومل اور فاران زیست کے چچا زاد تھے یہ دونوں بہن بھائی ''روشن نگر'' کے اوپر والے پورشن میں اپنے والدین کے ساتھ قیام پذیر تھے جبکہ زیست اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی، نائرہ اور مائرہ دونوں بڑے تایا کی بیٹیاں تھیں، مائرہ بیاہ کر دوبئی چلی گئی تھی اور چھوٹے تایا کا اکلوتا سپوت تھا، حارث اور جواد ان کے ماموں زاد تھے چونکہ وہ ایک گاؤں میں رہتے تھے اور پڑھائی کی غرض سے روشن نگر میں قیام پذیر تھے اس طرح روشن نگر کی تینوں منازل شاد و آباد تھیں۔

''کومل میں تم سے ایک مشورہ کرنا چاہتی ہوں۔'' کومل اور عثمان کے حالات ٹھیک ہوئے تو عالیان نے اسے میکے کی طرف روانہ کیا تھا، وہ اپنی ماں کے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی جب انہوں نے اس سے کہا تھا۔

''جی امی جان، کیسا مشورہ۔'' وہی کومل جو شادی سے پہلے اپنی لاپرواہ طبیعت کی بدولت ہر وقت ماں سے جھاڑیں کھایا کرتی تھی اب شادی کے بعد ماں کی گہری سہیلی بن گئی تھی، اسے ایک

دم ہی بردبار اور سنجیدہ رتبہ بخش دیا گیا تھا۔

''فاران کی تعلیم مکمل ہونے والی ہے، وہ تم سے بڑا ہے، اصولاً تو ہمیں اس کی شادی تم سے پہلے کرنا چاہتے تھے مگر اس کی مشکل پڑھائی کی بدولت ہم نے اسے نہیں چھیڑا، مگر میں اب چاہتی ہوں کہ اس کے لئے لڑکی کا انتخاب کیا جائے تاکہ اس کی پڑھائی کے فوراً بعد اس کی شادی کر دی جائے۔''

''ہوں آپ نے بہت اچھی بات سوچی ہے، ویسے تو میرے سلجھے ہوئے ڈاکٹر بھائی کے لئے لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں ہے مگر پھر بھی آپ کی نظر میں کوئی لڑکی ہو تو بتایئے۔'' اس کے لہجے میں اپنے بھائی کے لئے فخر ہی فخر تھا۔

''ہے نا، زیست تمہارے چھوٹے تایا کی بیٹی، اس میں وہ تمام خوبیاں ہیں جو کسی بھی لڑکی میں ہونی چاہیں، پھر وہ رشتوں کو جوڑنے والی اور گھر بنا کر رکھنے والی لڑکی ہے، جب ایسی لڑکی گھر میں موجود ہو تو باہر کیا جانا، پہلا حق تو اپنوں کا ہوتا ہے نا۔''

''زیست۔'' کومل اس نام پہ جہاں کی تہاں رہ گئی تھی، ادھر عالیان بے تاب تھا کہ وہ اپنے گھر جا کر اس کے لئے زیست کی بات ڈال دے اور پھر وہ زیست کے دل سے بھی واقف تھی جو عالیان کے نام پر دھڑکتا تھا اور یہاں ماں کیا سوچے بیٹھی تھی۔

''تم خوش نہیں ہوئی، کیا زیست بھابھی کے روپ میں تمہیں پسند نہیں۔'' اس کے ایک دم سے چپ ہونے پر ماں تشویش سے بولی تھی۔

''نہیں ایسی بات نہیں، کیا فاران بھائی بھی۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی تھی۔

''ہاں اس کی بھی مرضی ہے، زیست اسے بھی پسند ہے۔''

''اف۔'' ایک طرف جان سے پیارا بھائی اور دوسری طرف بھائیوں جیسا دیور، وہ بیچ منجدھار میں پھنس گئی تھی، کس کی سائیڈ لے۔

''اچھا دیکھتے ہیں، میں ذرا دیکھوں بابا جان کیا کر رہے ہیں۔'' وہ بات ٹالتے ہوئے ماں کے کمرے سے باہر آ گئی تھی۔

''بات ہوئی بھابھی جان۔'' وہ گھر واپس آئی تو عالیان جو اسی کی راہ دیکھ رہا تھا لپک کر اس کے پاس آیا تھا۔

''آں نہیں۔'' وہ اس سے آنکھیں چراتے ہوئے بولی تھی۔

''کیوں؟''

''بس موقع نہیں ملا، دوبارہ جاؤں گی تو ضرور کروں گی۔'' وہ عالیان کے دل سے بے خبر اپنی سنا کر بیگ اور چادر اٹھا کر اپنے کمرے میں جا گھسی تھی۔

''میں نے کومل بھابھی کو تمہارے گھر بھیجا تا بات کرنے، مگر وہ ایسے ہی واپس آ گئیں۔'' رات کو فون پر زیست سے بات ہوئی تو وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے لگا تھا۔

''وہ تمہاری بات کرتیں یا اپنے بھائی کی۔'' اس کے گھر میں چونکہ اس کی اور فاران کی شادی کی بات چھڑ گئی تھی اور اس پر وہ پہلے ہی بھری بیٹھی تھی، اس نے ہمیشہ فاران کو بھائی کے روپ میں دیکھا تھا اور اب جب اس نے اچانک اپنی پسندیدگی ظاہر کر دی تھی زیست سے یہ ہضم نہ ہو رہا تھا وہ عالیان کے سامنے پھٹ پڑی تھی۔

''کیا مطلب؟'' عالیان تو سنتے ہی بے ہوش ہونے والا ہو گیا تھا۔

''اور تم۔'' کافی دیر بعد عالیان کو ہوش آیا تھا۔

''میں کیا، میں نے صاف جواب دے دیا

ہے۔"

"مگر تمہارے گھر والے۔" وہ بولا تھا۔

"ان کا مجھے نہیں پتہ۔" زیست نے کہہ کر کھٹاک سے فون بند کر دیا تھا، عجیب سی ٹینشن آن پڑی تھی وہ صحیح طرح بات ہی نہ کر پا رہی تھی۔

فاران کی بات کیا چھڑی حارث نے جلدی سے گاؤں سے اپنے والدین کو بھی بلوا لیا تھا، وہ نائرہ کے تمام تر حقوق بھی اپنے نام کروا لینا چاہتا تھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" نائرہ بارود کی طرح اس کے سر پر جا پھٹی تھی۔

"کون سی، میں نے کیا کیا ہے؟" وہ معصوم بن کر بیٹھ گیا تھا۔

"تم اتنے بھی معصوم نہیں ہو کہ تمہیں کچھ نہیں پتہ، تم نے اپنے اماں ابا کو یہاں کیوں بلوایا ہے؟"

"کیا وہ پہلی بار یہاں آئے ہیں، ہو تو اکثر آتے رہتے ہیں۔"

"مگر اس دفعہ کسی اور نیت سے آئے ہیں۔"

"اچھا تمہیں کیسے پتہ؟"

"میں اندھی ہوں جو کچھ دیکھ نہیں سکتی یا پھر بہری ہوں جو کچھ سن نہیں سکتی۔"

"اگر تم اندھی یا بہری بھی ہوتیں تب بھی قبول تھیں مگر شکر ہے ایسا نہیں ہے، اس لئے اس سے پہلے کہ میں بے خبر مارا جاتا میں چاہتا ہوں تمہارے تمام تر حقوق اپنے نام کروالوں۔" اس کی آنکھیں لو دینے لگی تھیں اور نائرہ اس روشنی میں بہہ سی گئی تھی۔

"مگر میں اس رشتے سے انکار کر دوں گی۔" وہ جن کی کبھی نہ بنی تھی، جن کا ہر بات میں ایک دوسرے سے اختلاف رہا تھا آج وہ دونوں دل میں ایک دوسرے کی محبت چھپائے بیٹھے تھے یہ الگ بات کہ ایک نے اس محبت کا اعلان کر دیا تھا اور دوسرا ابھی تک اس کو چھپانے اور جھٹلانے کے در پے تھا۔

"تم نہیں کر سکتیں۔" وہ اٹھ کر اس کے برابر جا کھڑا ہوا تھا، نائرہ کو آج اس قربت سے خوف آنے لگا تھا، وہ بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹی تھی، وہ ہنس پڑا تھا۔

"میں کر سکتی ہوں اور کر بھی دوں گی تم دیکھ لینا۔"

"کسی بھول میں مت رہنا مس نائرہ کہ تم انکار کر دو گی، تمہیں ہر صورت میرا بننا ہے۔" وہ اس کے بازو میں سختی سے انگلیاں گاڑ کر چلا گیا تھا، وہ بازو میں اٹھتی ٹیسوں کو دباتے ہوئے اس کے جانے کے بعد مسکرا دی تھی۔

مرد محبت کی دھونس جما کر اپنائے تو عورت ہمیشہ معتبر رہتی ہے، یہ نائرہ کا اپنا خیال تھا اور وہ اسی خیال کے تابع اپنے جذبوں کی شدت کو اس پر ابھی ظاہر نہ کرنا چاہتی تھی۔

☆☆☆

کومل اور عثمان میں آئے دن جھگڑا رہنے لگا تھا، ان جھگڑوں کی شدت بڑھی تو وہ روٹھ کر میکے جا بیٹھی تھی۔

"دیکھ لیں جو حشر انہوں نے میرا کیا ہے وہی اس گھر کی دوسری بیٹی کا کریں گے۔"

عالیان چونکہ اپنے والدین کے ذریعے زیست کے گھر اپنے رشتے کی بات پہنچا چکا تھا اور اب تمام گھر والے فاران اور عالیان میں سے ایک کا انتخاب کرتے وقت تذبذب کا شکار تھے جب کومل نے گھر میں جا کر دھماکا کر ڈالا تھا۔

"خدا کے لئے کومل اتنی مبالغہ آمیزی سے کام مت لو، وہ لوگ برے نہیں ہیں، بس جانے

کیوں تمہارا اور عثمان بھائی کا نباہ نہیں ہو پا رہا، ورنہ آج تک گھر کے کسی فرد نے تم دونوں کے معاملات میں ٹانگ نہیں اڑائی پھر ان کا کوئی قصور کیسے نکلتا ہے۔'' وہ زیست کے کیس کو کمزور کر رہی تھی، زیست نے اس کے پاس منت بھرے انداز میں آ کر کہا تھا۔

''آج تم ان کی طرفداری کر رہی ہو کل کو میری طرح تمہیں سب صاف صاف نظر آنا شروع ہو جائے گا تو تم بہت پچھتاؤ گی۔''

''تو تم مجھے بتاؤ نا، ان میں کیا خامیاں ہیں، میں ابھی اپنے فیصلے اور اپنی محبت سے دست بردار ہو جاتی ہوں مجھ میں اتنی عقل تو ہے کہ میں اپنی زندگی کے لئے ایک صحیح فیصلہ کر سکوں۔''

''تم اس وقت دماغ سے نہیں صرف دل سے سوچ رہی ہو، ورنہ کوئی کمی فاران بھائی میں بھی نہیں ہے، بلکہ فاران بھائی جیسا شخص تمہیں کبھی نہ ملے گا۔'' کومل نے کہا تھا۔

''میں مانتی ہوں فاران بھائی بہت اچھے ہیں، ان میں کوئی کمی نہیں ہے، مگر میرا دل تو بس عالیان کی محبت کا طلب گار ہے اور میں اس دل کا کیا کروں۔'' وہ بے بسی سے بولی تھی۔

''چلو پھر اپنے دل کی مان کر دیکھ لینا۔'' کومل اکتاہٹ بھرے لہجے میں بولی تھی۔

''پھر کیا ہو گا؟'' وہ اس کی طرف دیکھ کر بولی تھی۔

''خسارہ ہی خسارہ۔'' کومل نے جلدی سے کہا تھا اور زیست اس کے پاس سے اٹھ گئی تھی۔

کومل نے جان لیا تھا کہ زیست کبھی اس کی نہ سنے گی اس لئے اس نے یہ سب باتیں اپنے تمام تر خدشات کے ساتھ گھر کے سب بڑوں کے سامنے رکھ دی تھیں، زیست چونکہ دل کے ہاتھوں مجبور تھی اور سوائے عالیان کے کسی کا نام سننا بھی گناہ سمجھتی تھی جبکہ اس کے برعکس گھر کے سب بڑے غیر جانب داری سے سوچ رہے تھے اور ان کے دل میں پہلے ہی فاران کے لئے نرم گوشہ موجود تھا بلکہ سب کے ووٹ عالیان کے بجائے فاران کے حق میں تھے اس لئے کومل کی تمام تر باتیں نہایت غور و غوض سے سنی گئی تھیں۔

''کومل نے میرا کیس بہت کمزور کر دیا ہے۔'' وہ فون پر عالیان کے ساتھ تھی۔

''ظاہری بات ہے ان کا جھکاؤ اپنے بھائی کی طرف ہی ہو گا، میں ان کے ساتھ جتنا مرضی اچھا بن جاؤں ان کے لئے، وہ تو نہیں ہو سکتا جو فاران ہے اور پھر عثمان بھائی کے ساتھ جھگڑوں نے یہ دن دکھایا ہے۔''

''تم عثمان بھائی سے کہو انہیں منا کر لے جائیں۔'' زیست کو مسئلے کا صرف ایک ہی حل نظر آیا تھا۔

''وہ منا کر لے بھی جائیں تو کل کو پھر نیا ایشو کھڑا ہو جائے گا دونوں کے درمیان، دونوں ایک جیسے ہیں، ایک سیر تو دوسرا سوا سیر۔''

''مجھے نہیں پتہ تھا کہ کومل کی شادی یوں میرے رشتے پر اثر انداز ہو گی، جب عثمان بھائی سے یہ رشتہ جڑا تھا تو اس میں بہت خوش تھی کہ آپ کے گھر سے تعلق بن گیا ہے۔''

''مایوس مت ہو اللہ تعالیٰ بہتر کرے گا، ہمارے دل صاف ہیں تو یقیناً ہمارے حق میں اچھا ہی ہو گا۔'' عالیان نے جی بھر کر زیست کو تسلی دی تھی۔

کومل اور عثمان کی فون پر ایک اور زوردار جھڑپ ہوئی تھی اس طرح معاملہ سلجھنے کی بجائے مزید بگڑ گیا تھا، کومل نے عثمان سے علیحدگی کا مطالبہ کر دیا تھا، اس کی فطرت میں کمپرومائز کرنے جیسا لفظ نہیں تھا اس لئے وہ یہ نہیں سوچ

رہی تھی کہ اگر عثمان نہیں جھک رہا تو وہ عورت ہونے کے ناطے جھک جائے ورا اپنا گھر بچالے، وہ اس کی برابری کرنے پر تلی ہوئی تھی اور یہی چیز شروع سے ہی عثمان کے لئے ناقابل برداشت تھی۔

گھر کے بڑوں کا مشترکہ فیصلہ فاران کے حق میں ہو گیا تھا اور اس بات اور نئے رشتے کا اعلان سارے لوگ گھر میں کرتے پھر رہے تھے، زیست اپنے دل کے ٹکڑے سنبھالتے ہوئے اپنے کمرے میں احتجاجاً بند ہو گئی تھی، اسے کسی بھی صورت یہ رشتہ قبول نہ تھا۔

''اماں میں فاران سے کسی صورت شادی نہ کروں گی۔'' ماں کے سامنے تمام تر لحاظ اور شرم بالائے طاق رکھ کر وہ پھٹ پڑی تھی۔

''کیوں؟'' ماں نے اس کے کمرے کا دروازہ مکمل طور پر بند کرتے ہوئے کہا تھا مبادا کہ اس کی گستاخ آواز باہر نہ چلی جائے۔

''آپ بھی جانتی ہیں کہ کیوں۔'' وہ ان کی نظروں میں نظریں ڈال کر بولی تھی۔

''اور تم بھی اچھی طرح جانتی ہو کہ انہوں نے کومل کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔'' وہ بھی کومل کی زبان بول رہی تھیں۔

''کیا کیا ہے کومل کے ساتھ، وہ خود اپنے شوہر کے ساتھ بنا کر نہیں رکھ رہی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں بھی ویسا ہی کروں گی، آپ کو اپنی تربیت اور میری فطرت پر بھروسہ ہونا چاہیے، میں ہر حالت میں عالیان کے ساتھ نباہ کر لوں گی، مگر اس کے علاوہ کسی اور کے ساتھ زندگی نہیں گزاروں گی۔''

''میں اس معاملے میں کچھ نہیں کر سکتی یہ تمہارے بابا اور تمام دوسرے لوگوں کا متفقہ فیصلہ ہے۔''

''تو کیا آپ کو اپنی بیٹی کی خوشی عزیز نہیں ہے۔'' وہ دکھ سے بولی تھی۔

''کیوں نہیں ہے، مگر بیٹی انگارے چھونے کی خواہش کرے تو کیا اس کی محبت میں اسے میں انگارے اٹھا لینے دوں، تاکہ جو زخم اس کے ہاتھوں پر آئیں وہ میرے دل پر لگیں۔''

''مگر اماں آپ کیوں نہیں سمجھ رہی ہیں آپ کی بیٹی کسی اور کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی۔'' وہ ماں کی دلیل سے متاثر ہوئے بغیر بولی تھی۔

''اب کیا میں باہر سب کے سامنے جا کر بے شرمی سے کہوں کہ میری بیٹی اپنا بر خود مانگ رہی ہے۔''

☆☆☆

''اماں یہ غلط نہیں ہے، خدانخواستہ میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا، ایک جائز طریقے سے میں اپنا مطالبہ آپ لوگوں تک پہنچا رہی ہوں، باقی سب کچھ تو آپ کو ہی کرنا ہے۔''

''ہمارے گھروں میں اچھی بیٹیاں منہ سے اپنے رشتے نہیں مانگا کرتیں۔'' وہ غصے سے کہہ کر اس کے کمرے سے نکل گئی تھیں، زیست سر پکڑ کر رہ گئی تھی۔

اس کے ہاتھ میں فاران کے نام کی انگوٹھی سج گئی تھی، اس نے رو رو کر اپنا حشر کر لیا تھا، اب تو آنسوؤں کے سمندر بھی خشک ہونے لگے تھے مگر دل کی وحشت کم نہ ہوتی تھی، بس اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے ایک ہی نام لبوں سے نکلتا تھا، وہ اپنی اجڑی حالت لئے ماں کو سوالیہ اور شکوہ کناں نظروں سے دیکھتی رہتی اور ماں اس سے نظر چرا کر اِدھر اُدھر کام نپٹاتی پھرتی۔

''کبھی مائیں بھی اتنی ظالم ہوتی ہیں۔'' وہ نائرہ کے کندھے پہ سر رکھے روئے جاتی، نائرہ بھی اس کی محبت کا دکھ محسوس کر سکتی تھی، وہ اس

کے آنسوؤں میں اپنے آنسوؤں کا پانی بھی ملا لیتی، مگر اس کے لئے کچھ کر نہ سکتی تھی، زیست کومل کی شکل بھی نہ دیکھنا چاہتی تھی اس کے دل کو برباد کرنے اور اپنے بھائی کا دل آباد کرنے والی واحد ہستی وہی تھی، نائرہ بھی اس فعل پر کومل سے ناراض تھی، مگر کومل کو ان کی پرواہ نہ تھی، اس نے اپنے لائق فائق بھائی کا دل بچایا تھا اور بس کچھ نہیں۔

''مجھے اب کبھی فون نہ کرنا، زندگی اب مجھے جیسے بھی گزرے، مگر تم پلیز کوئی رابطہ نہ کرنا۔'' عالیان نے اسے فون کیا تو وہ سسک پڑی تھی۔

''ایسا مت کہو، میرے جسم سے جان نکال لو مگر اتنی بڑی بات نہ کہو۔'' وہ رونے والا ہو گیا تھا، مرد کے آنسو اگر باہر نہیں گرتے اندر تو گرتے ہیں، اس کے آنسو بھی اندر گر رہے تھے۔

''تو کیا کہوں، کیا کروں، میں مر نہیں سکتی ورنہ مر جاتی، مگر جی بھی نہیں پا رہی، بس اب تم رابطہ نہ کرنا، ورنہ تمہاری محبت میں شاید کوئی انتہائی قدم اٹھا لوں، اس گھر کی دہلیز پار کر جاؤں یا پھر اس زندگی کی چوکھٹ چھوڑ بیٹھوں، اپنے خاندان کی عزت کو لاج لگا لوں یا پھر ماں کی تربیت قدموں تلے روند دوں، مگر میں یہ سب نہیں کرنا چاہتی۔'' اس نے اتنا کہہ کر فون بند کر دیا تھا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی، اپنے دل کو اپنے ہاتھوں سے مار دینا کوئی آسان کام تھوڑا تھا۔

آگ خرید کے لائی نی میں
آگ خرید کے لائی
دنیا داری قسمت ماری
شکلیں بدلے روز
دل کی ایک نہ چلنے دے اور
عقلیں بدلے روز
عشق کے کاروبار میں بڑا اچھا نفع کمایا
گھڑی گھڑی پل پل کو اپنے دل کا ماس کھلایا
تن من دھن سب بیچ دیا اور
بھاگ خرید کے لائی نی میں
کوئل لینے گھر سے نکلی
کاگ خرید کے لائی نی میں

دل کے اپنے نوحے تھے، سانسوں کے بین اندر ہی اندر جاری تھے اور گھر بھر میں فاران اور اس کی شادی کے شادیانے بجنے لگے تھے۔

☆☆☆

عالیان کے دل میں اس کے لئے کیسی محبت تھی جو کسی صورت کم ہونے کا نام نہ لیتی تھی، اس نے ایک بار پھر اپنے والدین کو اس کے گھر بھیج دیا تھا، کومل ان کو دیکھ کر برے برے منہ بناتے ہوئے اپنے کمرے میں جا کر بند ہو گئی تھی، باقی گھر والوں نے بھی ان کی کوئی خاص پذیرائی نہ کی تھی، وہ جیسے آئے تھے ایک بار پھر خالی ہاتھ واپس چلے گئے تھے، عالیان کومل بھابھی کو بھی فون کر کر کے تھک گیا تھا، مگر وہ اس کی کوئی کال اٹینڈ نہیں کرتی تھیں۔

''ماں تمہیں اپنی بیٹی پر ترس نہیں آتا، ایک بار میرے دل کا سوچو جس میں فاران کا کوئی نام نہیں ہے، پھر میں ساری عمر اس کے ساتھ کیونکر خوش رہ پاؤں گی۔'' مہندی کی رات اس کے دل پر شام غریباں بن کر اتری تھی، وہ ایک بار پھر زرد جوڑے میں ملبوس زرد چہرے لئے ماں کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔

''میں کیا کروں تمہارے لئے، بار بار میری ممتا کو مت آزماؤ۔'' آج کی رات ماں پر بھی عجیب اتری تھی، وہ اس کے بندھے ہاتھوں پر سر رکھے رو پڑی تھی۔

''آپ سب کچھ کر سکتی ہیں۔'' وہ ایک بار ماں کے آنسوؤں سے حیران ہوئی تھی اور دوسری

"میں نے عالیان کے لئے تمہارا مقدمہ لڑنا چاہا تھا، مگر تمہارے بابا نے مجھے طلاق کی دھمکی دے کر چپ کروا دیا، ان کا کہنا ہے سارے خاندان کو پتہ چل گیا ہے کہ بیٹی منہ سے اپنا بر مانگ رہی ہے، میرا سر توہین سے جھک گیا ہے، اس نے اپنے دل کو مار دیا تھا مگر باپ کی عزت پر آنچ نہیں آنے دی تھی، وہ چاہتی تو رات کے اندھیرے میں گھر سے جاسکتی تھی، مگر وہ ایسی نہیں تھی، اس نے محبت تباہ کر دی تھی مگر عزت بچالی تھی مگر اس کا باپ اس کی خاطر اس کی ماں کی چھبیس سالہ رفاقت کو بھلا کر اسے طلاق دینے پر تل گیا تھا، اس نے اپنے آنسو اندر اتار کر ماں کے آنسو صاف کرنے شروع کر دیئے تھے، یہ لڑکیاں بھی ایسی ہی عجیب ہوتی ہیں۔

☆☆☆

وہ پتھر کا بت بنی فاران کی بن گئی تھی، مولوی صاحب نے نکاح پڑھوایا تھا اور اس نے کتنی بار سر ہلا کر اس انوکھے رشتے کا اعتراف کیا تھا، شاید وہ اپنے دائیں طرف کھڑے اپنے باپ کو یہ باور کروانا چاہتی تھی کہ اس کی ماں کی تربیت میں کوئی کھوٹ تھا نہ اس کے دودھ کی تاثیر ایسی تھی کہ اس کی بیٹی سرکشی پر اتر آئی، نکاح ہوتے ہی اس کے باپ نے اس کے سر پر اپنا ہاتھ دھرا تو اسے لگا کہ وہ ہاتھ نہیں نام نہاد رسم و رواج کی وہ سل ہے جسے وہ کبھی بھی اپنے سر سے نہیں ہٹا سکتی اور جس کے بوجھ تلے وہ تاعمر دبی ہی رہے گی۔

یہاں تک سب کچھ ٹھیک تھا، روتے بسورتے ٹھیک ہونے لگا تھا، مگر فاران کے کمرے میں پہنچ کر اس کے بیڈ پر بیٹھ کر اس کا دل پھر دھاڑیں مار مار کر رونے لگا تھا، اس کا دل کٹ رہا تھا وہ چیخیں مارتے ہوئے اس کمرے اس قید خانے اور ناپسندیدہ شخص کے حصار سے نکل جائے مگر وہ اپنی سسکیوں اپنی چیخوں کا گلا گھونٹ کر بیٹھی رہی تھی اور اس دباؤ کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ جب فاران کمرے میں آیا تھا وہ ہوش و خرد سے بے گانہ ہو گئی تھی۔

عثمان نے کومل کو طلاق بھجوا دی تھی، اپنے بھائی کی حالت اس سے دیکھی نہ جاتی تھی اور پھر اپنی کوتاہیوں کو چھپا کر جس طرح کومل نے اس کے خاندان کی شرافت کو اچھالا تھا عثمان اب چاہتا بھی تو اس عورت کو وہ مقام نہ دے سکتا تھا جس کی وہ حق دار تھی، کومل تو ابھی اپنی بھائی کی شادی اس کی پسند سے کروا کر فتح کے نشے میں سرشار تھی وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ عثمان اسے یوں خود سے کاٹ کر دور پھینک دے گا، طلاق کے کاغذات اس کے ہاتھ میں تھے اور سارا خاندان اس کے اردگرد جمع تھا، سب کومل کے دکھ میں دکھی تھے اور عثمان سمیت اس کے سارے خاندان کو برا بھلا کہہ رہے تھے، زیست اپنے کمرے میں بیٹھی تھی، اس نے تو ویسے ہی کومل سے بول چال بند کر رکھی تھی، وہ اسے کیا پرسہ دینے جاتی، ویسے بھی کومل نے جو بویا تھا وہ آج کاٹ لیا تھا، کسی کا دل اجاڑا تھا اور آج اپنا گھر کھو بیٹھی تھی۔

"میں اس شخص کو چھوڑوں گا نہیں، جان سے مار دوں گا جس نے میری بہن کو چھوڑ دیا ہے، میری بہن کو آنسوؤں میں ڈبو دیا ہے، اس پر طلاق کا بدنما داغ لگا دیا ہے۔" فاران کمرے میں اِدھر اُدھر پھرتے ہوئے غصے سے پاگل ہو رہا تھا، زیست نے اٹھ کر ٹی وی لگا یا تھا اور ہر طرف سے کان آنکھیں بند کر کے اپنی ساری توجہ ٹی وی پر مرکوز کر دی تھی۔

☆☆☆

بے راہ رو

ثمینہ شیخ

ہم انسان جسم کی خاطر روح پر کیا کیا ظلم کرتے ہیں یہ نہیں سوچتے کہ جسم کی نشوونما کی خاطر ہم روح کو گناہوں کی دلدل میں دھکیل دیتے ہیں یہ بے وفا جسم تو اپنی اصل میں لوٹ جاتا ہے اور مٹی میں مل کر فنا ہو جاتا ہے، مگر روح گناہوں کی پاداش میں سزا کی سولی پر لٹکا دی جاتی ہے روح کی نشوونما کے لئے ہم کیا کرتے ہیں کچھ نہیں اچھے کام کرنے سے کتراتے ہیں، عبادت ہم پر گراں گزرتی ہے اور نیکی کرنے سے قدم پیچھے ہٹا لیتے ہیں کوئی ہم سے غلط کرتا ہے تو ہم دوسروں کو اپنے ساتھ ہونے والا ظلم لوٹاتے ہیں، اس لئے ظلم کی ہر حد کو پھلانگتے ہوئے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل چھوڑ دیتے ہیں اور روح کی بربادی کا سامان کرتے ہیں۔

بات اتنی سی تھی کہ اس بار بھی اس نے میری بات نہیں سنی تھی اس کے سامنے گئی تو نظریں نہیں ملائیں کچھ دیر تو وہ خاموش رہی مگر پھر بول اٹھی کیونکہ میں ماں تھی اور اس کا بڑا نقصان ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی وہ میری بات نظر انداز کر کے ٹی وی دیکھتا رہا کچھ دیر بعد اس کی بیوی باورچی خانے سے برآمد ہوئی اور اس کے برابر والے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''کیا بات ہے؟ آج بڑے چپ چپ سے ہو۔'' میری بہو روبینہ نے بغور اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں ایسے ہی۔'' وہ الجھے انداز میں بولا۔

''تھک گیا ہوں، ذہنی تھکن ہو گئی ہے، اپنے ضمیر سے لڑنا آسان نہیں ہوتا۔'' میں نے آہستہ سے کہا اس لئے وہ دونوں نہیں سن سکے۔

''ارسلان کہاں ہے؟'' اس نے بیوی کی طرف دیکھا۔

''کہیں باہر گیا ہوا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ ٹی وی دیکھنے لگی۔

''آپ نے ارسلان کی بائیک کے لئے پیسوں کا انتظام کر لیا۔'' کچھ یاد آتے ہی روبینہ نے حیدر کی طرف منہ کر کے پوچھا۔

''تقریباً ہو گیا ہے۔'' مجھے لگا اس کی آواز کسی گہرے کنوئیں سے آ رہی ہو۔

''کل ساتھ لے جا کر دوں گا۔'' اس نے کہا۔

''مگر یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔'' روبینہ کے جانے کے بعد میں حیدر سے مخاطب ہوئی۔

''کیا کروں اماں اپنی بیوی اور بیٹے کو چھوٹی چھوٹی خوشیوں کے لئے ترسا نہیں سکتا۔'' وہ بے بسی سے بولا۔

''خدا نہ کرے یہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں تمہارے لئے بڑی آزمائش نہ بن جائیں۔''

آج وہ مجھے مسلسل نظر انداز کر رہا تھا، حالانکہ اس سے قبل جب بھی میں نے اس سے کچھ کہا وہ سن ضرور لیتا اور کبھی کبھی میری بات مان بھی لیتا مگر آج تو وہ بالکل بہرا بن گیا تھا، مجھے پتہ چل گیا تھا اپنے بڑے بیٹے کی ضد پر بائیک خریدنے کے

لئے اس نے دو تین لمبے ہاتھ مارے تھے وہ ایک سرکاری دفتر میں ملازم تھا ایک ایسے دفتر میں جہاں صرف فائلیں ادھر سے ادھر سرکانے سے ہی اس کی جیبیں بھر سکتی تھیں مگر اس نے ہمیشہ اعتدال سے کام لیا کیونکہ میں اسے ہمیشہ ٹوک دیا کرتی سمجھا لیا کرتی وہ سمجھ بھی جاتا کبھی کبھی مجبوری کا بہانہ بنا کر موقع سے فائدہ بھی اٹھا لیتا لیکن اس بار اس نے حد کر دی، بیٹے کی نئی بائیک کے علاوہ بیوی کو سونے کے کڑے بھی خرید دیئے۔

''اللہ سب کو اتنا دے...... حیدر۔'' حیدر کی ساس نے کڑے ہاتھ سے چھو چھو کر دیکھے اور خوش ہو کر دعا دی۔

مجھے لگا یہ کڑے جی ہوئی آگ ہیں ٹھنڈے انگارے بس ابھی سلگ اٹھیں گے۔
''کیسی نازک اور گوری کلائیاں ہیں۔'' میں نے گردن موڑ کر کڑوں سے سجی کلائیاں دیکھی تھیں۔
''کیا یہ بھی جل اٹھیں گی۔'' میرے دل سے ایک ہوک اٹھی، تھوڑی دیر بعد ہی حیدر گیٹ پر کھڑا ارسلان کو نئی بائیک اسٹارٹ کرتے دیکھ رہا تھا وہ بڑا خوش نظر آ رہا تھا، میں بھی ان باپ بیٹوں کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی، ارسل نے کک لگائی اور یہ جا وہ جا، ارسل کے جانے کے بعد اس نے دونوں ہاتھوں سے سر کے بال عادتاً سنوارے جوتوں سے گرد جھاڑی اور گھر میں گھسنے لگا، دفعتاً مجھے دیکھ کر قدرے ٹھٹک گیا پھر نظریں چرائے کترا کر گزرنے لگا۔
''حیدر علی بس ہو گے خوش۔'' میں نے ہنس کر ہلکا سا طنز کیا۔
''کیوں مجھے خوش ہونے کا حق نہیں ہے۔'' اس نے چلتے چلتے جواب دیا، مجھے قدرے سکون ہوا اس نے کم از کم میری بات تو سن لی اس کے پیچھے چلتے ہوئے میں بھی ڈرائینگ روم میں آ گئی، وہ صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے چھت کے گھومتے ہوئے پنکھے کی طرف دیکھنے لگا۔
''میری بات سنو حیدر علی۔'' میرے پکارنے پہ اس کے چہرے پہ ناگواری کی لہر دوڑ گئی، بازو اٹھا کر اس نے آنکھوں پہ رکھ لیا۔
''میں جانتی ہوں تم شکست و ریخت کے جس مرحلے سے گزر رہے ہو؟'' میں اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔
''کیا کہیں گی آپ؟'' وہ سابقہ انداز میں بولا۔
''وہی پرانی باتیں کریں گے۔''
''پر جھوٹ تو نہیں کہتی ناں۔'' وہ چپ رہا تو میں پھر بول اٹھی۔
''بولو کیا میری باتیں سچی نہیں ہوتیں؟''
''مگر ہر سچ سننے کے لئے نہیں ہوتا۔'' روبینہ نے تنفر سے کہا۔
''ہوتا ہے سننے کے لئے ہی نہیں عمل کرنے کے لئے بھی ہوتا ہے میں آج تک تمہارے کسی معاملے میں نہیں بولی بہو اس لئے اب میرے اور میرے بیٹے کے معاملے میں خاموش رہو۔'' میں نے بہو کو جھڑک دیا تو وہ منہ بناتے ہوئے وہاں سے چلی گئی کیونکہ حیدر علی نے اسے سختی سے کہا ہوا تھا کہ وہ اس کی ساری فرمائشیں پوری کرے گا خود کو بیچ کر بھی مگر اپنی ماں کے ساتھ اس کا ایک اونچا بول بھی برداشت نہیں کرے گا اور گزرتے وقت نے ثابت کر دیا کہ وہ قول کا پکا نکلا تھا لیکن ایک بات غلط ہو گئی تھی، اس نے ان کی خوشیوں کے لئے اپنا ضمیر بیچ دیا تھا۔
''تم اپنے ضمیر کو سر بازار کیوں لے آئے ہو۔''
''آپ کو نہیں معلوم انسان کبھی کبھی کتنا مجبور ہو جاتا ہے۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھ اس طرح مل رہا تھا گویا کچھ کھو جانے کا افسوس ہو۔
''آخر ایسی کیا مجبوری تھی جس کی مجھے خبر نہیں۔'' میں نے ذرا تختی سے سوال کیا۔
''ایک کیا دس مجبوریاں ہوتی ہیں انسان کی۔'' وہ چڑ سا گیا۔
''اور پھر بھوک میں تو مردار بھی جائز ہو جاتا ہے۔'' اس نے کندھے اچکا کر کہا۔
''بھوک!'' اس کے بودے جواز پر میں تلملا اٹھی۔
''گھر میں روٹی کے ہوتے ہوئے پڑوس کی

مرغی چرا کر بھوک کا جواز مت دو۔"

"زندہ رہنے کے لئے صرف روٹی کی ضرورت نہیں ہوتی اور بھی بہت کچھ چاہیے ہوتا ہے۔" میری بات سن کر اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"زندہ رہنے کے لئے جو کچھ چاہیے ہوتا ہے وہ جائز طریقے سے تمہیں مل رہا ہے کمپرومائز کرنا سیکھ اور اپنے بیوی کو سکھاؤ۔" اس کے بدلتے انداز کو دیکھ کر مجھے تاسف نے آگھیرا۔

پہلے وہ بے باکی سے ناجائز کو جائز نہیں کیا کرتا تھا بلکہ میری بات کے آگے دب جاتا میں نے پریشان ہو کر کمرے کے چاروں اطراف دیکھا، دبیز قالین، بھاری پردے بیش قیمت فرنیچر تو یہاں پہلے بھی تھا مگر اب ایک ایل ای ڈی کا اضافہ ہو گیا تھا، میں خاموش بیٹھی رہی کمرے میں سناٹا چھایا رہا، ارسل ابھی واپس نہیں لوٹا تھا، روبینہ بھی دوبارہ ہمارے پاس نہیں آئی تھی۔

مغرب کی اذان نے سناٹے کو توڑ دیا تو میں چونک اٹھی۔

"حیدر علی اٹھو اذان ہو گئی ہے۔" میں نے مصالحانہ انداز اپنایا۔

"چلا جاتا ہوں مسجد۔" اس نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔

"اٹھ جاؤ جماعت نکل جائے گی۔" اسے نہ اٹھتے ہوئے دیکھ کر میں نے قدرے توقف سے کہا۔

"گھر پر پڑھ لوں گا آج بہت تھکن ہو گئی ہے۔" اس نے ایک انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

"روح تھک رہی ہے تمہاری۔" میری بات سن کر وہ چڑ گیا۔

"خدا کے لئے چپ ہو جائیں۔"

"کیوں چپ رہوں میں ابھی کیبل پر کوئی فلم لگے گی تو تمہیں بڑا سرور ملے گا۔" وہ مجھے چپ کروانا چاہتا تھا لیکن میں کیسے چپ رہتی اپنی اولاد کا انت غلط ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی، میں نے اور اس کے بابا نے اسے ہمیشہ حلال کے لقمے کھلائے تھے اس کے خون میں حلال رزق تھا وہ کیسے بے راہ رو ہو گیا تھا میں نہیں جانتی تھی وہ خود بھی حرام کھانے لگا تھا اپنے بیٹے کو بھی کھلا رہا تھا اور کیا یہ سلسلہ نسل در نسل چل نکلے گا۔

"نہیں میں یہ نہیں ہونے دوں گی میں اپنے بیٹے کو اس دلدل سے ضرور نکالوں گی۔" تب تک چین مجھ پر حرام ہو چکا تھا۔

اس کے بابا کی وفات کے بعد بھی میں نے اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں بتایا تھا میں نے اسے صراط مستقیم کی تلقین کی تھی تو اب غیر المغضوب میں کیسے شامل ہونے دیتی۔

رات عشاء کی نماز پڑھ کر وہ کمرے میں جا کر لیٹ گیا تھا میں اس کے پاس چلی گئی روبینہ کے چہرے کا زاویہ بگڑ گیا کیونکہ یہ سب کیا دھرا اس کا تھا اسی نے میرے بیٹے کو غلط قدم کے لئے مجبور کیا تھا میں نے برائی کے مقابل اچھائی کو کھڑا کیا تھا دیکھنا تھا جیت کس کی ہوتی ہے مجھے روبینہ کی کوئی پرواہ نہیں تھی کہ میرے اس کے تعلقات کشیدہ ہو رہے تھے، حیدر علی مجھے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"آیئے امی بیٹھیں۔" اس نے اپنے بیڈ کی طرف اشارہ کیا، تو میں بیڈ کی پائنتی پہ ٹک گئی۔

"کیا بات ہے؟ آپ اتنے وحشت زدہ کیوں ہو رہے ہیں؟" روبینہ نے اس کے چہرے کے بدلتے رنگ دیکھ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں شاید بی پی ہائی ہو رہا ہے۔" وہ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔

''آپ نے دوا کھائی ہے؟'' اس نے پھر حیدر سے استفسار کیا۔

''ہاں کھائی تھی، لیکن پتہ نہیں اثر کیوں نہیں ہو رہا، چور ہیں سب کے سب فیس تگڑی لیتے ہیں فائدہ نام کو نہیں ہوتا۔'' وہ ڈاکٹر کو کوسنے لگا۔

''ہمیں تھوڑی دیر اکیلا چھوڑ دو روبینہ۔'' میں نے بہو سے کہا تو وہ لاؤنج میں جا کر کیبل دیکھنے لگی۔

''حیدر علی جب انسان کے اپنے اندر چور ہو نہ تو سارا زمانہ چور نظر آتا ہے۔'' وہ لیٹ گیا تو میں اس کے سرہانے بیٹھ کر ہولے ہولے سر دبانے لگی لیکن وہ کروٹ پہ کروٹ بدل رہا تھا جیسے سکون نہ مل رہا ہو۔

''آپ جا کر آرام کریں امی میں تو ایسے ہی بے چین رہوں گا۔'' وہ نقاہت سے بولا۔

''تمہاری بے چینی ہی تو ختم کرنا چاہتی ہوں۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''اپنے سینے کی طرف دیکھو تمہارا دل کسی پنجرے میں بند پرندے کی مانند پھڑپھڑا رہا ہے، پتہ نہیں دل کو کیا ہو گیا ہے۔'' وہ پھر نقاہت سے بولا۔

''دل کے روگ تو تم نے خود پالے ہیں، ڈاکٹروں کو الزام خوامخواہ دیتے ہو۔''

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا میں کیا کروں۔'' اس نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔

''ابھی بھی وقت ہے میرے بیٹے دھو ڈالو اپنے دل کو ورنہ یہ کثافت شریانوں میں جمنے لگے گی تب اس کی صفائی تمہارے بس میں نہیں رہے گی۔'' میری بات سن کر وہ مزید بے چین ہو گیا۔

''میں اپنے سے وابستہ رشتوں کو دنیا کی ہر آسائش دینا چاہتا ہوں۔''

''آج کل کے دور میں انسان کی بنیادی ضرورتیں بھی پوری ہو جائیں تو بڑی بات ہے کجا آسائشیں۔''

''تمہارے پاس ایک اچھا فرنشڈ مکان اس میں ہر وہ چیز جو آج ہماری ضرورت بن چکی ہیں سیکنڈ ہینڈ گاڑی بھی ہے تم نے ارسلان کو جو نئی بائیک لے کر دی ہے یہ ضرورت نہیں تھی یہ تو وہ بھوک ہے جس نے ہمارے نفس کو اپنا غلام بنا رکھا ہے، رات ہو گئی ہے اور وہ ابھی تک واپس نہیں آیا یہ رشتے بیڑیاں ہیں تمہارے پاؤں کی۔''

''یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ یہ مجھے بہت عزیز ہیں۔'' وہ ناراض ہو گیا۔

''اور یہی عزیز از جان لوگ تمہیں آگ میں گھسیٹیں گے۔'' میری بات سن کر وہ خوفزدہ ہو گیا۔

''آپ غلط کہہ رہی ہیں۔''

''نہیں میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔'' میں نے اپنی بات پر زور دیا۔

''تم نے بچپن سے لے کر لڑکپن تک بہت دفعہ قرآن پڑھا، روزے رکھے، نمازیں پڑھیں یہ سچ ہے کہ تب تم بہت اچھے تھے مگر جب تم جنت کی طرف لے جائے جاؤ گے تو یہی بیوی اور اولاد تمہارے پاؤں سے لپٹ جائیں گے۔''

''ہوں مگر کیوں؟'' اس کی آواز میں لرزش تھی۔

''جب حرام کی کمائی سے بنے ہوئے تمہارے بیٹے کو آگ چھوئے گی تو وہ چیخ اٹھے گا کہ میرے باپ کو بلاؤ یہ کمائی وہی تو گھر میں لاتا تھا۔''

''اماں آپ مجھے ڈرا رہی ہیں۔''

''بھول ہے تمہاری، تم سخت خود فریبی اور غفلت میں مبتلا ہو تم چاہتے ہو انگارے بھی پکڑو مگر ہاتھ نہ جلے۔''

''لیکن ہر شخص کو خوش رہنے کا حق حاصل ہے۔'' اس نے جھنجلا کر کہا۔

''میں اپنے بیوی بچوں کو آسائشوں سے کیسے محروم رکھ سکتا ہوں۔''

''تم سے بھی یہ سوال ہوگا قیامت کے دن تم بھی جوابدہ ہو گے خدا کے سامنے تمہیں جب رزق حلال کی بار بار تلقین کی گئی تو تم نے اپنے اہل وعیال کو حرام کیوں کھلایا، بیوی بچوں سے محبت کا دعویٰ بھی کرتے ہو اور انہیں جھوٹی خوشیوں سے بہلا کر دائمی سکون سے محروم بھی رکھنا چاہتے ہو یہ کیسی تمہاری محبت ہے۔''

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اوپر سے آپ مزید مجھے پریشان نہ کریں۔'' اس نے میری طرف سے کروٹ بدل لی۔

''منہ پھیر لینے سے کچھ نہیں ہوتا حیدر علی میں تمہیں گہری کھائی میں گرتے نہیں دیکھ سکتی۔'' مجھے لگا میں حیدر علی کے سامنے ہار رہی ہوں۔

''ہزاروں لوگ یہی سب کچھ کرتے ہیں۔'' اس نے اونگھتے ہوئے ہاتھ ہلایا۔

''وہ کرتے ہیں تو ہر وقت مصیبت میں مبتلا رہتے ہیں دنیا میں نہ سہی آخرت کا عذاب تو برحق ہے۔'' میں اپنی طاقت کو بحال کرتے ہوئے تگڑے لہجے میں نے کہا۔

''اللہ معاف کرنے والا ہے۔'' اس نے غنودگی میں کہا۔

''بے شک اللہ حساب لینے والا ہے۔'' میں نے بھی جواب دیا۔

''مجھے سخت نیند آرہی ہے جائیں آپ بھی سو جائیں۔'' اس نے بے زاری سے کہا۔

''میں سو گئی تو تمہیں کون جگائے گا۔'' میں نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''ایک رات جاگ کر اپنا احتساب کر لو تو

ہرج ہی کیا ہے۔" میں نے اسے پیار سے سمجھانا چاہا۔

"جب فرصت ملے گی تو کرلوں گا۔"

"فرصت کی بھی خوب کہی تم نے گویا تمہیں یقین ہے کہ فرصت یا مہلت مل ہی جائے گی۔" میں نے بھی بولنا نہ چھوڑا۔

"کیا تمہیں خبر ہے کہ صبح زندہ رہو گے۔"

"چپ ہو جائیں پلیز۔" وہ چیخ اٹھا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا، میں نے دیکھا اس کا بدن ہولے ہولے کانپ رہا تھا اور سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔

"آپ چاہتی ہیں کہ میں مر جاؤں۔" اس کی رگیں پھولنے لگیں، آنکھوں میں وحشت در آئی۔

"میں نہیں چاہتی بلکہ تم نے لالچ میں آکر اپنے ضمیر کو قتل کیا ہے مارا ہے اب تمہاری وقعت مٹی کے ڈھیر سے زیادہ نہیں خاک کا پتلا اور خدا کے نزدیک مٹی کا ڈھیر محض۔" پھر میں کہہ کر رکی نہیں کمرے سے نکل گئی، روبینہ شاید اب لاؤنج سے بھی جا چکی تھی۔

☆☆☆

رات کافی بھیگ چکی تھی ارسلان ابھی تک نہیں آیا تھا اور وہ دونوں بے فکر سو رہے تھے، دیکھا تو روبینہ ارسلان کے کمرے میں سو رہی تھی میں نے اسے جھنجوڑ کر اٹھایا۔

"اتنی گہری نیند، ارسلان کو فون کرو ابھی نہیں آیا۔" میں نے پریشانی سے کا تو وہ انگڑائی لیتی ہوئی اٹھ گئی اور بیزار موڈ کے ساتھ اس کا نمبر ملایا۔

"ارسلان کہاں ہو تم؟" اس کے پوچھنے پر جو جواب ملا وہ چیخنے لگی۔

"کہاں ہے ارسلان کیا ہوا ایکسیڈنٹ

سیریس تو نہیں تھا۔" اس کی بات سن کر میرے بھی ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

"روبینہ کیا ہوا کچھ مجھے بھی بتاؤ۔" اس نے فون بند کیا تو میں نے پوچھا۔

"ارسلان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا، میرا بھائی بابر اتفاق سے وہیں سے گزر رہا تھا وہ بروقت ہوسپٹل لے گیا زیادہ خطرناک نہیں تھا وہ گھر پہنچنے والے ہیں۔" وہ مجھے بتا کر وہ حیدر کو جگانے چلی گئی وہ بھی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور رونے لگا، پھر میرے پاؤں سے لپٹ گیا۔

"امی یہ کیا ہو گیا میں ہی اس کا ذمہ دار ہوں اگر اسے بائیک لے کر نہ دیتا تو یہ حادثہ نہ ہوتا۔" وہ زارو قطار رو رہا تھا۔

"حیدر یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں جو زخم قسمت میں لکھے ہوں جو حادثے تقدیر میں ہوتے ہیں وہ ہو کر رہتے ہیں۔" روبینہ ہٹ دھرمی سے کہہ رہی تھی۔

"میرا بیٹا اپنی اصل کی طرف لوٹ رہا تھا اور وہ رکاوٹ بننے کی کوشش کر رہی تھی ہاں بالکل جو حادثے ہماری تقدیر میں لکھے ہوتے ہیں وہ ہو کر رہتے ہیں، یہ بائیک حرام کے پیسوں سے لی گئی تھی کہ ہم پہ مصیبت بن کر نازل ہوئی اگر یہی حادثہ محنت کی کمائی ہوئی گاڑی سے ہوتا تو ہم کہتے یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے صبر کرنا چاہیے، لیکن حرام کی کمائی سے ہوا نقصان ہمارے جیون بھر کا پچھتاوا بن جاتا ہے صبر نہیں آتا روبینہ۔" میں نے خاصے غصے سے کہا، حیدر علی کھڑا ہو گیا تو میں نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا میں جانتی تھی وہ اب توبہ کرنے والا تھا، میری آخری باتیں اس پر اثر کر گئیں تھیں۔

☆☆☆

قرۃ العین رائے

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں امی؟ مجھے اس تھیلا نما لڑکی سے شادی نہیں کرنی ہرگز نہیں۔" امی کی بات سن کر وہ صدمہ سے اچھل ہی پڑا تھا۔

"طلال! وہ بہت اچھی سگھڑ، سلیقہ شعار اور نیک بچی ہے۔" انہوں نے اس کی خوبیاں گنوائیں تھیں۔

"What ever حلیہ دیکھا ہے آپ نے اس کا آؤٹ آف فیشن ڈھیلے ڈھالے سے کپڑے اور منہ صرف صبح کے ٹائم ہی دھلا ہوا اور بس مجھے کسی ماسی سے شادی نہیں کرنی مجھے اسے اپنے سرکل میں لے جا کر شرمندہ نہیں ہونا آپ تو جانتی ہیں بزنس مین بزنس پارٹیز بھی ہوتی ہیں جن میں فیملی کے ساتھ جانا ضروری ہوتا ہے اور ویسے بھی کافی سوشل پسند ہوں آئے روز دعوتوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے مجھے ایسی لائف پارٹنر چاہیے جو ایسی جگہوں پر اعتماد کے ساتھ نمایاں نظر آئے۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے اپنی پسند کی وضاحت کی۔

"تو بیٹا پھر کسی ماڈل سے ہی بیاہ رچالو۔" بیٹے کی بات پر وہ جلے دل سے بولیں تھیں۔

"آئیڈیا برا نہیں۔" کسی کی بجی سنوری شبیہ اس کے ذہن کے پردے پر لہرائی تھی جبھی شرارت سے مسکراتے ہوئے وہ بولا تھا۔

"طلال بیٹا فائقہ بہت اچھی، نیک، سلیقہ مند، ملنسار اور پڑھی لکھی بچی ہے میرا اس گھر میں شروع سے آنا جانا ہے کوثر نے اپنی بچیوں کو بہت اچھی تربیت کی ہے یقین مانو وہ تمہارے گھر کو جنت بنا دے گی اور بیوی صرف پارٹیز میں لانے لے جانے کے لئے نہیں ہوتی عجیب سطحی سی بات کی ہے بیوی تو ایسی ہونی چاہیے جو آپ کے لئے شدید گرمی میں ٹھنڈک کا باعث ہو جو ہر وقت فیشن کرتی ہیں ناں وہ گھر سنبھالتی ہیں نہ بچے پالتی ہیں اور نہ ہی شوہر کو کسی گنتی میں شمار کرتی ہیں، ظاہری شخصیت سب کچھ نہیں ہوتی بالکل ویسے ہی جیسے ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔" انہوں نے ایک بار پھر طلال کو سمجھانا چاہا طلال ان کا اکلوتا بیٹا تھا اور وہ نہیں چاہتی تھیں کہ نادانی میں وہ اپنی زندگی کا اتنا اہم فیصلہ غلط کر ڈالے۔

"پلیز امی کیا ہو گیا ہے زمانہ بدل گیا ہے اور اس کے تقاضے بھی اب اولڈ فیشن روکھی پھیکی سی جی حضوری ٹائپ کی بیویاں نہیں چلتیں اور فائقہ کو دیکھ کر مجھے کبھی شدید گرمی میں ٹھنڈک کا احساس نہیں ہوا آپ کے ساتھ میں ایک دو بار ان کے گھر جا چکا ہوں حلیہ دیکھا تھا ناں آپ نے اس کا کس کے باندھی ہوئی چٹیا ڈھیلے ڈھالے سے کپڑے، بے رنگ سا چہرہ، گول مول سی محترمہ ہیں اوپر سے حلیہ بھی الول جلول شادی کے بعد اس نے پوری بارہ من کی دھوبن بن جانا ہے کچھ ہی سالوں میں گوشت کا پہاڑ اپنے ساتھ لے کر چلا کروں گا ناں بابا ناں اور یہ ظاہری حلیہ ہی سب کچھ ہوتا ہے پہلی نظر میں کون دیکھتا ہے کہ مقابل ہستی کتنی سلیقہ مند، نیک، اچھی اور پڑھی لکھی ہے ایسا نہ ہوتا تو آج میں اسے ریجیکٹ نہ کر دیتا۔" طلال نے منہ بناتے ہوئے بے لاگ تبصرہ کیا جن پر سکینہ بیگم نے اسے گھور کر دیکھا۔

"خدا کا خوف کرو طلال گول مول کب ہے فائقہ بس بھرا جسم ہے اور کپڑے بھی ڈھیلے پہنتی ہے پھنسایا نہیں ہوتا خود کو کپڑوں میں کچھ تو پہن کر بھی ایسی لگتی ہیں جیسے کچھ بھی نہیں پہنا، سلجھی اور نیک بچی ہے اس لئے اور گھر میں تو ہر کوئی سادہ سے حلیے میں ہوتا ہے۔" فائقہ کو گول مول کہنے کی بات اچکتے ہوئے بولیں۔

"گھر کے علاوہ میں نے اسے عارضہ کی شادی پر بھی دیکھا تھا، محترمہ گھر والے حلیے میں

ہی تھیں۔" طلال نے اپنی ایک کزن کی شادی کا حوالہ دیتے ہوئے کہا اور مزید گویا ہوا۔
"ویسے بھی امی زندگی تو مجھے گزارنی ہے۔"
"ٹھیک کہا بیٹا تمہاری زندگی ہے تمہیں ہی گزارنی ہے۔ بس والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے بچوں کی زندگی راحت بھری گزرے۔" آزردگی سے بیٹے کی بات کاٹتے ہوئے بولیں تھیں۔

"میری زندگی آپ کی دعاؤں سے راحت بھری گزرے گی راحت کے ساتھ۔" بیڈ پر ان کے قریب بیٹھتے ہوئے لاڈ سے ان کے گلے میں باہیں ڈالتے ہوئے آخر کار طلال نے اپنی پسند بتا ہی ڈالی۔

راحت اس کی منجھلی پھپھو کی شوخ و چنچل بیٹی تھی وہ حسین ترین تو نہیں تھی لیکن ہر وقت خود کو سنوارنے میں مشغول رہتی تھی فیشن کی دلدادہ تھی جدید انداز کے بے حد فٹنگ والے ملبوسات میں بجی سنوری طلال کے اردگرد منڈلاتی تھی اور طلال کے حواسوں پر چھانے لگی تھی طلال کا پھپھو کے گھر چکر لگانے میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا، طلال کی پھپھو کا گھر بھی ان کی کالونی ہی میں تھا اور اس کی پھپھو طلال کی روز بروز کی آمد کو بھی سمجھ رہی تھیں اور وہ اس بات سے بھی آگاہ تھیں کہ ان کی بھابھی کا جھکاؤ اپنی دور پرے کی کزن کوثر کی بیٹی فائقہ کی طرف ہے جبھی وہ بات بے بات راحت کی دیکھی ان دیکھی خوبیاں بیان کرتی رہتیں اور باتوں ہی باتوں میں فائقہ کا ذکر منفی انداز میں کر جاتیں یہ ان کی کوششوں کا ہی نتیجہ تھا کہ طلال فائقہ سے متنفر اور راحت کی طرف پوری طرح ملتفت ہو چکا تھا۔

سکینہ بیگم بیٹے کے منہ اس کی پسند کا نام سن کر خاموش ہو گئیں تھیں اب سمجھانا اور بحث کرنا انہیں بیکار لگا تھا جبھی انہوں نے بے دلی سے اپنی نند سے ان کی بیٹی کا رشتہ مانگ لیا تھا ردعمل فوراً مثبت آیا تھا کوثر سے جا کر وہ نہایت شرمندگی کے ساتھ معذرت کر آئیں تھیں اپنی خواہش کا وہ کئی بار ان کے سامنے ذکر کر چکی تھیں، فائقہ کو وہ ہمیشہ اپنی بہو کے روپ میں دیکھتی تھیں طلال جب بھی ان کے گھر گیا اس وجہ سے فائقہ کے دل میں ہلکی سی گدگدی ہونے لگتی لیکن قدرت کا لکھا سمجھ کر اس نے اس حقیقت کو قبول کر لیا تھا، دونوں گھروں میں زور و شور سے تیاریاں شروع ہو گئیں اور پھر ایک روز راحت دلنشین اپسرا کا روپ دھارے اس کی سیج سجائے دلہن کے روپ میں موجود تھی طلال نے خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کیا۔

☆☆☆

شادی کے ابتدائی دن بے حد رومان پرور اور حسین تھے جہاں کہیں پر بھی ان کی شادی کی دعوت کی گئی اس نئے نویلے جوڑے کو بے حد سراہا گیا، چاند سورج کی جوڑی قرار دیا گیا راحت ہر وقت خود کو سجائے سنوارے رکھتی میک اپ کو اپنے چہرے سے اترنے نہ دیتی اور طلال کو بھی اس کا یہی روپ پسند تھا بے حد پسند وہ جہاں کہیں بھی جاتی محفل کی جان بن جاتی اس کی بات بے بات ہنسی کی پھلجڑی چھوڑنا، میٹھی میٹھی باتیں بگھارنا چہرے پر ہر دم نرم سی مسکراہٹ رکھنا اس کے اچھے اخلاق سے منسوب کیا جاتا، راحت کی تعریف پر طلال کا سینہ فخر سے پھول جاتا اور اس تصور سے ہی اس کو جھرجھری آ جاتی کہ اگر آج راحت کی جگہ وہ فائقہ اس کی ہمسفر ہوتی تو کیا وہ دونوں یوں کسی بھی محفل کی جان قرار پاتے، وہ خوش تھا بے حد خوش راحت کی سنگت میں، دنیا و مافیا کی ہوش بھلائے وہ ہواؤں میں اڑ رہا تھا ایک دو بار

اس نے امی کو بھی یہ بات جتائی تھیں کہ راحت ہر طرح سے فائقہ سے بہترین انتخاب ہے، غزالہ بیگم بیٹے کی خوشی میں خوش تھیں اس موضوع پر کسی بھی قسم کی بحث کرنا انہیں لاحاصل لگا تھا بہت جلد ان کے گھر میں نئے مہمان کی آمد ہونے والی تھی، نخریلی سی راحت نے خوب سسرال والوں سے ناز و نخرے اٹھوائے تھے، اس سلسلے میں اسی دوران فائقہ کی شادی کا کارڈ بھی ان کے گھر آیا تھا، لیکن طلال شادی میں نہیں جاسکا تھا راحت طلال کو ایک پل کے لئے بھی خود سے دور نہیں ہونے دیتی تھی اور نہ ہی وہ ایسا چاہتا تھا وہ یک جان دو قالب بن چکے تھے۔

☆☆☆

کسی کھلونے میں پاؤں اٹکنے کے باعث بمشکل خود کو گرنے سے بچا پایا تھا وہ خود کو منہ ہی میں بڑبڑاتا ہوا وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھا کمرے کی حالت حسب معمول ابتر ہی تھی کپڑوں کا پھیلاوا بے ترتیبی اور بیڈ پر نیم دراز پہاڑ کا گوشت طلال کا جی چاہا کہ یہیں سے پلٹ جائے لیکن ایسا ممکن نہیں، جائے فرار اب ممکن نہیں تھی وہ کتنا بھی وقت باہر گزار کر آتا۔ آنا تو اسے یہیں تھا۔

''ارے آج تو تم بڑی جلدی آگئے۔'' اس نے اپنی گول گول آنکھیں گھما کر حیرت کا اظہار کیا۔

نہ سلام نہ دعا اور نہ ہی اٹھ کر پانی کا پوچھا بس لیٹے لیٹے ہی حیرت کا اظہار کر ڈالا۔

''جاہل عورت!'' دل میں روز کا کہا جملہ دہرایا جو نہ جانے کتنی بار دہراتا تھا لیکن صرف دل میں۔

''ہاں وہ افروز کے بیٹے کی پانچویں سالگرہ ہے شام وہاں جانا ہے۔''

''ہائے سچی کتنے دن ہی ہو گئے دعوت پر گئے اور تم فون کر کے بتا نہیں سکتے تھے، تیار ہونے میں کتنا وقت لگ جاتا ہے بچوں کو تیار کرنا الگ عذاب ہے اور اوپر سے آج کام والی بھی نہیں آئی ہڈ حرام۔'' اس کی بات کاٹتے ہوئے بے حد جوش اور پھر آخر میں کوفت کا اظہار کیا گیا ساتھ ہی وہ بیڈ پر سے اٹھ کر باہر کی جانب بڑھی۔

''اے کاشف اپنے ٹیوٹر کو فون کر کے بتا دے آج وہ نہ آئے شام کو ہم دعوت پر جا رہے ہیں۔'' پاٹ دار آواز نے اس کے اعصاب کا امتحان لیا تھا اگر افروز نے بصد اصرار پوری فیملی کو انوائیٹ نہ کیا ہوتا تو وہ اکیلا ہی چلا جاتا لیکن وہ اس کا بہت پرانا اور قریبی دوست تھا فیملی سمیت جانے کے علاوہ چارہ نہ تھا۔

وہ پلٹ کر امی ابو کے کمرے کی جانب بڑھا صاف ستھرا سا کمرہ اور پھر ماں کی مشفق وجود اس کے دل و دماغ کو سکون مہیا کرتا تھا کچھ ابو سے بزنس کے مسائل بیان کر کے صلاح لینا اچھا لگتا تھا اور کچھ امی کی گود میں سر رکھ کر وہ کچھ پل کے لئے پرسکون ہو جاتا تھا۔

☆☆☆

''ان سے ملیے یہ ہمارے نئے مگر بہت اچھے پڑوسی داور حیات اور مسز داور ہیں کچھ دن قبل ہی سامنے والی کوٹھی میں پوری فیملی شفٹ ہوئی ہے بے حد ملنسار اور بہترین اخلاق کے حامل ہیں، نورین اور بھابھی میں تو بہت گہری دوستی ہو گئی ہے۔'' افروز نے طلال اور راحت کا تعارف سامنے کھڑے خوبصورت جوڑے سے کروایا۔

''داور یہ خالہ سکینہ کے بیٹے طلال بھائی ہیں، کیسا عجیب اتفاق ہے شادی کے تقریباً پانچ سال بعد آپ سے ملاقات ہو رہی ہے بس شادی

نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے شوہر کو بتایا اور آخر میں خالہ، خالو کا احوال بھی پوچھا، فائقہ کے بتانے پر داور نے مسکراتے ہوئے طلال کا ہاتھ گرمجوشی سے دبایا۔

''ارے تم فائقہ ہو بہت بدل گئی ہو میں تو پہچان ہی نہیں پائی میری شادی پر آئی تھی تم اتنی سادہ اور عام سے حلیے میں تھی اسی لئے مجھے یاد رہ گئی۔'' راحت نے اچانک اپنی حیرت کا اظہار اپنے انداز میں بھونڈے پن سے کیا۔

''بھئی سب لوگ شادی پر اتنے تیار شیار تھے اور یہ بیچ میں سادہ سی سب سے الگ، اسی لئے مجھے یاد رہ گئی بھلا شادی پر کون آتا ہے اس طرح سادہ سا بن کر۔'' راحت نے فائقہ کو یاد رکھنے کی وضاحت دی۔

''جی شادی سے پہلے میں ملنگ ٹائپ ہی تھی امی لڑکیوں کے فیشن کے خلاف تھیں اور مجھے بھی رغبت نہیں تھی امی کی شادی میں بھی بہت زیادہ تیار ہونے کی اجازت نہیں دیتی تھیں کہتی تھیں کہ لڑکیاں شادی کے بعد اپنے شوق پورے کرے اور شوق تو نہیں تھا مگر شادی کے بعد داور کی خواہش کے مطابق ہی مجھے رہنا پسند ہے یہ تو گھر میں بھی مجھے سادہ حلیے میں نہیں رہنے دیتے۔'' نورین نے مسکراتے ہوئے وضاحت کی تھی اور ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا۔

''خالہ اور خالو کیسے ہیں؟''

''ٹھیک ہیں۔'' پہلی بار طلال نے لب کشائی کی اور مختصر سا جواب دیا، اس نے فائقہ کے سراپے پر جو نظر ڈالی، ریڈ شیفون کی ساڑھی میں اس کا دلکش سراپا بے حد نمایاں ہو رہا تھا لمبے بالوں کو کھلا چھوڑ کر دائیں کندھے پر ڈال رکھا تھا

✡ ✡ ✡

اور بائیں کان میں گولڈن اور سرخ نگوں والا ائیر کف پہن رکھا تھا سموکی آئیز کے ساتھ لائٹ پنک لپ اسٹک اس کے چہرے کی تازگی اور خوبصورتی کو نمایاں کر رہی تھی۔

''ہائیں تو تم ایسے ہی ٹپ ٹاپ رہتی ہو ہر وقت؟'' راحت نے آنکھیں پھیلا کر پوچھا وہ لوگ آمنے سامنے صوفوں پر براجمان ہو چکے تھے۔

''بھئی پانچ سال ہو گئے شادی کو تین بچے ہیں اور انہوں نے مت مار کر رکھ دی ہے اوپر سے ہوئے بھی سیزرئین وزن تو بڑھنا ہی تھا ورنہ شادی سے پہلے تو فیشن کرنا مجھ پر ختم تھا۔''

راحت کی مزید گوہر فشانی پر طلال کا جی چاہا کہ وہ اس کے بڑے سے منہ پر بڑی سی ٹیپ چپکا دے۔

''بس جی یہی تو غلطی ہوتی ہے عورت کی شادی ہو گئے بچے ہو گئے اپنے لئے وقت نکالنا بیکار اصل میں فیشن کرنا اور سجنا سنورنا تو تب شروع ہوتا ہے اس پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنے شوہر کے لئے بج سنور کر رہے بھئی میں نے تو فائقہ کو اول روز ہی اپنی خواہش بتا دی تھی کہ بیوی مجھے ہمیشہ نکھری اور ہلکے پھلکے میک اپ میں تک سک سے تیار چاہیے اور کسی بھی فیشن میں پر اعتماد اور نمایاں ہونا چاہیے، یہ کیا کہ کچھ عرصے بعد بیوی کو کہیں پر بھی ساتھ لے جاتے ہوئے یہ احساس ہو کہ بیوی ہیں ماسی کو ساتھ لے جا رہے ہیں۔'' فائقہ کے شوہر نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا اور طلال کو لگا جیسے وہ اسے بھگو بھگو کر جوتے مار رہا ہو، ایسے ہی خیالات کا اظہار بھی طلال نے اپنی امی کے سامنے فائقہ کو بہو کے طور پر پسند کرنے پر کیا تھا۔

''یہی کہا تھا ناں تم نے کہ مجھے کسی ماسی سے شادی نہیں کرنی مجھے اسے پارٹیز میں لے جا کر شرمندہ نہیں ہونا تو اب کیا خیال اپنے ساتھ بیٹھے اس پہاڑ کے گوشت کے بارے میں؟'' قمیض شلوار میں بے رونق چہرہ اور بھونڈا میک اپ کیے راحت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے دل نے طلال کو آئینہ دکھایا تھا۔

طلال کو راحت اور فائقہ کا موازنہ کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں تھی فرق صاف ظاہر تھا اس نے نگاہیں جھکا لی تھیں۔

''بہت سلیقہ مند خاتون ہے میری بیوی سسرال کی بے حد چہیتی ان سب کا دل اپنی اچھی عادات و اخلاق سے جیت رکھا ہے بچوں کی تربیت بھی بے حد اچھی کی ہے، میں بہت خوش قسمت ہوں کہ مجھے فائقہ جیسی جیون ساتھی ملی جو ظاہری طور پر بھی نہیں باطنی طور پر بھی بہت خوبصورت شخصیت کی مالک ہے۔'' داور نے بیوی پر پیار بھری نظر ڈالتے ہوئے کہا اور طلال اپنی جگہ پر پہلو بدل کر رہ گیا۔

''اچھا بس بھی کریں، جہاں موقع ملتا ہے تعریفیں شروع کر دیتے ہیں۔'' فائقہ نے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ داور کو ٹوکا۔

''کتنے بچے ہیں؟ نارمل ہوئے ہو گے تبھی اتنی سمارٹ ہو؟'' راحت نے پوچھا۔

''ایک بیٹا اور ایک بیٹی اور دونوں ہی سیزرئین ہوئے تھے۔'' فائقہ نے جواب دیا اور راحت منہ بنا کر رہ گئی۔

''ارے راحت بھابھی یہ خود ہی چم چم نہیں کرتی اس کا گھر بھی بڑا چم چم کرتا ہے سارا دن گھر کو سنوارنے میں مصروف رہتی ہے شوہر اور بچوں کو سجانے سنوارنے کے علاوہ گھر کا سارا کام خود کرتی ہے اسی لئے فٹ ہے۔'' نورین نے کولڈ ڈرنک سرو کرتے ہوئے بتایا۔

''اور آج ریڈ ساڑھی میں بہت اچھی لگ رہی ہو۔'' ساتھ ہی اس نے فائقہ کی تعریف کی۔

''شکریہ یہ داور کی چوائس تھی پہننی پڑی ورنہ میں تو جو تمہارے ساتھ بوتیک سے قمیض شلوار لائی تھی وہ پہننے لگی تھی۔'' فائقہ نے جھٹ بتایا۔

گفتگو کا رخ بدل گیا تھا اب افروز، داور سیاست کو زیر بحث لے آئے تھے اور موجودہ حالات سے فائقہ بھی اچھی طرح واقف تھی تبھی گفتگو میں شریک تھی بس چند مہمانوں کا انتظار تھا پھر کیک کاٹا جانا تھا نورین بھی آتی جاتی گفتگو میں شامل ہو جاتی فائقہ بھی اٹھ کر اب اس کے ساتھ ہیلپ کروانے لگی تھی نورین کے منع کرنے کے باوجود کتنا نمایاں فرق تھا اس میں اور راحت میں جو ٹس ایک جگہ بیٹھی ہوئی تھی بچوں کو بھی اٹھ کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی گئی تھی جو افروز کے بچوں کے ساتھ باہر لان میں کھیل رہے تھے جبھی چھوٹا بیٹا روتا ہوا غبارے لینے کی ضد کرتا راحت کا دوپٹہ کھینچنے لگا راحت کے تھپڑ لگانے پر زور زور سے رونے لگا تھا اور فرش پر بیٹھ کر ضد میں مچلنے لگا۔

''کم بختوں نے جینا حرام کر دیا ہے۔''

راحت کے جملے نے طلال کو سب کے سامنے مزید شرمندہ کر دیا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ یہ وہی راحت ہے جو ہر وقت چہرے پر نرم مسکراہٹ سجائے رکھتی تھی شادی کے بعد بچوں کی آمد نے ہی اسے بوکھلا دیا کچھ اس میں سلیقہ مندی کا فقدان تھا گھر سنورنے کی بجائے بگڑ گیا تھا اور غیر متوازن صورت حال نے اس کا رویہ بھی غیر متوازن کر ڈالا تھا اپنے پھوہڑ پن کی وجہ سے وہ گھر کو سنوار سکی نہ بچوں کی تعلیم و تربیت کر پائی طلال کے بار بار احساس دلانے پر الٹا وہ ایک بد مزاج بیوی کا روپ دھار چکی تھی اور گھر میں ہر روز جھڑپ سے بچنے کے لئے طلال اب باہر دوستوں کی محفل میں پناہ ڈھونڈتا تھا خود اس کے سر کے بال جھڑ چکے تھے اور جسم موٹاپے کی طرف مائل تھا۔

اس کی زندگی راحت کے ساتھ راحت بھری تو نہیں البتہ اب مزید بے سکون اور پچھتاوے کے ساتھ گزرنے والی تھی داور اور فائقہ کی جوڑی صحیح معنوں میں چاند سورج کی جوڑی رہی تھی کتنے خوش تھے وہ ایک دوسرے کی سنگت میں۔

''سچ کہا تھا امی نے ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی کاش میں نے فائقہ کی اندرونی خوبصورتی کو جانچا ہوتا والدین کی خواہش پر عمل کیا ہوتا تو آج یہ چمکتا ہیرا میرا نصیب ہوتا۔'' پچھتاوے کا احساس بڑھتا جا رہا تھا جو طلال کے وجود میں تیزی سے پھیلتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

سرخرو

سویرا فلک

''توبہ ہے، میری تو جان عذاب میں آ گئی ہے، گھر جاؤ تو بچوں اور میاں کی سنو اور آفس آؤ تو باس کی، زندگی ہے کہ کوئی عذاب، ہر وقت کوئی نہ کوئی مصیبت گلے پڑی رہتی ہے، زندگی کا سکون تو جیسے ختم ہو کر رہ گیا ہے۔'' میں نے باس کے کمرے سے آ کر فائل ٹیبل پر پٹخی اور دل کا غبار نکال کر ہانیہ کی طرف دیکھا، اس نے چپ چاپ ایک نگاہ غلط مجھ پر ڈالی اور دوبارہ اپنے کام میں مگن ہو گئی، اس کی اس حرکت پر اس کا غصہ سوا نیزے پر پہنچ گیا۔

''یار تم انسان ہو کہ مشین، تھکتی نہیں ہو، اوپر سے میں اتنی دیر سے بک بک کر رہی ہوں، محترمہ ہیں کہ کوئی رسپانس ہی نہیں دے رہی ہیں، جیسے کہ میں روم میں ہوں ہی نہیں۔''

''اوہ...... آئی ایم سوری، مگر تم نے مجھے کب مخاطب کیا؟'' اب کی بار ہانیہ با قاعدہ قلم روک کر میری جانب متوجہ ہوئی۔

''اوہو...... تو مجھے بات یوں شروع کرنا چاہیے تھی کہ ملکہ عالیہ اگر جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں، پھر محترمہ ارشاد فرمائیں، کہو فریادی...... میں ہمہ تن گوش ہوں، رہنے دو...... میں تم سے نہیں...... ان دیواروں سے مخاطب تھی۔''

مجھے ہانیہ کی انتہا درجے کی بے توجہی پر اور غصہ آیا تو میری جھنجلاہٹ بھی اور بڑھ گئی مگر ہانیہ ہنسنے لگی۔

''چلو نا اب معاف بھی کر دو، اچھا یہ بتاؤ، چائے پیو گی، تمہارے لئے ضروری بھی ہے، ان فیکٹ مجھے بھی سخت ضرورت محسوس ہو رہی ہیں، منگوا ہی لیتے ہیں۔'' اس نے کنپٹیاں دباتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

''جو مرضی کرو۔'' میرا موڈ ابھی تک آف تھا۔

مگر وہ میری عادت سے بخوبی واقف تھی، چائے پی کر میرا موڈ واقعی بحال ہو جاتا تھا، اس لئے وہ انٹر کام اٹھا کر چپراسی کو چائے کا آرڈر دینے لگی اور میں نے پٹخی ہوئی فائل میں سر دے دیا۔

☆☆☆

میں یعنی اریبہ مسعود اور ہانیہ وسیم ایک ہی آفس میں کام کرتے تھے، یہ ایک کوکنگ میگزین کا آفس تھا، جہاں میں بطور ایڈیٹر اور ہانیہ بطور اسسٹنٹ ایڈیٹر جاب کر رہی تھی، ہم دونوں کا کمرہ مشترک تھا، میں نے میگزین دو سال قبل جوائن کیا تھا، پھر اسسٹنٹ ایڈیٹر کی پوسٹ پر کام کرنے والی لڑکی کی شادی ہو گئی تو چھ ماہ قبل ہانیہ نے آفس جوائن کر لیا، وہ عادت کی اچھی تھی اور ہماری عمروں میں بھی کوئی خاص فرق نہ تھا تو جلد ذہنی ہم آہنگی بھی ہو گئی، میں نے شادی کے پانچ سال بعد دوبارہ کام شروع کیا تھا، مگر میری تعلیمی قابلیت اور پچھلے وسیع تجربے کے باعث مجھے اس پوسٹ کے لئے اپائمنٹ کیا گیا تھا، ہانیہ سمپل گریجویٹ تھی اور خاص تجربہ بھی نہ تھا، سو وہ اسسٹنٹ ایڈیٹر کی سیٹ کے لئے چنی گئی تھی،

شادی کے بعد کام کرنے کا سبب میری ذاتی خواہش کے علاوہ بڑھتی ہوئی مہنگائی بھی تھی، دونوں بچوں کے اسکولوں میں داخلے کے بعد میں نے جاب کا فیصلہ کیا تو مسعود نے صرف اتنا اعتراض کیا۔

''دیکھ لو اریبہ، بچے اسکول ضرور جانے لگے ہیں، مگر میں ابھی چھوٹے، آفس کے ٹائمنگ زیادہ ہوتے ہیں، ماسیاں ماں کا نعم البدل نہیں ہوتیں اور امی کے گھر چھوڑنے اور لینے جانے کے سفر میں تم اور بچے دونوں ہی تھک جاؤ گے،

پھر تھکی ہاری آ کر تم گھر اور بچے دونوں کو ہینڈل کر پاؤ گی؟"

"ہاں اور کرنا بھی پڑے گا، میں اپنے آپ کو ضائع نہیں کرنا چاہتی، پھر چار پیسے گھر میں آئیں گے تو برا کیا ہے، کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا تو پڑتا ہی ہے۔" میرے اس جواب کے بعد مسعود نے خاموشی اختیار کر لی، مگر اس کا اندازہ بالکل صحیح نکلا تھا، میں سال بھر میں ہی تھکنے لگی تھی، آفس کی اعصاب شکن ذمہ داریوں کے بعد، ٹریفک کے بے ہنگم شور سے نمٹ کر گھر پہنچ کر گھر کے کام، کھانا پکانے سے دن کی ہوم ورک اور دیگر چھوٹے موٹے کام نمٹانا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا، ان مراحل سے نپٹ کر میں بستر پر جاتے ہی یوں بے دم ہو کر پڑتی کہ مسعود سے حال احوال بھی دریافت نہ کر پاتی، شروع میں وہ کوئی بات کرتے بھی تو میری ہوں ہاں سے ٹپکتی بیزاری نے انہیں مزید خاموش کر دیا۔

چھٹی کا دن بھی کپڑوں کا ڈھیر دھوتے اور استریاں کرتے گزر جاتا، شام کو کوئی عزیز آ جاتا یا ہم کہیں تفریح کو نکل جاتے اور اگلے دن سے پھر وہی روتا دھوتا روٹین، میں گو کہ عاجز آ چکی تھی مگر اپنا یہ کمزور پہلو میں نے اپنے شوہر نامدار سے چھپا کر رکھا تھا، آخر میری بھی کوئی عزت نفس تھی، اگر میں سب چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ جاتی تو اس نے یہی کہنا تھا۔

"دیکھا میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا، تم نہیں کر سکو گی اور مجھے کسی طور یہ جملہ سننا گوارا نہیں تھا، کیونکہ میں اپنی ہار تسلیم نہیں کر سکتی تھی۔"

وقت بھاگ رہا تھا اور میں اس کے پیچھے بھاگ بھاگ کر ہلکان ہو رہی تھی، میری تھکن اور چڑچڑے پن کا اضافہ ہو رہا تھا، بچے بھی عدم توجہ کے باعث چڑچڑے ہو رہے تھے، اس بات کو لے کر مسعود اکثر مجھ سے الجھنے لگتے تھے۔

"تم نے بہت جلدی مچائی ہے، ذمہ داریوں سے بھاگنے میں اور اپنی آزاد زندگی انجوائے کرنے کے لئے، ماسی اور آیا ماں کا نعم البدل نہیں ہوتی، بچوں کی صحت دن بہ دن گرتی جا رہی ہے، تمہیں معلوم بھی تھا کہ نروا اور عاشر تمہارے ہاتھ سے کھانا کھانے کے عادی ہیں، ابھی تو وہ اسکول کے ماحول میں بھی ایڈجسٹ نہیں ہوئے تھے اور تم نے انہیں گھر کی جانب سے بھی عدم تحفظ کا شکار کر دیا۔"

"توبہ ہے مسعود، آپ تو یوں مجھے سناتے ہیں گویا میں ان کی ماں نہیں دشمن ہوں اور ان کے بڑے ہونے پر نوکری میرے انتظار میں نہیں بیٹھی رہتی کہ میں اتنا اچھا چانس گنوا دیتی ہے، یہ پیسہ ان کے ہی کام آئے گا اور میں ابھی بھی اپنی تمام ذمہ داریاں پوری کر رہی ہوں، گھر آ کر پلنگ نہیں توڑتی، کام میں ہی جتی رہتی ہوں۔" میں مسعود کو لاجواب کرنے کی کوشش کرتی۔

"ارے یہ، پیسہ نہیں تربیت کام آتی ہے اولاد کے اور ایسا ہمیں کون سے معاشی مسائل کا سامنا ہے جو تم پیسہ پیسہ کا راگ الاپتی رہتی ہو، گھر آ کر کام کرتی ہو تو اپنے حصے کا کرتی ہو، تمہارا فرض ہے مگر بچوں کے لئے تمہارے پاس بالکل وقت نہیں، مگر تم جیسی عورتیں جو اپنی من مانی کرنے کی عادی ہوتی ہیں، کبھی دوسروں کے احساسات نہیں سمجھ سکتیں۔" مسعود غصے سے پیر پٹختے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے اور میں نے ٹی وی کا والیم بڑھا دیا۔

☆☆☆

میرے اور مسعود کے اس طرح کے جھگڑے بھی اب زور پکڑنے لگے تھے، بات چھوٹی سی ہوتی اور پھر طول پکڑتی جاتی، بچے اور

سہنے لگے، بسا اوقات تو یہ چپقلش بے وجہہ ہی شروع ہو جاتی جبکہ اب ہم دونوں ہی ایک دوسرے سے بات کرنے سے کترانے لگے تھے، مگر پھر بھی کوئی نہ کوئی شوشا چھوٹ ہی جاتا ہے، جیسے اس دن میں ٹریفک کے اژدہام سے لڑتی مرتی گھر پہنچی تو بچے میرے تھکے ہارے وجود سے لپٹ گئے، میرے اعصاب تن گئے اور میں نہ چاہتے ہوئے بھی پھٹ پڑی۔

''چھوڑو مجھے، ابھی سانس لیا کہ جونکوں کی طرح چمٹ گئے میری جان کو۔'' میری پھنکارتی ہوئی آواز پر فروا روتی ہوئی اندر بھاگی تو لاؤنج سے ملحقہ کچن میں کھانا گرم کرتے ہوئے مسعود نے پرواہ کیے بغیر کہ میں تھکی ہاری ہوں، میرے خوب لتے لئے۔

''ارے بیگم، ہوش کے ناخن لو، کیسی ماں ہو تم، اولاد کو جونک کہہ رہی ہو، ارے اولاد ماں باپ کے جسم میں گردش کرنے والا لہو ہے، مگر ایک بات کان کھول کر سن لو، میرے بچوں کو تم اپنی فضول نوکری کی وجہہ سے نظر انداز کرو میں بے بالکل برداشت نہیں کروں گا، نہیں ہوتی نوکری تو گھر بیٹھو۔'' مسعود کے آخری جملے نے میری انا کو للکارا تو میں سسک اٹھی۔

''ہاں نوکری کرتی ہوں، محنت کرتی ہوں میں، مگر ذرا جو کسی کو احساس ہو، پرواہ ہو۔'' میں بکتی جھکتی، رخساروں میں آئے ان چاہے آنسو صاف کرنے لگی۔

''بچے تو بچے باپ کو بھی احساس نہیں، کہ چلو بچوں کو سمجھادیں کہ ماں تھکی ہاری آئی ہے، وہ بھی انسان ہے اسے بھی آرام چاہیے، مگر یہاں تو سکون چین کا ایک لمحہ نہیں، چھٹی کے نام پر ایک اتوار آتا ہے تو وہ بھی تورمے بریانی کی فرمائشیں پوری کرنے میں گزر جاتا ہے، شوہر سیدھے منہ

بات کرنا پسند نہیں کرتا۔'' شدید ذہنی اور جسمانی تھکن کے زیر اثر بالآخر میری ہچکیاں بندھ گئیں تو مسعود پانی کا گلاس لا کر میرے پاس بیٹھ گئے۔

''اچھا چلو ناں، موڈ ٹھیک کرلو پلیز، تمہیں پتہ ہے مجھ سے فروا کے آنسو نہیں دیکھے جاتے، بچے بہت چھوٹے ہیں، آج تمہیں دیر ہوگئی تو بہت مس بھی کر رہے تھے تمہیں، تم تھک جاتی ہو تو تمہارے آرام کی خاطر ہی تو کہا کہ رہنے دو یہ نوکری، مگر وہ بھی تم نہیں مانتیں، چلو ایسا کرو، چھٹیاں لے لو، کہیں گھوم کر آتے ہیں، کیا خیال ہے؟'' مسعود نے میرے ٹھوڑی پکڑ کر پوچھا تو میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''شکر ہے تم نے یہ بات تو مانی، اچھا چلو ایسا کرو، فریش ہو کر آؤ، کھانا گرم ہوگیا ہے اور ہاں بچوں کو دیکھ لو یار پلیز۔'' مسعود نے اٹھتے ہوئے کہا تو میں بچوں کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

مسعود کا آئیڈیا بالکل پرفیکٹ رہا، صرف ایک ہفتہ مری اور ایبٹ آباد کے پرفضا مقامات پر گزارنے کے بعد میرا ذہن تروتازہ ہوگیا، مزاج اور موڈ بھی خوشگوار ہوگیا، بچے بھی ہمارے ساتھ پورا وقت گزارنے کی وجہ سے بہت خوش تھے، ہم چھٹیاں ختم ہونے سے ایک دن قبل ہی ہم واپس لوٹ آئے، میں نے تمام چیزیں سمیٹیں اور اگلے دن کی تیاریاں کر کے بچوں کو سلا کر خود بھی بیڈ پر آ لیٹی، مسعود جو کسی میگزین کا مطالعہ کر رہے تھے، مجھے دیکھ کر میگزین بند کر سائیڈ لیمپ آف کر کے میری طرف رخ کر کے لیٹ گئے۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟'' مسعود کی نظریں خود پر مسلسل مرکوز پا کر میں نے مسکراتے ہوئے دھیمے سے کہا تو انہوں نے اپنا چہرہ اپنی

ہتھیلی پر رکھا اور کہنی کا سہارا لے کر مجھے دیکھتے ہوئے بولے۔

''موسم اور ماحول کی تبدیلی نے تمہارے موڈ کے ساتھ تمہارے چہرے پر بھی خاصا خوشگوار اثر ڈالا ہے، بہت کھلی کھلی لگ رہی ہو۔''

''آہم......تو جناب کا رومانس کا موڈ ہو رہا ہے۔'' میں نے شرارت سے آنکھیں جھپکائیں تو مسعود نے میری پیشانی چوم لی۔

''جی کتنے دنوں بعد وہی پہلے والی شوخ اریبہ نظر آئی ہے اس لئے پیار آ رہا ہے، سنو چھوڑو یہ جاب واب، بس مجھے دیکھو مجھے چاہو۔'' مسعود ترنگ میں گنگنائے مگر میرا موڈ پھر بگڑنے لگا۔

''آپ میری جاب کے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہیں، مسعود میری اپنی بھی تو کوئی پسند اور مرضی ہے نا۔''

''اریبہ یار میں تو بس تمہاری خاطر......؟'' مسعود میرا بدلتا رنگ دیکھ کر بس اتنا ہی کہہ پائے۔

''اچھا بس، اب سو جائیں، میں تھک گئی ہوں اور کل جلدی اٹھنا ہے۔'' میں نے کروٹ بدل لی یہ دیکھے بغیر کہ مسعود کی سرد آہ ان کا موڈ بھی بگاڑ چکی تھی۔

☆☆☆

چھٹیوں کے بعد آفس جوائن کیا تو پتہ چلا کہ باس نے سالگرہ نمبر کی ارجنٹ تیاری کا حکم جاری کیا ہوا۔

''شکر ہے تم آ گئیں، میگزین کے صفحات بھی زیادہ ہوں گے اور میں نے تو جتنی ریسپر نکالیں، باس کو پسند ہی نہیں، کسی کا میچ انہیں پسند نہیں تو کسی نام اور کسی کی ترکیب۔'' ہانیہ نے آتے ہی مجھے تفصیل بتائی۔

''یار بات ہے کہ کوکنگ چینلز آنے کی وجہ سے لوگوں میں کافی شعور آ گیا ہے اور مقابلہ ٹف ہو گیا، اب کچھ نئی ریسپیز جمع کرنی ہوں گی اور شوٹ بھی کروانی ہوں گی، میں باس سے بات کرتی ہوں کیونکہ اگست میں سعادت صاحب کا کوکنگ میگزین بھی نکلتا ہے تو مقابلہ اور ٹف ہو گا، بہت محنت کرنی ہو گی، میں ابھی کال کر کے سر سے میٹنگ کا ٹائم لیتی ہوں، تم آرٹیکلز کے لئے کچھ ٹاپک نکال لو تاکہ وہ بھی ابھی فائنل ہو جائیں۔'' میں نے انٹرکام کا ریسور اٹھاتے ہوئے کہا تو ہانیہ نے کمپیوٹر اسکرین کی طرف رخ کر لیا۔

میٹنگ میں ٹاپکس فائنل ہونے کے بعد میں نے اور ہانیہ نے دیگر اسٹاف کے ساتھ مل کر بیس دن کے شارٹ نوٹس پر میگزین مکمل کر لیا، ایک ہفتے بعد میگزین مارکیٹ میں آیا، ریکارڈ سیل ہوئی، خوب داد و تحسین کے فون آئے، ہم سب ہی بہت خوش تھے، سب نے پلان کیا، کہ ویک اینڈ پر کہیں باہر کمبائن لنچ کریں گے، جب تک سیلری بھی مل جائے گی، مگر ہانیہ نے ہم سب کا موڈ آف کر دیا۔

''کیوں؟ کیا ہوا؟'' میں نے اور دیگر اسٹاف نے سوالات کی بوچھاڑ کر دی، وہ بہت ٹیلنٹڈ اور محنتی لڑکی تھی، سادہ طبیعت اور اپنے کام سے کام رکھنے والی، ہم سب کو ہی افسوس ہو رہا تھا اور میں تو اس سے خفا ہی ہو گئی۔

''بہت گھنی ہو تم، ہمیشہ کی طرح چپ چاپ اسٹیپ لے لیا، کچھ بتایا بھی نہیں، اتنی اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی تھی تم سے، جانے اب کون آئے۔'' میں ہمیشہ کی طرح بولے جا رہی تھی اور وہ بس یونہی چپ چاپ سنے جا رہی تھی۔

''بس کچھ پرسنل ایشوز ہیں، دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔'' اس نے میرے گلے لگتے ہوئے کہا

ویک اینڈ پر مسعود گھر پر ہوتے تھے، اس لئے اس چیز کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں بچوں کو ان کے پاس چھوڑ کر شاپنگ کے لئے نکل گئی، کافی دن سے ڈھنگ سے شاپنگ نہیں کی تھی، سوچا بچوں اور اپنے لئے کپڑے لے لوں گی اور کچھ جیولری وغیرہ بھی دیکھ لوں گی، کھانا بنا کر بارہ بجے میں گھر سے نکل گئی کیونکہ کراچی میں سارے بازار لیٹ ہی کھلتے ہیں، زینب مارکیٹ پہنچ کر سب سے پہلے بچوں کے دو دو سوٹ لئے، پھر اپنے لئے سوٹ دیکھنے کے لئے ایک دوکان میں داخل ہی ہوئی تو یکدم بھگدڑ مچ گئی۔

پتہ چلا کسی تنظیم کے اعلیٰ عہدیدار کو قتل کر دیا گیا ہے تو تنظیم کے کارکن دکانیں، اور ٹرانسپورٹ بند کر رہے ہیں، میں گھبرا گئی،

مجھے یاد آیا کہ ہانیہ کا گھر بزنس روڈ پر ہی ہے، میں نے مسعود سے کہا کہ آپ کو وہاں پہنچ کر ایڈریس تفصیل سے بتا دوں گی، آپ وہیں آ جائیں، پھر جلدی سے ایک رکشہ پکڑ کر منہ مانگا کرایہ دینے کی حامی بھر کے رکشے میں بیٹھ گئی، ڈائری سے دیکھ کر رکشے والے کو ایڈریس بتایا تو اس نے مارکیٹ کے پیچھے بنی تنگ گلیوں کے ایک پرانے طرز کے بنے مکان کے سامنے رکشہ روک دیا، میں نے دروازہ بجایا تو کوئی پانچ سالہ بچی آئی اور میرے پوچھنے پر اس نے تصدیق کر دی کہ یہی ہانیہ صادق کا گھر ہے، رکشے والے کو کرایہ دے کر میں بچی کے پیچھے گھر میں داخل ہوئی، صحن میں رسیوں پر کپڑے دھلے پڑے تھے، کچا پکا صحن گھر کی حالت خود بیان کر رہا تھا، اس نے مجھے ایک کمرے میں لا کر بٹھا دیا، جہاں ایک صوفہ اور ایک بیڈ رکھا تھا، جس پر چادر اوڑھے غالباً کوئی بچہ سی سو رہا تھا۔

''اریبہ تم......؟'' ہانیہ مجھے اچانک دیکھ کر ٹھٹکی اور میں اس کے بدرنگ کپڑے اور ملگجا حلیہ دیکھ کے۔

''ہاں بس وہ حالات ایکدم خراب ہو گئے تو ٹرانسپورٹ بند ہونے لگا، یاد آیا تمہارا گھر قریب ہے، مسعود آ رہے ہیں لینے۔'' میں نے پہلی بار مختصر جواب دیا۔

''اچھا کیا، تم بیٹھو، میں چائے لے آؤں۔'' وہ شاید جبراً مسکرائی تھی یا مجھے ایسا لگا، وہ اٹھ کر گئی تو چادر میں پڑے وجود نے کسما کر حرکت کی اور چادر ہٹا دی، وہ ایک بچہ ہی تھا مگر جس طرح وہ مجھے دیکھ رہا تھا، میری حیرت میں اضافہ ہو رہا تھا، اس نے کچھ کہا تو ہانیہ جیسے بھاگتی ہوئی کمرے سے واپس آ گئی۔

''جی ماں کی جان، اٹھ گیا میرا بیٹا، بھوک لگی ہے نا، کھانا کھاؤ گے، اچھا پہلے منہ ہاتھ دھوئیں گے۔'' اس نے بچے کے گالوں اور ماتھے کو بے تابی سے چوما۔

''ہاں بیٹا، یہ آنٹی ہے، چلو ہاتھ ملاؤ،

''کیا نام ہے بیٹا آپ کا؟''

''آنٹی اس کا نام حارث ہے، حارث کو بولنا نہیں آتا، دیکھیں میں تو اس سے چھوٹی ہوں، مجھے بولنا آتا ہے، پر بھائی کو ابھی تک بولنا نہیں آیا۔'' وہ پانچ سالہ بچی پھر کمرے میں آ گئی۔

''ندا بیٹا آپ باہر کھیلو۔'' بچی باہر چلی گئی تو ہانیہ نے گویا میری آنکھوں میں موجود سوال پڑھ لئے۔

''حارث از اے اسپیشل چائلڈ۔'' ہانیہ کے لہجے میں بے پناہ دکھ تھا۔

''ہانیہ تم نے کبھی ذکر نہیں کیا...... اور میں بس...... تم اسے چھوڑ کر کیسے آتی تھیں جاب پر، آئی مین، اس کی دیکھ بھال کون کرتا ہو گا۔''

''میری ساس کرتی تھیں، پورے گھر کی

بچوں کی، دیکھ بھال، ان کو بڑے بیٹے نے پنجاب اپنے پاس بلا لیا تو مجھے جاب چھوڑنا پڑی۔''

''اور تمہارا شوہر۔'' میرے سوال پر وہ بولی۔

''ہاں صادق کا تین سال پہلے ایکسیڈنٹ میں ایک ہاتھ کٹ گیا تھا تو...... میں نے ان کا ہاتھ بننے کی کوشش میں ہی گھر سے قدم نکالے تھے، ورنہ صادق تو مجھے اس قدر چاہتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ میرا بس چلے تو تمہیں پیر زمین پر نہ رکھنے دوں۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''اوہ میرے مالک، ہانیہ بہت بہادر ہو تم، مگر تم نے کبھی کچھ شیئر نہیں کیا، کیسے کرتی رہیں یہ دکھ برداشت۔'' میں نے اس کے ہاتھ تھام لئے۔

''نہیں اریبہ یہ دکھ نہیں یہ تو بس، میرے مالک کی آزمائش ہیں، بس تم ایک دعا کرنا میرے لئے، میرا بیٹا مجھے ایک بار صرف ایک بار، پوری زندگی میں صرف ایک بار، مجھے ماں کہہ کر بلا لے۔'' وہ سسک پڑی، آج وہ کہہ رہی تھی اور میرے پاس کہنے کو کچھ بھی نہیں تھی، آج وہ بول رہی تھی اور میں سن رہی تھی، اس کا کرب محسوس کر کے گویا میرے دل و دماغ سن ہو رہے تھے، یکدم ہارن کی آواز آئی، بچی پھر دوڑتی ہوئی اندر آئی۔

''آنٹی انکل کہہ رہیں ہیں، جلدی چلیں، باہر حالات خراب ہیں۔''

''مسعود آ گئے ہانیہ میں پھر آؤں گی۔'' میں نے اسے گلے لگایا اور بچوں کو پیار کر کے۔

''شکر ہے مالک، تم ٹھیک ہونا، کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی۔'' مسعود نے مجھے دیکھتے ہی کہا تو میں ان کے سینے سے لگ کر سسک پڑی۔

''ارے کیا ہوا؟'' وہ گھبرا گئے۔

''کچھ نہیں، بس آپ جلدی گھر چلیں، مجھے بچے اور اپنا گھر بہت یاد آ رہے ہیں۔''

''او کے چلتے ہیں یار، بس اب میں آ گیا ہوں نا تم ریلیکس ہو جاؤ۔'' مسعود نے ٹشو میری طرف بڑھا کر گاڑی اسٹارٹ کر دی تو میں اپنے آنسو پونچھتے ہوئے باہر دیکھنے لگی، چاروں طرف خاموشی کا راج تھا مگر میرے اندر بہت شور تھا، کوئی مجھ سے لڑ رہا تھا۔

''یہ کیا کر رہی تھیں تم؟ اس من کی مان رہی تھیں، جس نے تمہیں بے کل کر دیا ہے؟ مسعود سے لڑ رہی تھیں، اپنے شوہر سے، جو تم سے پیار کرتا ہے، محبت کرتا ہے، کسے دھتکار دیتیں تھیں، کس سے بھاگ رہی تھیں، تمہیں ماں، مما کہنے والے جگر گوشوں سے، ناشکری کہیں کی۔'' میرا ضمیر مجھ سے لڑ رہا تھا، مجھ پر آگہی کا مداوا ہو رہا تھا اور اسی لمحے میں نے فیصلہ کر لیا۔

''مسعود! میں جاب چھوڑ دونگی؟''

''واٹ؟'' مسعود نے گاڑی روک دی، گھر آ گیا تھا۔

''آئی مین، آر یو شیور۔'' انہوں نے بے یقینی سے میری جانب دیکھا۔

''جی۔'' میں نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

''آپ کے لئے، اپنے گھر اور اپنے بچوں کے لئے۔'' میں نے ایک جملے میں ہر چیز کا اظہار کر دیا۔

مسعود نے مسرور ہو کر میری پیشانی چوم ڈالی اور زندگی میں پہلی بار میرے اندر ڈھیروں سکون اتر گیا اور میں جیسے دین و دنیا میں سرخرو ہو گئی تھی۔

☆☆☆

تحریم محمود

فرمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

''تین چیزیں ایمان کی نشانی ہیں۔''
آہستہ بولو، نیچی نگاہ رکھنا، میانہ روی سے چلنا۔

''تین چیزوں کی دوستی مضر ہے۔''
نفس، بری صحبت، مال۔

''تین چیزیں محبت بڑھاتی ہیں۔''
سلام کرنا، دوسروں کے لئے جگہ دینا، دوسروں کو ہدیہ دینا۔

''آدمی کے تین دوست ہیں۔''
مال، رشتے دار، عمل صالح۔

سعدیہ جبار، ملتان

محبت کیا ہے

منصور حلاج کو قید میں جب اٹھارہ دن ہوئے تو شبلی نے جا کر دریافت کیا۔

''منصور محبت کیا ہے؟'' اس نے کہا کہ سوال کل پوچھنا، دوسرے دن اسے مقتل کی طرف لے جایا جا رہا تھا، کہ شبلی پہنچ گئے، اس نے اس سے کہا۔

''محبت کی ابتداء جلنا اور انتہا قتل ہو جانا۔''

آنسہ ممتاز، رحیم یار خان

محبت کا آدھا ذرہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک باغ سے گزرے، وہاں ایک نوجوان باغ کو پانی دے رہا تھا، اس نے آپ علیہ السلام سے کہا۔

''آپ اللہ سے عشق کا ایک ذرہ مجھے عطا کرا دیجئے۔'' انہوں نے فرمایا۔

''وہ بہت زیادہ ہے تم اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔'' نوجوان نے کہا۔

''اچھا آدھا ہی سہی۔'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی اور اللہ نے عطا کر دیا۔

آپ وہاں سے روانہ ہو گئے، ایک مدت کے بعد پھر وہاں آئے تو دیکھا کہ جوان غائب ہے، آپ نے دعا کی۔

''اے اللہ! اس نوجوان سے میری ملاقات کرا دے۔'' وہ نوجوان آیا اور آسمان کی طرف دیکھتا رہا، آپ کے سلام کا جواب نہ دیا، نہ گفتگو کی، مگر خاموش رہا، اس پر وحی الٰہی آئی۔

''اے عیسیٰ علیہ السلام! جس کے دل میں میری محبت کا آدھا ذرہ موجود ہو وہ لوگوں کو کیسے سنے گا، اگر اسے آری سے دو ٹکڑے بھی کر دیا جائے تو اسے کوئی تکلیف میرے عشق کے سبب محسوس ہی نہ ہو گی۔''

فریال امین، ٹوبہ ٹیک سنگھ

موت کے پیامبر

حضرت یعقوب علیہ السلام کا فرشتہ اجل سے گہرا یارانہ تھا، ایک دن ملک الموت آیا تو پوچھا۔

''کیسے آنا ہوا؟ ملاقات یا قبض روح؟'' عزرائیل نے کہا۔

''صرف ملاقات۔'' آپ علیہ السلام نے فرمایا۔

''مجھے آپ سے ایک خاص بات کہنی ہے۔'' ملک الموت نے کہا۔

''فرمائیے۔'' حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا۔

''جب میری موت قریب ہو تو روح قبض کرنے سے آنے سے پہلے قاصد بھیج دینا۔'' ملک الموت نے کہا۔

''ایسا ہی ہوگا۔''

''میں دو یا تین قاصد بھیج دوں گا۔'' جب حضرت یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت آیا تو ملک الموت آ موجود ہوا، حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا۔

''آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آمد سے قبل قاصد بھیج دوں گا۔'' عزرائیل نے کہا۔

''میں نے ایسا ہی تو کیا ہے، پہلے آپ کے سیاہ بال سفید ہوئے، یہ پہلا قاصد تھا، پھر بدن کی چستی و توانائی ختم ہوئی یہ میرا دوسرا قاصد تھا، بعد ازاں آپ کا بدن جھک گیا یہ میرا تیسرا قاصد تھا، کیا خیال ہے یہ میرے تین قاصد نہیں آئے۔''

نازیہ کمال، حیدر آباد

لفظ باتیں کریں

☆ وقت اور نصیب کسی لمحے بھی کسی کو زیر کر سکتا ہے، کسی کو بھی نہیں معلوم، اس کا اگلا شکار کون ہوگا۔

☆ جس پودے کی جڑیں جہاں ہوں وہیں رنگ دکھاتا ہے۔

☆ چاہت نہ ہو تو ایک ذرہ بھی گراں گزرتا ہے، اگر ہو تو ایک کوہ کا بوجھ بھی ندامت سے سہارا جاتا ہے۔

☆ جب آپ پہلا قدم اٹھا لیتے ہیں تہیہ کر لیتے ہیں تو پھر واپسی نہیں ہوتی، گھڑا بے شک کچا ہو پھر بھی پار جاتا ہے۔

☆ کوئی بھی شہر، قصبہ، بلندی، راستہ یا عورت ہر ملاقات پر ایک الگ شخصیت کی حامل ہوتی ہے آپ کی عمر، مطالعہ اور موسم ہر بار اسے ایک نئے رنگ میں دیکھتے ہیں۔

☆ موت ایک بہت بڑے صبر کی مالک ہے اور وہ کبھی بے صبری نہیں ہوتی۔

☆ وقت ہر تصویر کو بدل دیتا ہے، اس کے کونے مڑ جاتے ہیں اور رنگ بھورے ہونے لگتے ہیں، وقت ڈھلوان پہ لڑھکتی جیپ کی طرح اتنی تیزی سے گزرتا ہے کہ نظروں اور چہروں کے رنگ بدل جاتے ہیں۔

(مستنصر حسین تارڑ)

مریم رباب، خانیوال

آمریت

ایک بے روزگار نوجوان ایک ریاست کے نواب کے روبرو پیش ہوا اور سات بار جھک کر فرشی سلام کرنے کے بعد ملازمت کی درخواست پیش کی، نواب صاحب نے عرضی کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا پوچھتے ہو؟''

نوجوان نے ایک دفعہ پھر جھک کر سلام کیا اور کہا۔

''جہاں پناہ! بے کار ہوں، نوکری چاہتا ہوں۔''

''کتنا پڑھے ہوئے ہو۔'' پوچھا گیا۔

''حضور گریجویٹ ہوں۔''

''گریجویٹ کا بچہ!'' نواب صاحب اسے خشمگیں نگاہ سے دیکھتے ہوئے غرائے۔

''صاف صاف کہو، کتنی جماعتیں پاس ہو۔''

''حضور چودہ جماعتیں۔''

''اونہہ!'' نواب صاحب منہ بگاڑ کر بولے۔

''ساری عمر پڑھتے ہی رہے ہو۔'' پھر دیوان صاحب سے بولے۔

''اسے سول سرجن بنا دو۔''

''حضور پہلے والے سول سرجن کا کیا کیا جائے؟'' دیوان صاحب نے ادب سے پوچھا۔

''اسے سیشن جج بنا دو۔''

''اور حضور پہلے والے سیشن جج کو؟''

''اس کو دو سال کے لئے جیل بھیج دو۔''

اُم خدیجہ، شاہدرہ لاہور

واصف علی واصف کہتے ہیں

☆ اللہ کریم جب چاہے، جس وقت چاہے اور جہاں چاہے اس کا فضل نمودار ہو جائے، آپ اللہ کے فضل کا انتظار کرتے کرتے ہزار دفعہ مر جائیں اور کروڑ دفعہ زندہ ہو جائیں، پھر بھی اس کا فضل ایک وقت رکھتا ہے۔

☆ جب تک اندر سے صفات نہ بدلیں اس وقت تک ذکر آپ کو کچھ نہیں دے گا۔

ثناء حیدر، سرگودھا

حسن

محبت کو پالینا تو آسان ہے، لیکن اسے کسی معمولی سی بات پر کھو دینا اذیت ناک ہوتا ہے، یہ محبت کا بدصورت ترین انجام ہوتا ہے کہ کوشش کرنا کہ ہم محبت کے حسن کو قائم رکھیں۔

بہار

محبت کے سبز جزیرے میں
بہار صرف جدائی کے پھولوں سے آتی ہے
ملاپ کی کلیاں تو
کھلتے ہی مرجھا جاتی ہیں

درِ ثمن، میاں چنوں

تحفہ

مشہور مصنفہ اگاتھا کرسٹی نے ایک بار اخباری نمائندوں کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

''میری شادی کے دو سال بعد تک میری ایک عزیز از جان سہیلی نے مجھے شادی کا تحفہ نہیں دیا، دو سال بعد جب وہ تحفہ لے کر آئی تو اس نے دیر سے تحفہ دینے کی وجہ یہ بتائی۔''

''میں تحفہ دینے سے پہلے یہ یقین کر لینا چاہتی تھی کہ تمہاری شادی باقی رہے گی۔''

آسیہ وحید، لاہور

اے رنج بھری شام

دہلیز سماعت پہ کسی وعدے کی آہٹ
اترے کہ نہ اترے
ارے رنج بھری شام
ڈھلتے ہوئے دل پر
کوئی آہستہ سے آ کر
اک حرف تسلی تو رکھے پھول کی مانند!
(پروین شاکر)

جویریہ ناصر، گلبرگ لاہور

لفظوں کی گہرائیاں

☆ دل کی طرح سخت اور اس کی طرح ملائم دنیا میں کوئی چیز نہیں۔ (زہادی)

☆ دل سمندر کی طرح ہے، بظاہر خاموش، مگر گہرائیوں میں طوفان موجزن ہیں۔ (ارسطو)

☆ ایسا دماغ جس کی پرواز پرندے کی پرواز سے زائد نہ ہو، میں اسے چھوٹا اور حقیر دماغ کہوں گا۔ (شیکسپیئر)

☆ اس خوشی سے دور رہو جو کل غم کا کانٹا بن کر دکھ دے۔ (خلیل جبران)

☆ انسان کے لئے بہترین مطالعہ انسانوں کے چہروں کا مطالعہ ہے۔ (بالسمورتھ)

☆☆☆

''ساری عمر پڑھتے ہی رہے ہو۔'' پھر دیوان صاحب سے بولے۔

''اسے سول سرجن بنا دو۔''

''حضور پہلے والے سول سرجن کا کیا کیا جائے؟'' دیوان صاحب نے ادب سے پوچھا۔

''اسے سیشن جج بنا دو۔''

''اور حضور پہلے والے سیشن جج کو؟''

''اس کو دو سال کے لئے جیل بھیج دو۔''

اُم خدیجہ، شاہدرہ لاہور

واصف علی واصف کہتے ہیں

☆ اللہ کریم جب چاہے، جس وقت چاہے اور جہاں چاہے اس کا فضل نمودار ہو جائے، آپ اللہ کے فضل کا انتظار کرتے کرتے ہزار دفعہ مر جائیں اور کروڑ دفعہ زندہ ہو جائیں، پھر بھی اس کا فضل ایک وقت رکھتا ہے۔

☆ جب تک اندر سے صفات نہ بدلیں اس وقت تک ذکر آپ کو کچھ نہیں دے گا۔

ثناء حیدر، سرگودھا

حسن

محبت کو پا لینا تو آسان ہے، لیکن اسے کسی معمولی سی بات پر کھو دینا اذیت ناک ہوتا ہے، یہ محبت کا بدصورت ترین انجام ہوتا ہے کہ کوشش کرنا کہ ہم محبت کے حسن کو قائم رکھیں۔

بہار

محبت کے سبز جزیرے میں
بہار صرف جدائی کے پھولوں سے آتی ہے
ملاپ کی کلیاں تو
کھلتے ہی مرجھا جاتی ہیں

در ثمن، میاں چنوں

تحفہ

مشہور مصنفہ اگاتھا کرسٹی نے ایک بار اخباری نمائندوں کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

''میری شادی کے دو سال بعد تک میری ایک عزیز از جان سہیلی نے مجھے شادی کا تحفہ نہیں دیا، دو سال بعد جب وہ تحفہ لے کر آئی تو اس نے دیر سے تحفہ دینے کی وجہ یہ بتائی۔''

''میں تحفہ دینے سے پہلے یہ یقین کر لینا چاہتی تھی کہ تمہاری شادی باقی رہے گی۔''

آسیہ وحید، لاہور

اے رنج بھری شام

دہلیز سماعت پہ کسی وعدے کی آہٹ
اترے کہ نہ اترے
اے رنج بھری شام
ڈھلتے ہوئے دل پر
کوئی آہستہ سے آ کر
اک حرف تسلی تو رکھے پھول کی مانند!

(پروین شاکر)

جویریہ ناصر، گلبرگ لاہور

لفظوں کی گہرائیاں

☆ دل کی طرح سخت اور اس کی طرح ملائم دنیا میں کوئی چیز نہیں۔ (زہادی)

☆ دل سمندر کی طرح ہے، بظاہر خاموش، مگر گہرائیوں میں طوفان موجزن ہیں۔ (ارسطو)

☆ ایسا دماغ جس کی پرواز پرندے کی پرواز سے زائد نہ ہو، میں اسے چھوٹا اور حقیر دماغ کہوں گا۔ (شیکسپیئر)

☆ اس خوشی سے دور رہو جو کل غم کا کانٹا بن کر دکھ دے۔ (خلیل جبران)

☆ انسان کے لئے بہترین مطالعہ انسانوں کے چہروں کا مطالعہ ہے۔ (بالسمورتھ)

☆☆☆

ہمارائے ---- کراچی

کہاں ہے تو کہ ترے انتظار میں اے دوست
تمام رات سلگتے ہیں دل کے ویرانے

....

یہ دل کی راہ میں اڑتا غبار کس کا ہے
وہ جا چکا ہے تو پھر انتظار کس کا ہے
نہیں وہ اپنا مگر اس کی راہ بھی دیکھوں
دل و نظر پہ بھلا اختیار کس کا ہے

....

قبل اس کے کہ ہو فیصلہ خیر و شر
جینے کا ثبوت دے زمانے کو بشر
بے حس کردار سے نیک ہے موت بھلی
نامراد اخلاق سے جرائم بہتر

نبیہ آصف ---- قصور

ایک ایک یاد عمر کا حاصل کہیں جسے
وہ خلوت خیال کہ محفل کہیں جسے
ملتی ہو تو خرید دو عالم کو بیچ کر
وہ کائنات درد نہاں دل کہیں جسے

....

نہ جانے کتنے ستارے یہ کہہ کے ڈوب گئے
سحر کا رنگ پریشاں ہے دیکھیے کیا ہو
کلی اداس چمن سوگوار گل خاموش
یہ انتظار بہاراں ہے دیکھیے کیا ہو

....

فنا کے زمزمے رنج و محن کے افسانے
یہی ملے ہیں نئی زندگی کو نذرانے
تیری نگاہ کی جنبش میں اب بھی شامل ہیں
میری حیات کے کچھ مختصر سے افسانے

ثمینہ رفیق ---- کورنگی کراچی

کسی سے ہاتھ کسی سے نظر ملاتے ہوئے
میں بجھ رہی ہوں روا داریاں نبھاتے ہوئے
عجیب خوف ہے اندر کی خاموشی کا مجھے
کہ راستوں سے گزرتی ہوں گنگناتے ہوئے

....

جسے میں دیکھتی ہوں آئینے میں
وہ میرا عکس ہے چہرہ نہیں ہے
میں رستہ ہوں کسی منزل کا ایسا
کسی نے آج تک جسے ڈھونڈا نہیں ہے

....

مجھے کسی سے محبت نہیں کسی کے سوا
میں ہر کسی سے محبت کروں کسی کے لئے

رمشہ ظفر ---- بہاولپور

خاک اڑتی ہے رات بھر مجھ میں
کون پھرتا ہے در بدر مجھ میں
مجھ کو مجھ میں جگہ نہیں ملتی
تو ہے موجود اس قدر مجھ میں

....

چپ گلیاں بند دروازے آدھی رات اور میں
سرد ہیں جھونکے لمبا رستہ آدھی رات اور میں
پیچھے ساتھ گزارنے والے موسم کی صدائیں
سامنے ہے ایک درد کا صحرا آدھی رات اور میں

....

کس طرح لوگ چلے جاتے ہیں اٹھ کر چپ چاپ
ہم تو یہ دھیان میں لاتے ہوئے مر جاتے ہیں

ان کے بھی قتل کا الزام ہمارے سر ہے
جو ہمیں زہر پلاتے ہوئے مر جاتے ہیں
عاصمہ سرور ---- وہاڑی

طوفان ہے تو کیا غم آپ آواز تو دیجئے
کیا بھول گئے میرے کچے گھڑے وہ

....

رکے تو چاند چلے تو ہواؤں جیسا ہے
وہ شخص دھوپ میں دیکھو تو چھاؤں جیسا ہے

....

عکس دھوکا دے رہے ہیں اب سر محفل ہمیں
آئینوں میں اب یہاں پر آنکھ ہونا چاہیے
رابعہ ارشد ---- فیصل آباد

ہوس کی چہرہ دستی کا نشانہ بن گئی ہے
میری دنیا سمٹ کر ایک قریہ بن گئی ہے

....

ہمیں جو رزق دیا اس میں وسعتیں لکھ دیں
مگر حصول میں صحرا کی شدتیں لکھ دیں
میرے نصیب کے خانے میں لوٹنا لکھ کر
پھر اس کے ساتھ کے خانے میں مدتیں لکھ دیں

....

رات اک ٹوٹے ہوئے چاند کو گھر لایا تھا
جوڑنے بیٹھا تو خورشید نکل آیا تھا
مسرت مصباح ---- لاڑکانہ

تم بھلا کیا نئی منزل کی بشارت دو گے
تم تو رستہ نہیں دیتے ہمیں چلنے کے لئے

....

چھوڑو عہد وفا کی باتیں کیوں جھوٹے اقرار کریں
کل میں بھی شرمندہ ہوں گا، کل تم بھی پچھتاؤ گے

....

جتنے بھی مراسم تھے تیری ذات سے پہلے
سب ٹوٹ گئے ڈھلتی ہوئی رات سے پہلے
وہ میرا پتا مانگے تو اتنا ہی بتانا

اک جھونپڑی آتی ہے مکانات سے پہلے
سعدیہ جبار ---- ملتان

ایک دنیا کا قصیدہ تھا گرچہ میرے نام
لطف آتا تھا ایک شخص کی فہمائش میں

....

رہتا ہے شوق اس سے ملاقات کا مجھے
کچھ میرے انتظار کی عادت اسے بھی ہے

....

مانا کہ یہ فریب ہے وعدہ ترا مگر
کرتے ہیں انتظار بڑے اعتبار سے
آنسہ ممتاز ---- رحیم یار خان

آنکھوں نے جس کو یاد کیا اور رو پڑیں
وہ چہرہ دیکھتا تھا مجھے آنسوؤں کے بیچ
عادل اب ایک شہر میں رہ کر نہ مل سکیں
سمٹی تھیں قربتیں بھی کبھی فاصلوں کے بیچ

....

جب آفتاب محبت غروب ہونے کو تھا
تو اک شخص بڑے پیار سے بلانے لگا

....

منیر جنہیں اپنے دوستوں کی دید ہوتی ہے
سچ پوچھو تو ان ہی کی عید ہوتی ہے
فریال امین ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

کسی پہ ترک تعلق کا بھید کھل نہ سکا
تیری نگاہ سے ہم یوں اتر گئے چپ چاپ
ہماری جان پہ بھاری تھا غم کا افسانہ
سنی نہ بات کسی نے تو مر گئے چپ چاپ

....

فطرتاً دل کا تقاضہ ہے کہ تو ساتھ رہے
لیکن اے دوست یہ دنیا کو گوارا تو نہیں

....

کچے گھڑے نے جیت لی ندی چڑھی ہوئی
مضبوط کشتیوں کو کنارا نہ مل سکا

نازیہ کمال ---- حیدر آباد

کہاں سے لائیے دل اہتمام کرنے کو
خموشی چاہیے اس سے کلام کرنے کو
بہت ہجوم سہی تیرے آس پاس مگر
کھڑے ہیں گوشے میں ہم بھی سلام کرنے کو

....

تہمتیں مجھ پہ آتی رہیں ہیں کئی ایک سے ایک نئی
خوبصورت مگر جو ایک الزام تھا وہ تیرا نام تھا
دوست جتنے تھے آشنا ہو گئے پارسا ہو گئے
ساتھ میرے رسوا جو سر عام تھا وہ تیرا نام تھا

....

اک اور برس بیت گیا اشک رواں کے ساتھ
اب کے برس خدا کرے کوئی خوشی ملے

مریم رباب ---- خانیوال

گو کہ تم بہت دور بس رہے ہو مگر
ان ہواؤں پہ اعتبار کر لینا
نئے سال کی ابتدا ہے جان جاناں
تھوڑی دیر ہم کو بھی یاد کر لینا

....

نیا سفر ہے نئی منزلیں نئے حالات
نہ ڈھونڈ گزرے ہوئے کارواں کے نقش قدم

....

ملتے رہتے ہیں بہت لوگ تمہارے جیسے
یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ تم ہی میں کیا ہے
میں نے یہ سوچ کے روکا نہیں جانے سے اسے
بعد میں بھی یہی ہو گا تو ابھی سے کیا ہے

ام خدیجہ ---- شاہدرہ لاہور

ہر سال تیری یاد کی چاہت کے نام تھا
ہر سال تیری دید کی چاہت ہمیں رہی

....

میں کس حساب میں لکھوں وہ ہجر کے لمحے
کہ جن میں تو نہ ملا اور نہ تیری یاد آئی

....

ہمیں یہ سوچنا ہے کہ زندگی اپنی
فضائے دہر میں کیوں موت سے بھی سستی ہے
ہم اہل مشرق ہیں سورج تراشنے والے

ثنا حیدر ---- سرگودھا

جو ہو سکے تو بانٹیے اپنی مسرتیں
یہ سوچنا غلط کہ ہمیں زمانے سے کیا ملا

....

ہم نے شکست کھا کے بھی ذکر وفا نہیں کیا
خود کو ہلاک کر لیا، خود کو خدا نہیں کیا
جو بھی ہم تم پہ معترض اس کو یہی جواب دو
آپ بہت شریف ہیں آپ نے کیا نہیں کیا

....

جشن وصال کی لاکھ سبیلیں اور سنجوگ ہزار
مجھے اک بس تو نہیں ملتا، ویسے لوگ ہزار
ہمیں بدل کے جوگی والا گاتا پھرے فرحت
عشق میں روگ ہزار سائیں عشق میں روگ ہزار

درثمن ---- میاں چنوں

حسن مری آنکھوں کا دھوکا
عشق مرے دل کی سچائی
چلتے چلتے عمر بتا دی
منزل پھر بھی پاس نہ آئی

....

کوئی تو جھانک کے دیکھے شکستگی ان کی
جو دیکھنے میں ہیں اونچی عمارتوں کی طرح

....

میری آنکھوں کے سمندر میں تھکن کیسی ہے
آج پھر دل کو تڑپنے کی لگن کیسی ہے
میں تیرے وصل کی خواہش کو نہ مرنے دوں گا
موسم ہجر کے لہجے میں تھکن کیسی ہے

☆☆☆

سعدیہ جبار ---- ملتان

س: باہر کا موسم اندر کے موسم سے کب ملتا ہے؟

ج: دل کی مراد بھر آنے پر۔

س: اگلے موسم بہار میں بھلا ہم کہاں ہوں گے؟

ج: ''ایک شخص کی لڑکی گھر سے بھاگ گئی۔ دوسرے دن وہ افسوس کرنے والے لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ ایک بات ہے کہ میری وہ لڑکی بڑی اللہ والی تھی بھاگنے سے ایک رات پہلے وہ مجھے کہہ رہی تھی کہ ابا دو دن بعد ہمارے ہاں ایک شخص کم ہو جائے گا۔'' اب تم؟

س: ہر شوہر کو بیوی اچھی لگتی ہے مگر دوسرے کی کیوں؟

ج: اسی کو تو کہتے ہیں کہ گھر کی مرغی دال برابر۔

س: آپ کو کبھی کسی نے دن میں تارے دکھائے؟

ج: کیوں تمہارا ارادہ ہے۔

س: اگر انسان ریموٹ کنٹرول سے چلنے لگیں تو؟

ج: لگیں تو کیا مطلب' ابھی بھی چلتے ہیں یقین نہیں آتا تو کسی بھی شوہر کو دیکھ لو۔

س: نفرت کی زمین پر بھی پیار لکھنے والے لوگ کیسے ہوتے ہیں؟

ج: اس دور میں تو پاگل ہی ہوتے ہیں۔

س: کس موسم کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے؟

ج: جس میں اندر اور باہر کا موسم یکساں خوشگوار ہو۔

آنسہ ممتاز ---- رحیم یار خان

س: السلام وعلیکم! جناب کیا کر رہے ہیں؟

ج: آپ کے سوال پڑھ رہا ہوں۔

س: ہمیں تو حنا کی محفل سے محبت ہے اور آپ کو؟

ج: محفل والوں سے۔

س: کبھی غصہ آیا؟

ج: بے تکے سوال پڑھ کر۔

س: کس بات پر زیادہ غصہ آیا؟

ج: جس بات پر بھی غصہ آیا۔

س: زندگی میں کس چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے؟

ج: ہر امان جاؤ گی پڑھ کر۔

س: کیا دوستی پیار ہے؟

ج: نہیں۔

س: کیا زندگی گزارنے کے لئے لو میرج ضروری ہے؟

ج: اچھے بچے ایسی باتیں نہیں سوچتے۔

س: میرے بی اے کے پیپرز ہونے والے ہیں۔ دعا کریں گے۔

ج: کس کے لئے؟ تمہارے لئے یا ممتن کے لئے۔

فریال امین ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

س: آداب عین غین جی کیسے مزاج ہیں؟

ج: اللہ کا شکر ہے۔

س: میرے بغیر کیسا رہا؟

ج: سچ سچ بتائیں۔ برا تو نہیں مانوں گی۔

س: عین غین جی نو مائنڈ بتائیں؟

ج: بہت سکون رہا۔

س: کیا کہہ رہے ہیں ادھر دیکھیں؟

ج: دیکھ تو رہا ہوں۔ میں ناک پر رومال رکھ لوں۔

نازیہ کمال ---- حیدر آباد

س: محبت کیا صرف ایک بار ہوتی ہے؟
ج: جی ہاں بعد میں عادت بن جاتی ہے۔
س: مکمل تنہائی کسے اچھی لگتی ہے؟
ج: جسے محبت ہوگئی ہو۔
س: حسن کو چاند کیوں کہتے ہیں؟
ج: اس تک رسائی جو مشکل ہے۔
س: عام طور پر تو شادیاں ہوتی ہیں؟
ج: شادیاں عام طور پر ہی ہوتی ہیں۔
س: محبت کیا ہے؟
ج: کیا تمہیں نہیں معلوم؟
س: روشنی کیا ہے؟
ج: لو یہ بھی بتانا پڑے گا۔
س: محبت میں کامیابی کا راز؟
ج: محبت کیا ہے تمہیں معلوم نہیں اور کامیابی کا راز پوچھنے لگے ہو۔
س: کسی سے پیار ہو جائے تو کیا کرنا چاہیے؟
ج: علاج اپنے ماں باپ کے پاس جا کر۔

مریم رباب ---- خانیوال

س: میری آنکھوں میں دیکھو؟
ج: تمہیں نیند آرہی ہے۔
س: اپنوں کی جدائی کیوں برداشت نہیں ہوتی؟
ج: ان کی عادت سی جو ہو جاتی ہے۔
س: زندگی میں انسان کی ہار کب ہوتی ہے؟
ج: جب اس کی مرضی کے خلاف کوئی بات ہو۔
س: انسان اپنی بے عزتی کب برداشت کر لیتا ہے؟
ج: جب اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔
س: ایک عورت کے لئے زندگی کا سب سے بھاری بوجھ کون سا ہوتا ہے؟
ج: جب تمہارے جیسے نکمے خاوند کا بوجھ اٹھانا پڑے۔
س: محبت کرنے کے لئے کیا چیز چاہیے؟
ج: دل۔
س: دنیا کی خوبصورت کیا چیز ہے؟
ج: دنیا خود بہت خوبصورت ہے۔
س: زندگی کی اداس راہوں میں؟
ج: خوشیاں بکھیر دو۔

ام خدیجہ ---- شاہدرہ لاہور

س: آداب عین جی! تو پھر کیا اظہار ویلنٹائن پر؟ کیا تو کیا ملا؟
ج: روز۔
س: یوں زندگی کی راہ میں ٹکرا گیا کوئی...... اب وہ بیچ راہ میں کہہ رہا ہے ہمیشہ کے لئے "گڈ بائے" اب میں کیا کروں؟
ج: راہ بدل لو۔
س: "گھٹیا" لفظ کا معنی تو لکھ دیں کہ کیا ہے؟
ج: لغت سے استفادہ کر لو۔
س: کیا اپنی محبت کو گھٹیا کہنے والے محبت کر سکتے ہیں کسی سے؟
ج: محبت کبھی گھٹیا نہیں ہوتی۔
س: کیا آپ نے کبھی کسی کی محبت کی توہین کی ہے؟
ج: نہیں۔
س: جب کوئی پیار سے بلائے گا...... تم کو......؟
ج: ایک شخص بہت یاد آئے گا۔

☆☆☆

بلقیس بھٹی

فون

منیجر تبریز صاحب نے کسی کام سے چپراسی کو بلایا، لیکن بات ادھوری چھوڑ کر واش روم میں چلے گئے، ابھی وہ وہیں تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی، چپراسی نے فون ریسیو کرلیا۔

اسی اثنا میں منیجر تبریز صاحب واپس آگئے، چپراسی نے بوکھلائے ہوئے انداز میں ریسیور ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''سر! میرا خیال ہے کوئی آپ سے بات کرنا چاہتا ہے۔''

''خیال ہے، کیا مطلب؟ تم یقین سے کیوں نہیں کہہ رہے ہو، یہ میرا فون ہے؟'' منیجر تبریز صاحب نے ریسیور تھامنے سے پہلے جرح کی۔

''سر! وہ دراصل، جیسے ہی میں نے ریسیور اٹھایا دوسری طرف سے کوئی بولا۔

''گدھے! ذرا غور سے میری بات سنو۔''

اُم ایمن، گوجرانوالہ

بندوبست

ایک صحرا سے ایک آدمی کا گزر ہوا تو اس نے ایک شخص کو ریت میں دبا ہوا دیکھا، اس کا چہرہ ریت سے باہر تھا اور وہ مدد کے لئے پکار رہا تھا، وہ شخص کہنے لگا۔

''تم ٹھہرو میں کہیں سے بیلچہ لے کر تمہیں باہر نکالتا ہوں۔''

ریت میں دبے ہوئے آدمی نے مسکین سی صورت بنا کر کہا۔

''بہتر ہوگا کہ تم کسی ٹریکٹر کا بندوبست کرو، کیونکہ میں اپنے اونٹ پر سوار ہوں۔''

عابدہ سعید، گجرات

یقین

ایک غائب دماغ پروفیسر ارباز سے ان کے دوست احتشام نے کہا۔

''میں نے پروفیسر ارباز تمہاری بیوی کو دیکھا تھا، وہ فلاں بندے کے ساتھ گاڑی میں جا رہی تھی۔''

پروفیسر ارباز کو بہت غصہ آیا، وہ ساری رات ڈنڈا لے کر دروازے کے پیچھے بیٹھے رہے، صبح انہیں یاد آیا کہ ابھی تو ان کی شادی بھی نہیں ہوئی۔

فرح عامر، جہلم

ماہر نفسیات

ایک بڑے ہوٹل میں ماہر نفسیات کا کنونشن منعقد ہو رہا تھا، کنونشن کے دوران ایک روز دو ماہرین نفسیات راہداری میں ایک دوسرے کے پاس سے گزرے، دونوں ایک دوسرے کو جانتے تھے، ایک نے مسکرا کر دوسرے کو۔

''ہیلو!'' کہا دوسرے نے کوئی جواب نہ دیا اور کافی آگے جا کر ایک ستون کی آڑ میں کھڑے ہو کر سر کھجاتے ہوئے زیر لب بڑبڑایا۔

''آخر اس ''ہیلو'' کہنے کا مقصد کیا تھا؟''

دو گھنٹے وہ وہیں کھڑا اس سوال پر غور کرتا رہا، تب جا کر اس کی سمجھ میں آیا کہ دوسرے نفسیات دان کے ہیلو کہنے کا مقصد ہیلو کہنا ہی

تھا۔"

فائزہ قاسم، سکھر

چوری

عامر نے اپنے دوست شہزاد سے کہا۔
"میں نے شہر میں چوری کی بڑھتی ہوئی وارداتوں سے تنگ آکر پولیس حکام کو ایک درخواست بھیجی تھی۔"

"پھر کیا ہوا، کیا کوئی کاروائی ہوئی؟" شہزاد نے تجسس سے پوچھا۔

"جواب آیا کہ آپ کی درخواست فائل سے چوری ہو گئی ہے؟ دوسری درخواست بھیجیے۔" عامر نے منہ بنا کر جواب دیا۔

نعیم امین، کراچی

بادشاہ

ایک صاحب نے اپنے دوست کو بتایا۔
"میری زندگی میں کبھی کبھی ایسا وقت آتا ہے جب میں خود کو گھر کا بادشاہ محسوس کرتا ہوں۔"
"کس وقت؟" دوست نے پوچھا۔
"جب میری بیوی گھر پہ نہیں ہوتی۔" ان صاحب نے جواب دیا۔

ہما رائے، کراچی

کیفیت

ڈاکٹر وارڈ کا چکر لگا رہا تھا کہ اچانک اس نے اپنے ماتحت سے پوچھا۔
"بھئی اس مریض کا کیا بنا جو ہر وقت کچھ نہ کچھ بکتا رہتا ہے، کیا اس کی یہ کیفیت ختم ہو گئی۔"
ماتحت نے جواب دیا۔
"جناب! اس کی یہ کیفیت برقرار ہے، آپ کے آنے سے پہلے وہ کہہ رہا تھا کہ، عزرائیل آرہا ہے وہ دیکھو عزرائیل آرہا ہے۔"

نبیہ آصف، قصور

معافی

ایک آدمی۔ "تم کون ہو۔"
دوسرا۔ "میں وہ ہوں جس سے سب معافی مانگتے ہیں۔"
پہلا۔ "کیا مطلب میں سمجھا نہیں؟"
دوسرا۔ "میں بھکاری ہوں۔"

ثمینہ رفیق، کورنگی کراچی

اور حاجی بھی

ایک صاحب نہایت پابندی سے مسجد میں پانچ وقت کی حاضری دیا کرتے تھے، لوگ ان کے تقویٰ سے بہت متاثر تھے، ایک شخص نے جب انہیں نہایت انہماک سے نماز ادا کرتے دیکھا تو اپنے ساتھی سے بولا۔
"یہ جو شخص نماز ادا کر رہا ہے، نہایت متقی اور پرہیزگار ہے۔" اس پر وہ صاحب نماز توڑ کر بولے۔
"اور جناب میں حاجی بھی ہوں۔"

رمشہ ظفر، بہاولپور

بیگم کا دستر خوان

وہ پکی کھچڑی رکھی ہے شوق فرمائیں گے کیا
تو بہ خالی پیٹ ہی دفتر چلے جائیں گے کیا
چائے میں لہسن کی بدبو آ گئی تو کیا ہوا
اللہ اللہ ہاں، بہن پر آپ اترائیں گے کیا
دودھ میں کبھی تھی چوہا تو نہ تھا اے حضور
ہاتھ دھو کر اب پیچھے ہی پڑ جائیں گے کیا
پیاز کا حلوہ بنا دوں اے ذرا رک جائیں
بھوکے رہ کر آپ میری ناک کٹوائیں گے کیا

عاصمہ سرور، وہاڑی

گوشہ عافیت

ایک گوالے کا لڑکا فوج میں بھرتی ہو گیا، ٹریننگ کے دوران جب اس کی طرف سے خیر خیریت کا کوئی خط نہ آیا تو ماں نے محلے کے کسی آدمی کو بلا کر اسے خط لکھوایا، پھر ماں کو اس نے

جواب میں لکھا۔

''اماں یہاں میں بہت خوش ہوں اور عیش کر رہا ہوں، کیونکہ گھر میں تو ابا دو بجے مجھے زبردستی اٹھا دیتے تھے، یہاں میں اپنی مرضی سے صبح کم از کم چار بجے اٹھتا ہوں۔''

رابعہ ارشد فیصل آباد

نجات

ایک بے حد موٹی عورت کے گھر میں چور گھس آیا، جب وہ چوری کر کے جانے لگا تو عورت اسے دیکھ کے اس کے پیچھے لپکی، چور گھبراہٹ کے مارے گر پڑا، موٹی عورت چور کی کمر پر کھڑی ہو گئی اور شوہر کو تھانے کی طرف دوڑنے کو کہا، شوہر کافی دیر چپل تلاش کرنے کے بعد بولا۔

''بیگم میری چپل نہیں مل رہی۔''

''اللہ کے بندے میری چپل پہن کر جلد سے جاؤ۔'' چور بلبلاتے ہوئے بولا۔

مسرت مصباح، لاڑکانہ

آزمائش

''رات، میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے ایک نئی قسم کا ناشتا ایجاد کیا ہے، میں اس وقت آزمائشی طور پر اسے کھا کر دیکھ رہا تھا، جب میری آنکھ کھل گئی۔'' کمال نے ایک روز عمران کو بتایا۔

''اچھا...... تو پھر کیا ہوا؟'' عمران نے دلچسپی سے پوچھا۔

''میں نے دیکھا کہ میرے فوم کے گدے کا ایک کونا غائب تھا۔'' کمال نے ذرا مایوسی سے جواب دیا۔

سعدیہ جبار، ملتان

جلدی میں

ایک بیوی نے شوہر کو ای میل کی، لیکن کہیں بھی ڈیش اور فل اسٹاپ نہیں لگائے، جب اسے یاد آیا تو جلدی جلدی انداز سے فل اسٹاپ لگا دیئے، جس کی وجہ سے ای میل کچھ یوں ہو گئی۔

پیارے راجہ جی!

آپ نے کئی دنوں سے پیار بھرا خط نہیں لکھا میری سہیلی پوجا کو، نوکری سے نکال دیا ہے ہماری گائے نے، بچھڑا دیا ہے انکل جی نے، سگریٹ پینی شروع کر دی ہے میں نے، بہت خط لکھے پر تم نہیں آئے کبوتر کے بچے، بلی کھا گئی ہے گھی، چھٹی سے آتے وقت لے آنا ایک خوبصورت عورت، میری سہیلی بن گئی ہے، ثریا بھوپالی، اس وقت ٹی، وی پر ڈانس کر رہی ہے ہماری مرغی، بیچ دی ہے تمہاری ماں، تمہیں یاد کرتی ہے پڑوسن، مجھے تنگ کرتی ہے زمین، سرسوں اگ آئی ہے چچی جی کے سر پر، پھوڑا ہو گیا ہے، میرے پاؤں میں، چوٹ لگ گئی ہے تمہاری چھٹی کو، ہر وقت ترستی ہوں، بھیا سے ضرور مل کر آنا، آپ کی پتنی، ''کلپنا''

آنسہ ممتاز، رحیم یار خان

ہری مرچیں

ایک صاحب بوریا بستر سمیت ایک ٹی وی چینل کے دفتر میں گھسنے کی کوشش کر رہے تھے، سیکورٹی والے نے روکا تو بولے۔

''بریک ختم ہوا یا نہیں۔'' سیکورٹی والوں نے پوچھا۔

''کیوں؟'' جواب ملا۔

''ہم اس بی بی کے ساتھ رہنے آئے ہیں جو کہہ رہی تھی کہ ہمارے ساتھ رہیے گا، ملتے ہیں بریک کے بعد۔''

فریال امین، ٹوبہ ٹیک سنگھ

☆☆☆

صائمہ محمود

نازیہ کمال: کی ڈائری سے ابن انشاء کی غزل

اس دل کے جھروکے میں اک روپ کی رانی ہے
اس روپ کی رانی کی تصویر بنانی ہے
ہم اہل محبت کی وحشت کا وہ درماں ہے
ہم اہل محبت کو آزاد جوانی ہے
یاں چاند کے داغوں کو سینے میں بساتے ہیں
دنیا کہے دیوانا، یہ دنیا دیوانی ہے
اک بات مگر ہم بھی پوچھیں جو اجازت ہو
کیوں تم نے یہ غم دے کر پردیس کی ٹھانی ہے
سکھ لے کے چلے جانا، دکھ دے کر چلے جانا
کیوں حسن کے ماتوں کی یہ ریت پرانی ہے
ہدیہ دل مفلس کا، چھ شعر غزل کے ہیں
قیمت میں تو ہلکے ہیں انشاء کی نشانی ہے

مریم رباب: کی ڈائری سے فیض احمد فیض کی غزل

ہمت التجا نہیں باقی
ضبط کا حوصلہ نہیں باقی
اک تیری دید چھن گئی مجھ سے
ورنہ دنیا میں کیا نہیں باقی
اپنی مشق ستم سے ہاتھ نہ کھینچ
میں نہیں یا وفا نہیں باقی
تیری چشم الم نواز کی خیر
دل میں کوئی گلہ نہیں باقی
ہو چکا ختم عہد ہجر و وصال
زندگی میں مزا نہیں باقی

ام خدیجہ: کی ڈائری سے خوبصورت نظم
"تنہائی، وہ اور میں"

وہ کہتا ہے
اس کے پاس چھپانے کو
کوئی راز نہیں ہے
کہنے کو
کوئی بات نہیں ہے
کوئی کام نہیں ہے
اسی لئے تو اس کا، کوئی دوست نہیں ہے
میں کہتا ہوں
میرے پاس چھپانے کو بھی راز بہت ہیں
کہنے کو باتیں ڈھیروں ہیں
پھر بھی کوئی دوست نہیں ہے
یہاں کسی سے میری عمر کا کوئی لمحہ چھپا نہیں ہے
اوروں کی بات الگ ہے
میرے جاننے والوں کو بھی میرے دکھوں کا پتا نہیں ہے

ثناء حیدر: کی ڈائری سے امجد سلام امجد کی نظم

چن لو اپنے اپنے خواب
اب ڈھیر لگا ہے خوابوں کا
گلابوں کا اور مہتابوں کا
ہر آنکھ طلب سے بوجھل ہے
ہر خواب کسی کی منزل ہے
یہ شام سمے کا دھندا ہے
اس وقت یہاں پر مندا ہے
ایمان کی قیمت دو آنے
احسان کی قیمت دو آنے
تشہیر کی قیمت دو آنے
ہر خواب کی قیمت دو آنے

چن لو اپنے اپنے خواب
اب ڈھیر لگا ہے خوابوں کا

درثمن: کی ڈائری سے منیر نیازی کی غزل

یہ کیسا نشہ ہے میں کس عجب خمار میں ہوں
تو آ کے جا بھی چکا ہے میں انتظار میں ہوں
مکاں ہے قبر جسے لوگ خود بناتے ہیں
میں اپنے گھر میں یا میں کسی مزار میں ہوں
در فصیل کھلا یا پہاڑ سر سے ہٹا
میں اب گری ہوئی گلیوں کے مرگ زار میں ہوں
بس اتنا ہوش ہے مجھ کو کہ اجنبی ہیں سب
رکا ہوا ہوں سفر میں کسی دیار میں ہوں
میں ہوں بھی اور نہیں بھی عجیب بات ہے یہ
یہ کیسا خبر ہے میں جس کے اختیار میں ہوں
منیر دیکھ شجر چاند اور دیواریں
ہوا خزاں کی ہے سر پر شب بہار میں ہوں

آسیہ وحیدر: کی ڈائری سے محسن نقوی کی نظم

"ترے ملنے کا اک لمحہ"
بس اک لمحہ سہی، لیکن
بکھر جائے تو موسم ہے
وفا کا بے کراں موسم
ازل سے مہرباں موسم
یہ موسم آنکھ میں اترے
تو رنگوں سے دہکتی روشنی کا
عکس کہلائے
یہ موسم دل میں ٹھہرے تو
سنہری، سوچتی صدیوں کا
گہرا نقش بن جائے
ترے ملنے کا اک لمحہ
مقدر کی لکیروں میں
دھنک بھرنے کا موسم ہے
یہ موسم
خوبصورت شاعری کرنے کا موسم ہے

جویریہ ناصر: کی ڈائری سے احمد فراز کی غزل

وہی عشق جو تھا کبھی جنوں اسے روزگار بنا دیا
کہیں زخم بیچ کے آ گئے کہیں شعر کوئی سنا دیا
وہی ہم کہ جن کو عزیز تھی در آبرو کی چمک دمک
یہی ہم کہ روز سیاہ میں زر داغ دل بھی سنا دیا
کبھی یوں بھی تھا کہ ہزاروں تیر جگر میں تھے تو دکھی نہ تھے
مگر اب یہ ہے کہ کسی مہرباں کے تپاک نے بھی رلا دیا
کبھی خود کو ٹوٹتے پھوٹتے بھی جو دیکھتے تو حزیں نہ تھے
مگر آج خود پہ نظر پڑی تو شکست جاں نے ہلا دیا
کوئی نامہ دلبر شہر کا کہ غزل گری کا بہانہ ہو
وہی حرف دل جسے مدتوں سے ہم اہل دل نے بھلا دیا

ام ایمن: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

کٹھن ہے زندگی کتنی
سفر دشوار کتنا ہے
کبھی رستہ نہیں ملتا
ہمارا ساتھ دے پائے
کوئی ایسا نہیں ملتا
فقط ایسے گزاردوں تو
یہ روز و شب نہیں کٹتے
مجھے پھر بھی میرے مالک
کوئی شکوہ نہیں تجھ سے
میں جان پہ کھیل سکتا ہوں
میں ہر دکھ جھیل سکتا ہوں
اگر تو آج ہی کہہ دے
محبت ہمسفر میری
محبت ہمسفر میری

عابدہ سعید: کی ڈائری سے خوبصورت غزل

ہے دعا یاد مگر حرف دعا یاد نہیں
میرے نغمات کو انداز نوا یاد نہیں
ہم نے جن کے لئے راہوں میں بچھایا تھا لہو
ہم سے کہتے ہیں وہی عہد وفا یاد نہیں
زندگی جبر مسلسل کی طرح کاٹی ہے

جانے کس جرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں
میں نے پلکوں سے دریار پر دستک دی ہے
میں وہ سائل ہوں جسے کوئی صدا یاد نہیں
کیسے بھر آئیں سر شام کسی کی آنکھیں
کیسے پتھرائی چراغوں کی ضیاء یاد نہیں
صرف دھندلاتے ستاروں کی چمک دیکھی ہے
کب ہوا کون ہوا مجھ سے خفا یاد نہیں
آؤ اک سجدہ کریں عام مدہوشی میں
لوگ کہتے ہیں ساغر کو خدا یاد نہیں

فرح عامر: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

''عمر کی سیڑھیاں''

ہاں سنو دوستو!
جو بھی دنیا ہے
اس کو پرکھے بنا مان لینا نہیں
ساری دنیا یہ کہتی ہے
پربت پر چڑھنے کی نسبت اترنا بہت سہل ہے
کس طرح مان لیں
تم نے دیکھا نہیں
سرفرازی کی دھن میں کوئی آدمی
جب بلندی کے رستے پہ چلتا ہے تو
سانس تک ٹھیک کرنے کو رکتا نہیں
اور اسی شخص کا
عمر کی سیڑھیوں سے اترتے ہوئے
پاؤں اٹھتا نہیں
اس لئے دوستو! جو بھی دنیا کہے
اس کو پرکھے بنا، مان لینا نہیں
ہم کھلی آنکھ سے جو بھی کچھ دیکھتے ہیں
وہ ہوتا نہیں
راستے کے لئے
آدمی اپنے خوابوں کو بھی کاٹ دیتے ہیں لیکن
سلگتا ہوا راستہ
پھر بھی کٹتا نہیں

اس لئے دوستو!
جو بھی دنیا کہے
اس کو پرکھے بنا، مان لینا نہیں

فائزہ قاسم: کی ڈائری سے ایک نظم

''ہم برے لوگ ہیں''

تم ہی اچھے تھے کسی سے کبھی تکرار نہ کی
تم کسی تکرار کے خوگر بھی نہ تھے
تم ہی اچھے تھے
جو مجملہ ارباب نظر رہتے تھے
اتنے سادہ تھے کہ زخموں کو حنا کہتے تھے
شہر پر حوصلہ میں
شیوہ اہل ہنر پر کبھی تنقید نہ کی
اتنے بے بس تھے کہ جب وقت پڑا
اپنی بھی تائید نہ کی
ہم برے لوگ ہیں سچ کہتے ہیں
ہم برے لوگ ہیں خوشنودی ارباب اثر کے باغی
کبھی قطرے کو سمندر نہ دیکھا
کبھی ذرے کو بھی صحرا نہ کہا
قرض آئینہ چکانے کے لئے عکس سے، محروم ہوئے

نعیم امین: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

''خواب''

اسی ایک خواب میں آج تک
میں بندھا ہوں اس کے جال میں
کوئی شہر یاد وفاؤں کا
کبھی آئے عشق کے تخت پر
مجھے مجھ سے چھین کے لئے چلے
کہیں دور شہر جمال میں
میرے سرو چشم، کو ڈھانپ دے
وہ سلگتی سانسوں کی شال میں
جہاں میں ہوں اس کے جواب میں

شہر بھر کے لوگوں نے
مجھ کو ہم سخن جانا
دل سے آشنا لکھا
خود سے مہرباں سمجھا
مجھ کو دلربا لکھا
اب کے سادہ کاغذ پر
سرخ روشنائی سے
اس نے تلخ لہجے میں
میرے نام سے پہلے
صرف ''بے وفا'' لکھا

نازیہ کمال: کی ڈائری سے امجد سلام امجد کی نظم ''آبلہ''

اداسی کے افق پر جب تمہاری یاد
کے جگنو چمکتے ہیں
تو میری روح پر رکھا ہوا یہ ہجر کا پتھر
چمکتی برف کی صورت پگھلتا ہے
اگر چہ یوں پگھلنے سے یہ پتھر، سنگریزہ تو نہیں بنتا
مگر اک حوصلہ سا دل کو ہوتا ہے
کہ جیسے سر بسر تاریک شب میں بھی
اگر اک زرد رو، سہما ہوا تارا نکل آئے
تو قاتل رات کا بے اسم جادو ٹوٹ جاتا ہے
مسافر کے سفر کا راستہ تو کم نہیں ہوتا
مگر تارے کی چلمن سے
کوئی بھولا ہوا منظر اچانک جگمگاتا ہے
سلگتے پاؤں میں اک آبلہ سا پھوٹ جاتا ہے

مریم رباب: کی ڈائری سے خوبصورت غزل

یونہی بے سبب نہ پھرا کرو کوئی شام گھر میں رہا کرو
وہ غزل کی سچی کتاب ہے اسے چپکے چپکے پڑھا کرو
کوئی ہاتھ بھی نہ ملائے گا جو گلے ملو گے تپاک سے
نئے مزاج کا شہر ہے ذرا فاصلے سے ملا کرو
ابھی راہ میں کئی موڑ ہیں کوئی آئے گا کوئی جائے گا
تمہیں جس نے دل سے بھلا دیا اسے بھولنے کی دعا کرو
مجھے اشتہار سی لگتی ہیں یہ محبتوں کی کہانیاں
جو کہا نہیں وہ سنا کرو جو سنا نہیں وہ کہا کرو
کبھی حسن پردہ نشیں بھی ہو ذرا عاشقانہ لباس میں
جو میں بن سنور کے کہیں چلوں میرے ساتھ تم بھی چلا کرو
نہیں بے حجاب وہ چاند سا کہ نظر کا کوئی اثر نہ ہو
اسے اتنی گرمی شوق سے بڑی دیر تک نہ تکا کرو
یہ خزاں کی زرد سی شال میں جو اداس پیڑ کے پاس ہے
یہ تمہارے گھر کی بہار ہے اسے آنسوؤں سے ہرا کرو

ام خدیجہ: کی ڈائری سے ایک غزل

وہی قصے ہیں وہی بات پرانی اپنی
کون سنتا ہے بھلا رام کہانی اپنی
ستم گر کو یہ ہمدرد سمجھ لیتی ہے
کتنی خوش فہم ہے کم بخت جوانی اپنی
روز ملتے ہیں دریچے میں لئے پھول مجھے
چھوڑ جاتا ہے کوئی روز نشانی اپنی
تجھ سے بچھڑے ہیں تو پایا ہے بیاباں کا سکوت
ورنہ دریاؤں سے ملتی تھی روانی اپنی
دشمنوں سے ہی غم دل کا مداوا مانگیں
دوستوں نے تو کوئی بات نہ مانی اپنی
آج پھر چاند افق پر نہیں ابھرا محسن
آج پھر رات نہ گزرے گی سہانی اپنی

ثناء حیدر: کی ڈائری سے ایک غزل

غرور و نازو نخوت چھوڑ کر انسان ہونا ہے
بہت دشوار ہوں اب تک مجھے آسان ہونا ہے
یہ دانائی تو گمراہی کی جانب کھینچ لیتی ہے
اسی سے دست کش ہو کر مجھے نادان ہونا ہے
بہت کچھ جان کر جانا کہ اب تک کچھ نہیں ہونا
یہی جانا کہ بہتر جان کر انجان ہونا ہے
جو الجھی سوچ رکھتا ہو الجھنا اسی سے بے معنی
مجھے سلجھی سی اک تحریر کا عنوان ہونا ہے
یہ کیسے فاصلے کردار و شخصیت میں ملتے ہیں
بکھر کر مر رہا ہوں میں سو اب یکجان ہونا ہے
☆☆☆

سحر و افطار

رمضان المبارک میں سحر و افطار کی تیاری میں خاصہ اہتمام کیا جاتا ہے، جس کی بدولت دستر خوان کی رونق بڑھ جاتی ہے۔

سحر و افطار میں دستر خوان کی رونق بڑھانے کے لئے مزے دار کھانے کی ترکیبیں اور صحت افزا مشروبات بنانے کی ترکیبیں دی جارہی ہیں، ان سے سحر و افطار کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔

چکن رول کباب

اشیاء

مرغی کا قیمہ دھو کر خشک کرلیں	آدھا کلو
نمک	حسب ذائقہ
پیاز (باریک چوپ کرلیں)	ایک عدد
ہرا دھنیا چوپ کیا ہوا	دو کھانے کے چمچ
ہری مرچیں چوپ کرلیں	چار عدد
لہسن پیسٹ	آدھا چائے کا چمچ
ادرک پیسٹ	آدھا چائے کا چمچ
لال مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
گرم مصالحہ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
بریڈ کرمبز	آدھا کپ
انڈے پھینٹ لیں	دو عدد
ڈان بریڈ سلائسز	دو عدد
(دودھ میں بھگو کر نرم کر کے پیسٹ بنالیں)	
تیل	ڈیپ فرائی کے لئے

ترکیب

مرغی کے قیمے میں نمک، پیاز، ہرا دھنیا، ہری مرچیں، لہسن پیسٹ، ادرک پیسٹ، لال مرچ پاؤڈر اور گرم مصالحہ ڈال کر اچھی طرح مکس کریں، دودھ میں نرم کیے ہوئے ڈان بریڈ سلائسز شامل کریں، قیمے کو تھوڑی دیر میرنیٹ کرنے کے لئے رکھ دیں، قیمے کے لمبے لمبے رول کی شکل کے چار کباب بنائیں، کڑاہی میں درمیانی آنچ پر تیل گرم کریں، کباب کو سب سے پہلے میدے سے کوٹ کریں اس کے بعد اسے بریڈ کرمبز سے کوٹ کر کے پھینٹے ہوئے انڈے میں ڈپ کر کے کڑاہی میں گولڈن براؤن ہونے تک ڈیپ فرائی کریں۔

کباب کو کرسپی ہونے کے بعد کڑاہی سے نکال کر کچن پیپر پہ رکھ کر اس کا اضافی تیل جذب کردیں۔

مزے دار گرما گرم چکن رول کباب تیار ہیں انہیں سرونگ پلیٹ میں نکال کر ٹماٹو کیچپ کے ساتھ سرو کریں۔

بریڈ اور انڈے کا حلوہ

اشیاء

ڈان بریڈ	ایک پیکٹ
انڈے	چار عدد
چینی	حسب ضرورت
تیل	حسب ضرورت
دودھ	آدھا کلو
کشمش	حسب ضرورت
الائچی	تین عدد

تین عدد

بادام	
ناریل کش کیا ہوا	سو گرام

ترکیب

ڈان بریڈ کے کنارے کاٹ لیں اور ایک سوس پین میں دودھ ڈال کر اسے بھگو دیں، جب بالکل نرم ہو جائے تو اس میں تیل اور الائچی ڈال کر بھون لیں، اس کے بعد اس میں انڈے پھینٹ کر شامل کریں اور ساتھ ہی چینی بھی ملا دیں جب تیل چھوڑنے لگے تو اتار لیں اور اس میں ناریل، کشمش اور بادام شامل کریں مزے دار ڈان بریڈ اور انڈے کا حلوہ تیار ہے۔

ہاٹ اینڈ اسپائسی سینڈوچز

اشیاء

بریڈ سلائسز	چار عدد
مرغی کی کلیجی	ایک پاؤ
انڈے	دو عدد
ادرک لہسن پیسٹ	کیا چائے کا چمچ
سرخ مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
کالی مرچ پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
ہری مرچ کاٹ لیں	چار عدد
لیموں کا رس	ایک کھانے کا چمچ
پنیر کش کر لیں	آدھا کپ
تیل	تین کھانے کے چمچ

(فرائی کرنے کے لئے)

ترکیب

ڈان بریڈ سلائس کے کنارے کاٹ کر ترچھا سینڈوچ کی طرح کاٹ لیں، انڈے میں آدھا چائے کا چمچہ سرخ مرچ، کالی مرچ پاؤڈر اور نمک ڈال کر پھینٹ لیں، تیل گرم کر لیں، ڈان بریڈ سلائس کو انڈے میں ڈپ کر کے فرائی کر لیں، گولڈن ہونے پر نکال کر پیپر ٹاول پر تیک خشک کر لیں۔

مرغی کی کلیجی دھو کر خشک کر لیں، اسے باریک چاپ کر کے اس میں ادرک لہسن پیسٹ، آدھا چائے کا چمچہ سرخ مرچ، نمک، ہری مرچ اور لیموں کا رس ڈال کر مکس کر کے آدھا گھنٹے کے لئے رکھ دیں، تین کھانے کے چمچے تیل گرم کر کے کلیجی مسالے سمیت ڈال کر فرائی کر کے اتار لیں، ہر ڈان بریڈ سلائس پر فرائی کلیجی رکھ کر اوپر پنیر ڈال دیں، اوون کا اوپر کا برنر جلائیں، ٹرے میں، بریڈ سلائس اوون میں رکھ کر تین سے چار منٹ کے لئے بیک کر لیں، اوپر سے گولڈن ہو جائے تو نکال لیں، مزے دار ہاٹ اینڈ اسپائسی سینڈوچز تیار ہیں، چائے کے ساتھ سرو کریں۔

چکن سینڈوچز

اشیاء

چکن ابال کر باریک ریشے کر لیں	آدھا کلو
ادرک لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
آلو ابلے ہوئے	دو عدد
پیاز درمیان کٹی ہوئی	ایک عدد
گاجر باریک کٹی ہوئی	ایک عدد
لیموں کا عرق	دو کھانے کے چمچ
نمک	حسب ذائقہ
انڈے ابلے ہوئے	دو عدد
کالی مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
ہرا دھنیا کترا ہوا	آدھی گٹھی
ہری مرچ کٹی ہوئی	دو عدد
مکھن	دو کھانے کے چمچ
بریڈ سلائسز	آٹھ سے دس
گھی	تلنے کے لئے

ترکیب

چکن، آلو، انڈے کو اچھی طرح مکس کر لیں، اس کے بعد لہسن ادرک پیسٹ، لیموں کا

عرق، نمک، کالی مرچ پاؤڈر، ہرا دھنیا، ہری مرچ، پیاز، گاجر، مکھن بھی شامل کرلیں، ڈان بریڈ کے سلائس بیلن کی مدد سے چپٹے اور ہموار کریں اور ہر ایک پر تیار شدہ آمیزہ اتنی مقدار میں رکھیں کہ دوسرا بریڈ سلائس رکھ کر دبا سکیں، کنارے سے سلائسز کو دبا دیں تاکہ آمیزہ باہر نہ گرے، اب کڑاہی میں گھی گرم کر کے رولز کو ہلکی آنچ پر ڈیپ فرائی کریں اور سنہرے ہونے پر نکال لیں، چلی گارلک سوس کے ساتھ گرما گرم پیش کریں۔

میکرونی رولز

اشیاء

میکرونی، ابال لیں	ایک کپ
زیرہ پاؤڈر بھنا ہوا	ایک کھانے کا چمچ
چیڈر چیز کش کیا ہوا	آدھا کپ
پیاز باریک کٹی ہوئی	ایک عدد
ہری مرچ باریک کٹی ہوئی	چار سے پانچ عدد
گرم مسالا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
کالی مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
ہرا دھنیا باریک کٹا ہوا	حسب ضرورت
انڈے	دو عدد
بریڈ کرمبز	حسب ضرورت
میدہ	حسب ضرورت
تیل	تلنے کے لئے

ترکیب

میکرونی کو فوڈ پروسیسر میں ڈال کر اچھی طرح بلینڈ کرلیں، چیڈر چیز، ہری مرچ، پیاز، ہرا دھنیا کو بھی ساتھ ہی اچھی طرح بلینڈ کرلیں، ایک باؤل میں میکرونی والا مرکب ڈالیں، اس میں نمک، کالی مرچ پاؤڈر، گرم مسالا پاؤڈر، زیرہ پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح مکس کرلیں، ہتھیلی پر ہلکا سا تیل لگا کر ان کو لمبے کباب یعنی رول کی شکل دے لیں اور ریفریجریٹر میں پندرہ سے بیس منٹ کے لئے رکھ دیں۔

انڈے پھینٹ لیں، ان کو پہلے میدے پھر انڈے پھر بریڈ کرمبز میں اچھی طرح رول کر لیں، تیل گرم کریں اور رولز کو تیل میں ڈیپ فرائی کرلیں، گولڈن ہونے پر نکال لیں، ٹماٹو کیچپ کے ساتھ سرو کریں۔

چکن روسٹ پاستا

اشیاء

چکن ۶ پیسز میں کٹوا لیں	آدھا کلو
دہی	ایک کپ
نمک	حسب ذائقہ
کالی مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
لال مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
ہری مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچ
کریم	دو کھانے کے چمچ
پنیر	دو کھانے کے چمچ
پاستا ابال لیں	دو کپ
تیل	دو تین کھانے کے چمچ

ترکیب

چکن میں دہی، کالی مرچ، لال مرچ، ہری مرچ، کریم اور پنیر ڈال کر ایک گھنٹہ کے لئے میرینٹ کریں، اس کے بعد اسے ہلکی آنچ پر پکنے کے لئے رکھ دیں، جب اس کا پانی خشک ہو جائے تو بھون لیں، ساتھ میں ابلے ہوئے پاستا ڈال کر مکس کریں اور گرما گرم سرو کریں۔

نوٹ: چکن بون لیس بھی استعمال کی جا سکتی ہے۔

واٹر ملن فز

اشیاء

تربوز	آدھا کلو

بادیان کا پھول	ایک عدد
کیسٹر شوگر	ایک کھانے کا چمچ
پانی	حسب ضرورت
آئس کیوبز	حسب ضرورت

ترکیب

بادیان کے پھول کو ہاون دستے میں خوب اچھی طرح کوٹ لیں، ایک فرائنگ پین میں کٹا ہوا بادیان، کیسٹر شوگر اور ۶ کھانے کے چمچے ڈال کر بوائل کریں، پانی میں جب بلبلے اٹھنے لگیں تو اسے مزید ۲ منٹ تک پکنے دیں، اس کے بعد فرائنگ پین کو چولہے سے ہٹا لیں، تربوز کے گودے کو چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ لیں۔

تیار کیے ہوئے بادیان اور شکر کے مکسچر کو چھان لیں، تربوز کو جوسر میں ڈال کر اس کا رس نکال لیں اور اس میں بادیان اور شکر کے مکسچر کو ڈال کر مکس کریں، سرونگ گلاس میں جوس ڈال کر اس میں حسب پسند آئس کیوبز اور پانی شامل کریں، قوت بخش واٹر میلن فز تیار ہے ٹھنڈا سرو کریں۔

اورنج سوڈا ڈرنک

اشیاء

پانی	ڈیڑھ کپ
شکر	دو کپ
کینو	دو کپ
(چھال اتار کر، رس الگ نکال لیں)	
لیموں کا رس	دو چائے کا چمچ
نمک	ڈیڑھ چائے کا چمچ
سوڈا واٹر	حسب ضرورت

ترکیب

ایک سوس پین میں پانی اور ایک کپ شکر ڈال کر درمیانی آنچ پر ابال آنے اور شکر کے حل ہو جانے تک پکائیں، ایک فوڈ پروسیسر میں کینو کی چھال، لیموں کا رس، نمک اور باقی بچی ہوئی شکر ڈال کر خوب اچھی طرح مکس کر کے اس سوس پین میں موجود شکر اور پانی کے مکسچر میں ڈال کر ہلکی آنچ پر خوب اچھی طرح پکانے کے بعد سوس پین کو چولہے سے اتار لیں، مکسچر کے ٹھنڈا ہونے کے بعد اسے صاف ستھری، خشک شیشے یا پلاسٹک کی بوتل میں نکال کر ائیر ٹائٹ ڈھکن لگا کر فریج میں ۳۔۲ گھنٹوں کے لئے رکھ دیں، سرو کرتے وقت سرونگ گلاس میں کٹی ہوئی برف ڈال کر ۶۔۴ کھانے کے چمچے تیار شدہ اورنج محلول ڈالیں آخر میں سوڈا واٹر ڈال کر سرو کریں۔

کھٹا میٹھا شربت

اشیاء

کینو	دو عدد
لیموں کا رس	۵۔۴ کھانے کے چمچ
شہد	۵۔۴ کھانے کے چمچ
تازہ پنیر	150 گرام
کینو کے چھلکے	سجاوٹ کے لئے

ترکیب

کینو کے چھلکے باریک اتار لیں اور ایک طرف رکھ دیں، ایک سٹرس پریسر سے کینو کا رس نکال لیں اور اس جوس کو ایک فوڈ پروسیسر میں ڈال لیں، اس میں کینو کے چھلکے، لیموں کا رس، شہد اور پنیر ڈال کر بلینڈ کر لیں، جب ہموار اور کریمی ہو جائے تو گلاس میں نکال کینو کے چھلکوں سے سجا کر پیش کریں۔

اسپائسی ویجی ٹیبل سوپ

اشیاء

پیاز	ایک عدد
شلجم	ایک عدد
(چھوٹے سائز کا)	

آلو	ایک عدد
مکھن	دو کھانے کے چمچے
ادرک پیسٹ	آدھا چائے کا چمچہ
دار چینی پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچہ
ہری پیاز چوپ کی ہوئی	ایک کھانے کا چمچہ
سبزی کی یخنی	چار کپ
بادام (ہوائیاں کٹی ہوئی)	دو کھانے کے چمچے
تازی لال مرچ	ایک عدد
(بیج نکال کر چوپ کر لیں)	
شکر	ایک چائے کا چمچہ
کوکونٹ کریم	آدھا کپ
نمک	حسب ذائقہ
سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ضرورت
ہرا دھنیا	حسب ضرورت
(گارنش کے لئے)	

ترکیب

پیاز کو چوپ کر لیں، شلجم کدو اور آلو کو چھیل کر درمیانے سائز کے ٹکڑے کاٹ لیں، سوس پین میں مکھن گرم کریں اور اس میں پیاز ڈال کر چار پانچ منٹ تک فرائی کریں، اس کے بعد اس میں شلجم، کدو اور آلو ڈال کر تین چار منٹ تک فرائی کریں، اس میں ادرک، دار چینی پاؤڈر، ہری مرچ، نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر ڈال کر مکس کریں اور ہلکی آنچ پر دس منٹ تک پکائیں، اسی دوران مسلسل چمچہ چلاتی جائیں، سبزی کی یخنی، بادام، لال مرچ اور شکر ڈال کر چمچہ چلائیں اور ڈھکن ڈھک کر ہلکی آنچ پر پکائیں، سبزیوں کے نرم ہونے پر اس میں کوکونٹ کریم شامل کریں، مزے دار اسپائس ویجی ٹیبل سوپ سرونگ باؤل میں نکالیں اور ہرا دھنیا سے گارنش کر کے سرو کریں۔

کولڈ چکن سلاد

اشیاء

چکن (بغیر ہڈی کے)	دو بڑے ٹکڑے
(ابال کر چھوٹے ٹکڑے کر لیں)	
آلو	تین عدد
(ابال کر چھوٹے ٹکڑے کر لیں)	
گاجر	تین عدد
مٹر (ابلے ہوئے)	ایک پیالی
سیب	دو عدد
(چھوٹے ٹکڑے کر لیں، چینی اور لیموں چھڑک دیں)	
پائن ایپل سلائسز	چار عدد
(چھوٹے ٹکڑے کر لیں)	
چھلے بادام بھنے ہوئے	تین چار عدد
(دو ٹکڑے کر لیں)	
کشمش	دس دانے
(گرم پانی میں بھگو کر توے کے اوپر بھون لیں)	
تازہ کریم	ایک پیالی
سفید مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
چینی	آدھا کھانے کا چمچہ
(وائٹ ساس بنانے کے لئے)	
میدہ	تین کھانے کے چمچے
دودھ	تین پیالی
سفید مرچ (پسی ہوئی)	ایک چائے کا چمچہ
مکھن	آدھا کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

چھوٹی دیگچی میں مکھن ڈال کر ہلکا گرم کریں پھر میدہ ڈال کر بھون لیں، دیگچی نیچے اتار لیں، پانچ منٹ بعد دودھ ڈالیں، لکڑی کے چمچے سے ہلاتے رہیں پھر دیگچی کو چولہے پر رکھ دیں، جب گاڑھی ہو جائے تو چولہا بند کر دیں، تھوڑی دیر بعد سفید مرچ اور نمک ڈال دیں، وائٹ ساس تیار ہے، بڑے پیالے میں تمام سبزی اور چینی ملا کر ٹھنڈا ہونے پر فریج میں رکھ دیں، کشمش سے گارنش کریں۔

☆☆☆

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

مئی کے شمارے کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہیں، اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور ہمارے پیارے وطن کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین۔

جون کی سخت ترین گرمی میں ایک قیامت بجٹ کے نام سے پاکستانی قوم پر ٹوٹتی ہے، ہر سال بجٹ آنے سے پہلے عوام کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ اس بار کا آنے والا بجٹ عوام کے لئے آسانیاں لے کر آئے گا، لیکن جیسے ہی اس کا اعلان ہوتا ہے، مہنگائی کا ایک طوفان عوام کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

پاکستان ایک اسلامی ملک ہے، قرآن و سنت کے احکام ہماری پوری زندگی پر حاوی ہیں، مسائل چاہے سماجی ہوں، معاشی ہو یا اقتصادی، ایک اسلامی معاشرہ وہی ہوتا ہے جن میں قرآن و سنت کے مطابق ان مسائل کو حل کیا جائے، عدل و انصاف کا دور دورہ ہو ہر شخص کے حقوق محفوظ ہوں۔

پاکستان میں آنے والی ہر حکومت نے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے بے شمار منصوبے بنائے لیکن ان پر عمل کبھی بھی نہ ہو سکا ملک میں بجلی کا بحران سنگین صورت حال اختیار کر گیا ہے تمام تر حکومتی دعوؤں اور یقین دہانیوں کے باوجود مہنگائی اور بے روزگاری کی شرح میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے، فرسودہ طبقاتی نظام کی وجہ سے متوسط طبقہ دن بدن زبوں حالی کا شکار ہے۔

ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمارے ارباب اختیار کو توفیق دے اور وہ ایسا بجٹ بنائیں کہ زندگی مشکل ہونے کی بجائے آسان ہو جائے آمین۔

اسی مہینے میں رمضان المبارک کا آغاز ہو رہا ہے روزہ وہ واحد عبادت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ۔

''روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا۔''

نفس انسانی کی تربیت میں روزے کا خصوصی دخل ہے، روزہ کا حقیقی مقصد تب ہی حاصل ہو سکتا ہے جب ایک ماہ کی اس تربیت کو ہم اپنی زندگی کا معمول بنالیں۔

ہماری طرف رمضان المبارک کی مبارک باد قبول کیجئے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس مقدس مہینے کی برکتوں سے پوری طرح فیض یاب ہونے کی توفیق عطا کریں آمین، یارب العالمین۔

آیئے آپ کے خطوط کی محفل میں جانے سے پہلے حسب معمول تیسرا کلمہ، استغفار اور درود پاک کا ورد کریں اور ہمیشہ ورد زبان رکھنے کا عہد کریں کہ اسی میں ہی ہماری آخرت کی کامیابی ہے۔

اپنی دعاؤں میں یاد رکھئے گا اور اپنا بہت سا خیال رکھیئے گا اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں آپ کا خیال رکھتے ہیں۔

لیجئے یہ پہلا خط ہمیں ریشا احمد کا کھاریاں سے موصول ہوا ہے وہ لکھتی ہیں۔

مئی کا شمارہ جویریہ سعود کے ٹائٹل سے سجا ملا بلاشبہ بہترین ٹائٹل تھا، بے حد پسند آیا، حسب عادت پہلے اسلامیات والے حصہ میں پہنچے حمد و نعت اور پیارے نبی کی پیاری باتوں سے روح کو منور کیا، سید اختر ناز صاحب کو اجر عظیم عطا کرے آمین۔

انشاء نامہ میں انشاء جی کا کالم ''داخلے جاری ہیں'' پڑھ کر بے ساختہ واہ کہہ اٹھے۔

سلسلے وار ناول ''پربت کے اس پار'' کی طرف بڑھے آپی نایاب جیلانی کی یہ تحریر کچھ ان کے طرز تحریر سے ہٹ کر نہیں پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی سفر نامہ پڑھ رہے ہوں ابھی تک تو کہانی سمجھ نہیں آئی آگے دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے، اب بات ہو جائے مکمل ناول ''وہ کبھی ملے، وہ کہیں ملے'' کی سحرش بانو نے بے حد اچھی تحریر دی اپنے قارئین کو، شروع سے لے کر اینڈ تک مصنفہ کی گرفت مضبوط تھی، ویل ڈن سحرش جی ہم آگے چل کر آپ سے اس طرح کی بہترین تحریروں کی توقع باندھ رہے ہیں، سدرۃ المنتہیٰ آپ کہاں ہیں ذرا پاس آئیں تاکہ ہم آپ کو بتا سکیں کہ آپ ''اک جہاں اور ہے'' کو کتنی خوبصورتی سے لے کر آگے بڑھ رہی ہیں ہر کردار ہر واقعہ بے حد مکمل، ایک سحر ہے جس نے قارئین کو جکڑ رکھا ہے میری طرف سے مبارک باد قبول کیجئے۔

روبینہ سعید کا ناولٹ ''مجھے آواز دے لینا'' کوئی خاص تاثر نہیں چھوڑ سکا البتہ ہما عامر کا ''یقین وفا'' پسند آیا یہ اور بات ہے آخر میں باقی آئندہ دیکھ کر بلبلا کر رہ گئے، اف پتا نہیں آگے کیا ہوگا عیشال بیچاری کے ساتھ، ارے یہ کیا فوزیہ آپی فرحت شوکت کے ناولٹ کی آخری قسط کیوں؟ ابھی تو کہانی چلی تھی کے اینڈ کر دیا یوں لگ رہا تھا کہ جیسے فرحت شوکت نے عجلت میں کہانی کو سمیٹ دیا ہو، ناولٹ مکمل ہونے کے باوجود تشنگی لئے ہوئے ہے، ایسا کیوں کیا فرحت نے؟

''خوشبوؤں کے شہر میں'' نائلہ طارق ایک نیا نام تھا غالباً نہیں یقیناً، کیوں کہ اس سے پہلے ان کا نام حنا میں نظر نہیں آیا، بہر حال نئی ہونے کے باوجود کہانی خاصی جاندار تھی، نائلہ آپ کی تحریر کا سب سے خوبصورت جملہ جو بے حد پسند آیا، ''محبت وقت آنے پر سب کچھ منوا لیتی ہے'' یہاں ہم تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ کہیں گے کہ محنت بھی خود کو منوا لیتی ہے، اس تحریر میں آپ کی محنت نظر آ رہی تھی، خصوصی مبارک باد۔

مئی کے حوالے سے فرزانہ حبیب کی تحریر بے حد پسند آئی جبکہ عمارہ امداد کا افسانہ ''سوچ کا عکس'' بھی خاصا جاندار تھا، ام اقصیٰ کا افسانہ ''ہاری تو پیا'' بھی دلچسپ تھا جبکہ تمثیلہ زاہد، اثاثہ، ''غرور کا لحہ'' سونیا چوہدری اور سمیرا اگل کی تحریر جواز میں اچھی تھیں۔

مستقل سلسلوں میں ہر سلسلہ اپنی جگہ بہترین تھا، افراح طارق نے دستر خوان کو مزیدار کھانوں سے سجا رکھا تھا جبکہ قیامت کے یہ نامے میں فوزیہ آپی ہمیشہ کی طرح مسکراہٹیں اور محبتیں بانٹتی ہوئی ملیں، مجموعی طور پر مئی کا شمارہ پرفیکٹ تھا۔

اریشا احمد اس محفل میں خوش آمدید، مئی کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی حوصلہ افزائی ہی ہم میں حنا کو مزید بہتر بنانے کی لگن پیدا کرتی ہے، آپ کی تعریف اور تنقید ان سطور کے ذریعے مصنفین کو پہنچائی جا رہی ہیں آپ کی رائے کے ہم آئندہ بھی منتظر رہیں گے شکریہ۔

ثمینہ شیخ: گوجرانوالہ سے آئی ہیں کچھ اس انداز

میں، وہ لکھتی ہیں۔

مئی کا شمارہ کافی لیٹ ملا اس لئے مکمل پڑھ نہیں پائی لیکن آپ کی طرف سے میرے لئے لکھے جانے والے الفاظ کس طور اعزاز سے کم نہیں، قلم اور کاغذ سے رشتہ میں بھی نہیں توڑ سکتی خواہ حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں، ٹائٹل پہ جویریہ کو دیکھ کر جی خوش ہو گیا سب سے پہلے سحرش بانو کو پڑھا بہت خوبصورت کاوش کیسے دو نیک لوگوں کو برے لوگوں سے بچاتے بچاتے ایک دوسرے سے ملوا دیا بالکل یہی سچائی ہے، اچھوں کے ساتھ اللہ ہمیشہ اچھا کرتا ہے، درمیان میں مشکلیں اور آزمائشیں تو آتی رہتی ہیں لیکن صبر اور شکر لازمی ہے، ابھی تک کوئی اور تحریر نہیں پڑھی گیارہ کو ملا اور بارہ کو لیٹر لکھ رہی ہوں اوپر سے وہی جاب کی مصروفیت۔

ثمینہ شیخ خوش رہیں ہمیشہ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے آسانیاں پیدا کریں آمین، سحرش بانو کی تحریر آپ کو پسند آئی ہمیں یہ جان کر خوشی ہوئی، حنا آپ کو لیٹ کیوں ملا جبکہ اس مرتبہ تو بہت جلد مارکیٹ میں آ گیا تھا، سانحہ پشاور پر لکھی گئی آپ کی نظم کافی طویل ہے سو شائع کرنے سے معذرت، آئندہ آپ کی تفصیلی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

حمیرا نوشین: منڈی بہاؤالدین سے لکھتی ہیں۔

بکسٹال گئی تو مطلوبہ رسالہ تو نہ ملا البتہ میں نے ''حنا'' خرید لیا گھر آ کر مطالعہ کیا تو یہ مجھے بے حد پسند آیا، کہانیاں، مستقل سلسلے سبھی خوب تھے، پھر مصنفہ کا انٹرویو پڑھا اور ان کی باتیں پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ مصنفین اور قارئین کو بہت زیادہ Respect دیتی ہیں، یہ بات دل خوش کر گئی، پھر تو سارا رسالہ ہی پڑھ ڈالا اب ''حنا'' بھی میرے زیر مطالعہ رہے گا۔

میں دیگر ڈائجسٹ میں بھی لکھتی ہوں وہاں سے بھی حوصلہ افزائی ہوتی ہے سوچا حنا سے بھی تعلق جوڑا جائے میں ایک کہانی ارسال کر رہی ہوں پڑھ کر رائے سے نوازیے گا اگر امید افزاء جواب ملا تو انشاء اللہ آئندہ بھی حنا کے لئے لکھتی رہوں گی اس کے لئے مستقل سلسلوں میں تو ہر ماہ باقاعدگی سے حصہ لینے کا میں نے سوچ لیا ہے، رسالے پر تبصرہ آئندہ ماہ کروں گی۔

حمیرا نوشین! خوش آمدید حنا کی فیملی میں آپ کا اضافہ ہمارے لئے خوشی کا باعث ہے، آپ کی تحریر ہمیں مل گئی، انشاء اللہ قابل اشاعت ہوئی تو جلد شائع کریں گے، آئندہ جب آپ کوئی تحریر بھیجیں تو پلیز اس پر اپنا مکمل ایڈریس اور رابطہ نمبر لکھ کر بھیجئے گا اگلے ماہ آپ کے تبصرے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

مبشرہ حمید: ساہیوال سے لکھتی ہیں۔

جویریہ جلیل کی دلکش مسکراہٹ سے مذین سرورق نے حنا کی خوبصورتی کو چار چاند لگا دیئے، اتنا اچھا سرورق دینے پر مبارک باد۔

پیارے نبیؐ کی پیاری باتوں اور حمد و نعت سے مستفید ہوتے آگے بڑھے اور انشاء نامہ سے لطف اندوز ہوئے، اس ماہ کی مصنفہ کے ساتھ دن گزارنے کے لئے آگے بڑھے مگر ڈھونڈنے کے باوجود کسی مصنفہ نے ہمیں لفٹ نہیں کرائی، پھر خود کو دلاسہ دیتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ کے ''اک جہاں اور ہے'' کی سیر کے لئے نکلے واہ بہت خوب، بہت سے راز اس مرتبہ فاش ہوتے نظر آئے کہانی اپنے اینڈ کی طرف بڑی خوبصورتی سے بڑھ رہی ہے سدرۃ آپی واپس پلٹے اور نایاب جیلانی کی تحریر ''پربت کے اس پار'' میں کھو گئے، نایاب جیلانی بھی بڑی محنت سے اس ناول کو لکھ رہی ہیں، خصوصاً ان کی منظر کشی بے حد اچھی لگتی ہے، مکمل ناول میں سحرش بانو کی تحریر کا دوسرا حصہ پڑھنے کو ملا واہ بہت خوب، سحرش نے بہت اچھی تحریر قارئین کو پڑھنے کے لئے دی شکریہ سحرش، جبکہ روبینہ سعید کا مکمل ناول کوئی خاص تاثر نہ دے سکا، اس کے برعکس ہما عامر نے ''یقین وفا'' میں اچھی کوشش کی، ناولٹ ''خوشبوؤں کا شہر'' نائلہ طارق کی اچھی کوشش نظر آئی، اور یہ کیا فرحت شوکت نے کیا کیا ناول کو اتنی جلدی ختم کر دیا ابھی تو کہانی آگے چل سکتی تھی تو پھر ایسا کیوں ہوا، بہر حال وہ مصنفہ ہیں زیادہ بہتر جانتی ہیں، ہمارے نزدیک تو کہانی کو جلدی وائنڈ اپ کر دیا فرحت نے، افسانے اور وہ بھی چھ عدد، سب سے بہترین افسانہ عمارہ امداد کا لگا، جبکہ فرزانہ حبیب کا افسانہ مئی کے حوالے سے اچھی کوشش تھی کاش کے سچ میں ایسا ہو جائے اور امیر لوگ غریبوں کو ان کا حق جائز سمجھ کر دیں نہ کے بھیک کے طور پر باقی سونیا چوہدری نے وہی گھسی پٹی کہانی لکھی جبکہ سمیرا گل نے ''جواز'' لکھ کر کافی حد تک سچ لکھا یہ سچ ہے کہ ہر کام کو کرنے کے لئے ہم کوئی نہ کوئی جواز نکال ہی لیتے ہیں چاہے کام جائز ہو یا ناجائز۔

تمثیلہ زاہد اور ام اقصیٰ نے بھی اچھی کوشش کی۔

مستقل سلسلے بھی بہترین تھے کسی ایک کی کیا تعریف کی جائے، فوزیہ آپی میں پہلی مرتبہ آپ کی محفل میں آئی ہوں اگر اچھا رسپانس ملا تو انشاء اللہ آئندہ بھی آؤں گی شکریہ۔

مبشرہ احمد خوش آمدید، اس محفل میں اور ہمارے دل میں آپ کے لئے بہت جگہ ہے آپ بس آتی رہیے ہم دل و جان سے منتظر رہیں گے۔ مئی کے شمارے کے لئے آپ کی پسندیدگی کا شکریہ۔

☆☆☆